تکبر تمام باطنی خرابیوں کی جڑ اور اُمّ الامراض ہے

تکبّر اور اُس کا علاج

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

کے اِس موضوع پر تین اہم مواعظ اور اُن کی تحریرات کا مُفید انتخاب

ترتیب و تزیین
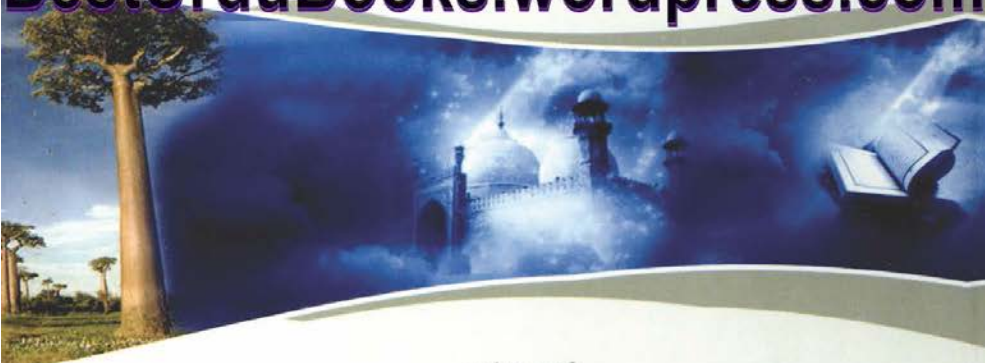
حضرت مولانا شفیع اللہ صاحب

اُستاذ جامعہ دار العلوم کراچی

ناشر

اِدارۂ اسلامیات

کراچی ــــ لاہور

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

کے تین اہم مواعظ وملفوظات اوران کی تحریرات کا انتخاب

۱)علاج الکبر ○ ۲)اوج قنوج

۳)دستورِ سہارنپور ○ ۴)دیگر تحریرات

ادارۂ اسلامیات کراچی لاہور

پہلی بار: ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۱
اہتمام: اشرف برادران سلمہم الرحمٰن
ناشر: ادارۂ اسلامیات کراچی۔لاہور

ملنے کے پتے

ادارۂ اسلامیات : موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی
ادارۂ اسلامیات : ۱۹۰، انارکلی لاہور
ادارۂ اسلامیات : دینا ناتھ مینشن، شارع قائداعظم، لاہور
ادارۃ المعارف : ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴
مکتبۂ دارالعلوم : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
دارالاشاعت : ایم اے جناح روڈ
ادارۂ تالیفات اشرفیہ : بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر
ادارۂ تالیفات اشرفیہ : جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد بہاولنگر
بیت القرآن : اردو بازار کراچی
بیت الکتب : نزد اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت العلوم : نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

فہرست

مضمون	صفحہ نمبر
علاج الکبر	۱۵
برائی سے بچنے کا نسخہ	۱۷
تکبر تمام عیوب کی جڑ ہے	۱۸
تکبر کا علاج	۱۹
معمولی تکبر بھی حرام ہے	۱۹
تکبر کا سبب	۲۱
رسوم شادی کا منشا کبر ہے۔	۲۱
رسوم مروجہ رسوم متروکہ سے اشد ہیں۔	۲۲
جہیز کی خرابیاں	۲۳
ہر ولیمہ مسنون نہیں ہوتا	۲۵
طعام المیت کا مطلب	۲۶
کبر کفر کی جڑ ہے	۲۷
رسوم مروجہ کا ممنوع ہونا قرآن و حدیث سے	۲۷
منگنی کی رسوم	۲۸
رسوم مروجہ کی اصل	۲۹
رسوم مروجہ بھی تشبہ ناجائز میں داخل ہیں۔	۲۹
تشبہ سے متعلق ایک بزرگ کا عبرتناک قصہ	۳۰
حضرت فاطمہؓ کا نکاح اور شادی کا قصہ	۳۱

مضمون	صفحہ نمبر
جہیز کے منکرات	۳۱
جہیز دینے کا جائز طریقہ	۳۲
حضرت فاطمہ کا چوتھی بھوڑا	۳۲
سفر میں نماز میں عورتوں کی کم ہمتی	۳۳
اتباع رسوم میں تقلید کی تردید	۳۴
غیبت وحسد وغیرہ بھی کبر سے پیدا ہوتے ہیں	۳۵
کبر کا نہایت مجرب اور کافی علاج	۳۵
کبر پر وعید	۳۸
اوج قنوج	۴۱
تمہید	۴۳
کبر اور اس کا علاج	۴۴
امید اور خوف	۴۵
توفیق اور سلب کا اختیار	۴۷
حق تعالیٰ کی عظمت	۴۸
امثال عبرت	۴۹
علم پر ناز	۵۱
انسان کی اصلیت	۵۲
امام کی خصوصیات	۵۴
حاکم کی اطاعت	۵۵
حکمت اور مصلحت	۵۶

مضمون	صفحہ نمبر
تدابیر نجات	۵۷
تفکر کی ضرورت	۵۹
ایک حقیقت	۶۲
فیشن پرستی	۶۳
بے حسی کی انتہاء	۶۴
غصہ اور اس کے مضرات	۶۶
عفو در گزر	۶۷
بچوں پر ظلم	۶۸
تکبر کی صورتیں	۷۰
حب اور بغض	۷۲
اللہ کی محبت	۷۴
اثر محبت	۷۷
آثار محبت	۸۰
تواضع	۸۴
تواضع کی حقیقت	۸۴
آجکل کا دستور	۸۶
صحبت بزرگان	۸۸
حقانیت اسلام	۹۰
عزت کی قیمت	۹۳
خدا کا حق	۹۵

مضمون	صفحہ نمبر
تدابیر اصلاح	۹۸
خلاصہ وعظ	۱۰۱
تفریع بر گندہ ذہنی	۱۰۳
دستور سہارنپور	**۱۰۹**
تمہید	۱۱۱
آیات کا تکرار	۱۱۲
امراض ظاہری و باطنی	۱۱۴
تکبر و تذلل سے اجتناب	۱۱۶
تواضع و استغناء کی حقیقت	۱۱۸
اخلاق حمیدہ و ذمیمہ	۱۱۹
طہارت ظاہری و باطنی	۱۲۱
شیطان کی چالیں	۱۲۴
عبرت کا حصول	۱۲۶
نظر و فکر کی ضرورت	۱۲۸
مرشد کامل کی رہبری	۱۲۹
بدگمانی سے احتراز	۱۳۲
جان و ایمان کی حفاظت	۱۳۳
مصائب سے نجات	۱۳۵
وساوس کا اثر	۱۳۸
غلطیوں کا احساس	۱۴۱

مضمون	صفحہ نمبر
تکبر حرام ہے	۱۴۲
حقیقت مال وجاہ	۱۴۳
شرعی وضع کی ضرورت	۱۴۵
علامت ایمان	۱۴۸
طلب کی شان	۱۵۰
کبر وعجب کا علاج	۱۵۲
تقوی کی ضرورت	۱۵۲
مغرب کی تقلید	۱۵۵
حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات اوران کی تحریرات کاانتخاب	**۱۶۱**
کبراکثر معاصی کی اصل ہے	۱۶۳
متکبرین کووعظ ونصیحت نہ کرنے کی اصل	۱۶۳
تکبر درگاہِ الٰہی میں وصول مقبولیت سے مانع ہے	۱۶۴
متکبرین کے ساتھ تکبر عبادت ہے	۱۶۴
اصلاح کے لئے زوالِ کبر پہلی شرط ہے	۱۶۴
تکبر کی مذمت	۱۶۵
احوالِ باطنہ غیراختیاریہ کے منتظر رہنے کا منشاء تکبر ہے	۱۶۵
اظہار نعمت، عجب وتکبر میں داخل نہیں ہے	۱۶۵
زوالِ کبر میں مواقع فضل الٰہی کاارتفاع ہے	۱۶۶
کبر بعض اوقات کفر تک پہنچادیتا ہے	۱۶۶

مضمون	صفحہ نمبر
کامیابی کا دار و مدار مجاہدہ پر ہے نہ کہ انساب پر	۱۶۶
مجاہدات پر عجب اور نظر نہ کرنا	۱۶۷
اہل فنا میں دعوی تقدس نہیں ہوتا	۱۶۷
کسی کو اپنے علم یا عمل پر اعتماد جائز نہیں	۱۶۸
دعاوی اکاذیب کی حیثیت	۱۶۸
طلب جاہ کی مذمت	۱۶۸
دنیوی نعمت کو حقیر سمجھنا جہالت ہے	۱۶۹
ترکِ عجب نزول سکینہ کا سبب	۱۶۹
اگر بہ ضرورت کمالات بیان کرنا پڑیں تو اس بیان کی حکمت بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے	۱۷۰
عبودیت اشرف اوصاف ہے	۱۷۰
اپنے تقدس و نسبت باطنہ پر کسی کو ناز کرنے کا حق نہیں	۱۷۱
اہل نسبت کو سلبِ نسبت سے ڈرتے رہنا چاہیئے	۱۷۱
دعوی کمال نہ کرنے کا اثبات	۱۷۱
کھانا نہ کھانا علامت مقبولیت سے نہیں	۱۷۲
باطنی نعمتوں سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے	۱۷۲
ادب اور عبدیت کا پورا اظہار	۱۷۲
ثمرات کو اپنی سعی اور مجاہدہ کی طرف منسوب کرنا مذموم ہے	۱۷۳
رضائے حق کے حاصل کرنے کے لئے خشیت اور معرفت کی ضرورت ہے	۱۷۳

مضمون	صفحہ نمبر
تفاخر اور مباحات کی مذمت	۱۷۳
مال یا جاہ عطا ہونے پر حق تعالیٰ شانہ کا شکر ادا کرنا چاہئے	۱۷۳
اپنی قوت کا دعویٰ نہ کرنا اظہارِ عبدیت ہے	۱۷۴
اپنے آپ کو دین کا مدار سمجھنا عجب میں شامل ہے	۱۷۴
اپنے اعمال پر نظر نہ کرنا چاہئے	۱۷۴
دعویٰ تقدس کی ممانعت	۱۷۵
عمل کا مدار توفیق پر ہے	۱۷۵
لباس وغیرہ میں امتیاز کبر سے نہ ہو تو مذموم نہیں	۱۷۵
آرام کے سامان کا استعمال جائز ہے	۱۷۵
جاہ اور کمال میں تنافی نہیں	۱۷۶
کبر اور خود رائی عالم کا اپنے کو جاہل سے اچھا سمجھنے کا علاج	۱۷۶
کبر کے اقسام بکثرت ہیں	۱۷۷
کبر کا علاج استحضار عظمت حق سبحانہ اور اختیار ذلت عرفی ہے	۱۷۷
کبر و شکر کا فرق	۱۷۷
سالکین کے کبر و تواضع مفرط کا علاج	۱۷۸
کبر و استغناء کا فرق	۱۷۸
خود رائی کا علاج کامل	۱۷۸
تکبر اختیاری ہے اور غیر اختیاری کا ترک بھی اختیاری ہے	۱۷۹
بلا اختیار اپنے کو بڑا سمجھنا مذموم نہیں لیکن بقصد ایسا سمجھنا کبر ہے	۱۷۹
تکبر مع اللہ کی صورت	۱۷۹

مضمون	صفحہ نمبر
دوسرے کو حقیر سمجھنے کا علاج	۱۸۰
وضعداری میں غلو بھی کبر ہے	۱۸۰
کبر کا علمی اور عملی علاج	۱۸۰
ذکر و شغل سے جو کبر پیدا ہو جائے اس کا علاج	۱۸۱
کبر کی نفی کے لئے یہ اعتقاد کافی ہے کہ شاید یہ مجھ سے اچھا ہو	۱۸۱
اگر کسی ملازم، شاگرد یا چھوٹے پر زیادتی ہو جائے تو اس کی معافی کا طریقہ	۱۸۲
ذکر سے نفع نہ ہونے کا سبب کبھی کبر ہوتا ہے	۱۸۲
انانیت کا علاج ذلت نفس ہے	۱۸۳
تکبر کا علاج تکبر سے ہونے کا معنی	۱۸۳
تکبر سے اندیشہ سلبِ نعمت کا ہے	۱۸۳
اتفاق کا طریقہ بھی ترک تکبر ہے	۱۸۳
عجیب وغریب علاج عبارت آرائی کا	۱۸۴
عبارت آرائی اپنے بڑے سے نہ کرنا چاہئے	۱۸۴
عبارت میں تکلیف مناسب نہیں	۱۸۴
سلام میں تقدیم سے عار آنا تکبر ہے	۱۸۴
صرف تحصیل علم سے تکبر نہیں نکل سکتا	۱۸۴
اقرار نقص دلیل کمال ہے	۱۸۵
از قید ہستی رستن کے معنی	۱۸۵
تکلف کی عبارت ایک قسم کا کبر ہے	۱۸۵

مضمون	صفحہ نمبر
حق گوئی سے عار آنے کا علاج	۱۸۵
فانی میں کبر نہیں ہوتا	۱۸۶
سائل سے تنگدل نہ ہونا چاہئے، نہ حقیر سمجھنا چاہئے	۱۸۶
تکبر کی حد	۱۸۶
عجب	۱۸۶
ہر عمل میں دو حیثیت ہیں	۱۸۶
اہلیت و قابلیت کی شرط عطیۂ خداوندی ہے	۱۸۷
توفیق الٰہی پر شکر چاہئے	۱۸۷
اظہارِ عمل کب نقص ہے اور کب کمال	۱۸۷
شکر و کبر کا فرق	۱۸۷
استحقاق اجر کے دعویٰ کا منشاء عظمت خداوندی پر نظر نہ ہونا چاہئے	۱۸۸
اعمال صالحہ خود سراپا انعامات ہیں	۱۸۸
کمال پر ناز کرنا دلیل ہے کمال سے عاری ہونے کی	۱۸۸
عمل صالح کی توفیق محض حق تعالیٰ کی فضل سے ہے	۱۸۸
عجب کا علاج	۱۸۹
عمل نسبت مع اللہ کے منافی ہے	۱۸۹
فرح و مدح	۱۸۹
مدح کا علاج	۱۸۹
فرح شکر و فرح بطر کا فرق	۱۸۹

مضمون	صفحہ نمبر
اللہ تعالیٰ کی صفت کبریاء کے لحاظ رکھنے سے کل مفاسد کی اصلاح ہو جاتی ہے	۱۹۰
کبر تمام عیوب حتی کہ کفر و شرک کی بھی جڑ ہے	۱۹۰
تکبر کا علاج	۱۹۱
کبر کا ایک اور مجرب علاج	۱۹۴
تواضع کی شناخت	۱۹۵
تواضع	۱۹۸
خودی و کبر کا ازالہ	۱۹۸
متکبرانہ معاشرت	۱۹۹
ہوس جاہ	۲۰۰
تکبر کا اثر	۲۰۱
تکبر کی نشانیاں	۲۰۱
تواضع	۲۰۳
کمال شکستگی کے منافع از بس رفیع ہیں	۲۰۳
تواضع للّٰہیہ کی تعریف	۲۰۴
تواضع کا اعلیٰ درجہ	۲۰۴
اقرار خطا سے اور عزت بڑھ جاتی ہے	۲۰۴
متواضع کی شناخت	۲۰۴
من تواضع للہ رفعہ اللہ کی صورت	۲۰۵
اتفاق کی اصل تواضع ہے	۲۰۵

مضمون	صفحہ نمبر
تواضع کی حد	۲۰۵
تواضع مفرط مکلّف ہے	۲۰۵
وضع وطرز اور تکلف وتصنع کے متعلق طلباء کو نصائح	۲۰۶
صدق تواضع کا طریقہ	۲۰۷
تکبر کا عملی علاج	۲۰۷
تکبر کی قباحت	۲۰۷
ترک عجب	۲۰۸
کمال تواضع	۲۰۹
تکبر کا منشاء اور بنیاد جہالت ہوتی ہے	۲۰۹
وقت تواضع	۲۱۰
اتفاق کی اصل	۲۱۲
کبر سے احتراز کی ضرورت	۲۱۳
کبر دلوں کے اندر ایک چنگاری ہے	۲۱۳
تکبر تمام اخلاق ذمیمہ کا اصل الاصول ہے	۲۱۵
شیخی عورتوں کی سرست میں داخل ہے	۲۱۵
دین دار اور تعلیم یافتہ عورتوں میں بھی شیخی کا مرض ہے	۲۱۷
حقیقتِ کبر	۲۱۸
کبر کے اقسام اور ان کا علاج	۲۱۸
کبر کا علمی اور عملی علاج	۲۲۳
حجاب اور کبر میں فرق	۲۲۴

مضمون	صفحہ نمبر
انقباض کبر نہیں	۲۲۵
عجب کا علاج	۲۲۵
خود بینی و بد بینی کا علاج	۲۲۶
استغناء اور کبر میں فرق معلوم کرنے کا آسان طریقہ	۲۲۷
کبر اور خجلت میں فرق اور ایک مثال سے اس کی تشریح	۲۲۷
ہر غصہ، تکبر کی وجہ سے نہیں ہوتا	۲۲۸
غصہ، ہمیشہ تکبر کی وجہ سے نہیں ہوتا	۲۲۸
عجب اور تکبر میں فرق	۲۲۸
متکبرین کا تھانہ بھون میں علاج اور حضرت شیخ الہند کا واقعہ	۲۲۹
متکبرین کا علاج خانقاہ امدادیہ میں	۲۳۰
کبر اور خود رائی کا مرض	۲۳۰
حکایت کبر اور کم عقلی	۲۳۱
مرض تکبر کی فکر رہتی ہے	۲۳۲
حب جاہ اور کبر کا مرض حماقت سے ناشی ہے	۲۳۲
تواضع بصورت تکبر	۲۳۳
کبر کا مرض عام ہو گیا ہے الا ماشاء اللہ	۲۳۴
فصل تکبر میں	۲۳۴

علاج الکبر

علاج الکبر

این	کہاں ہوا	تھانہ بھون مکان حضرت مولانا صاحبؒ
متی	کب ہوا	۲۳ صفر ۱۳۲۸ھ موسم برسات
کمْ	کتنا ہو	ایک گھنٹہ سات منٹ
کیف	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر: بیٹھ کر	
ماذا	کیا مضمون تھا	علاج کبر
من ضبط	کس نے لکھا	حکیم مولانا محمد مصطفیٰ صاحب بجنوریؒ
المستمعون	سامعین کی تعداد	۵ یا ۶
اشتات	متفرقات	بہ فرمائش ہمشیرہ حکیم مولانا محمد مصطفیٰ صاحب بجنوریؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O وَلَہُ الْکِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ہ

بڑائی سے بچنے کا نسخہ:

اس آیت میں حق سبحانہ تعالیٰ نے خاص اپنی ایک صفت بیان فرمائی ہے کہ اگر اُس کو انسان نظر میں رکھے تو کُل مفاسد اس سے الگ رہیں۔ خلاصہ اس کا معرفت تعلق انسانی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ تعلق امر نسبتی ہے جو طرفین کو چاہتا ہے ایک طرف حق تعالیٰ ایک طرف بندہ۔ تو اس تعلق کے پہچاننے کا طریق دو معرفتوں کا جمع کرنا ہے معرفت حق تعالیٰ کی اور معرفت اپنے نفس کی اور ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ تلازم بھی ہے اگر حق تعالیٰ کو پہچان لیا جائے تو نفس کی پہچان ہو جائے گی اور اگر نفس کا علم ہو جائے تو معرفت حق تعالیٰ ہو جائے گی۔ اسی واسطے کہا گیا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ[1] اور پہلی معرفت دوسری معرفت سے اس لئے اہم ہے کہ نفس تو حاضر ہے اور اللہ غائب اور غائب کا پہچاننا مشکل ہے حاضر سے اس اہمیت کے سبب اس آیت میں اسی کی تعلیم کی گئی ہے کہ اس میں اپنی ایک صفت ذکر فرمائی کہ اس صفت سے پہچانیں اور وہ صفت کبریاء ہے جو تمام صفات کے درجۂ کمال کو شامل ہے اور معنی اس کے بڑائی۔ جس کو حق تعالیٰ نے اپنے

(۱) جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ ۱۲ ش

ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور جب یہ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے تو دوسرے میں نہ ہونی چاہئے۔ اور بندہ میں اس کی بالکل نفی ہونی چاہئے، سو جب تک یہ معرفت محفوظ رہے گی حاشا وکلا جو کوئی مفسدہ بھی ہونے پائے اور جب یہ معرفت نہ رہے گی اور بندہ صفت کبریاء کو اپنے اندر لینا چاہے گا تو جو کچھ بھی مضرتیں اور عیوب پیدا ہوں کم ہیں۔

تکبر تمام عیوب کی جڑ ہے:

اور واقع میں یہی ایک صفت کبر ہے کہ جڑ ہے تمام مفاسد کی حتیٰ کہ شرک کی چنانچہ دنیا میں جو کوئی بھی کافر ہوا ہے وہ کافر نہیں ہوا مگر اپنے نفس کے کبر سے ورنہ حق مخفی نہیں رہتا۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا۔ الآیۃ۔ ظلم اور علو کو سبب فرمایا ہے۔ جحد کا، علو اور کبر ہم معنی ہیں۔ ابو طالب کو ایمان سے کس نے روکا صرف عار نے یوں کہا کہ مرتے وقت ایمان لاؤں گا تو قوم میری کہے گی ابو طالب دوزخ سے ڈر گیا۔ اس کی حقیقت یہی تو ہے کہ جو رفعت قوم پر حاصل ہے وہ نہ رہے گی اس رفعت نے پیچھا نہ چھوڑا یہانتک کہ کام تمام ہی کر دیا۔

اور کبر کا وجود کسی ایک گروہ میں نہیں بلکہ یہ وہ عام مرض ہے کہ کم وبیش ہر طبقہ کے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور دوسرے عیوب میں تو اکثر جاہل لوگ پھنسے ہوتے ہیں تعلیم یافتوں میں وہ عیب کم ہوتے ہیں کیونکہ وہ اُن کے برے نتائج کو جانتے ہیں لیکن اس میں جاہل عالم سب کم وبیش مبتلا ہیں۔ مشرکین عرب تو جاہل تھے اب اُس گروہ کو دیکھئے جو تعلیم یافتہ کہلاتا تھا یعنی اہل کتاب اُن کو بھی ایمان لانے میں جو حارج ہوا سو وہی کبر۔ اس مختصر بیان سے بقدر کفایت اس کی توضیح ہوگئی کہ کفر وشرک کا مبنیٰ ہمیشہ کبر ہے۔

اب غور کر کے دیکھئے تو یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ اور بہت سے معاصی کا مبنیٰ بھی کبر ہی ہے جو کفر وشرک سے نیچے ہیں۔ ایسے گناہ کبر سے اس طرح ہوتے ہیں کہ گنہگار اپنے برے عمل کو صرف اس عار کی وجہ سے نہیں چھوڑتا کہ لوگ کہیں گے کیا اتنے روز سے یہ احمق رہا اس کام کو ہمیشہ سے کیوں کرتا رہا جو اَب چھوڑنا پڑا۔ اس شخص نے عیب حماقت سے

اپنے نفس کو بچایا۔ یہی کبر بڑا مرض ہے۔

تکبر کا علاج:

اور علاج بالضد ہوا کرتا ہے۔ یہ مرض پیدا ہوا عدم معرفت کبریاء حق سے تو علاج معرفت کبریاء حق ہوگا یعنی عظمت حق تعالیٰ کی اُس کو حق تعالیٰ نے آیت میں بلفظ حصر اپنے واسطے ثابت کیا ہے ولہ الکبریآء یعنی اُسی کے واسطے ہے عظمت۔ بلاغت کے قاعدے سے لہٗ کو مقدم کرنے کا یہی مطلب ہے کہ عظمت مخصوص ہے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ، یہ صفت دوسرے میں بالکل نہیں ہوسکتی نیز یہ نہیں فرمایا ولہ الکبریآء العظمیٰ۔ کہ بڑی عظمت تو حق تعالیٰ کے لئے ہے اور چھوٹا موٹا کوئی حصہ اُس کا دوسرے کے لئے بھی ثابت ہے بلکہ مطلق کبریاء کو دوسرے سے نفی کر دیا۔ اِسی کو حدیث میں اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ العظمة ازاری و الکبریاء ردائی فمن نا زعنی فیهما قصمتہ یعنی عظمت میرا تہہ بند ہے اور کبریاء میری چادر ہے جو کوئی ان دونوں کو مجھ سے چھیننا چاہیگا میں اُس کی گردن توڑوں گا۔ چادر اور تہہ بند فرمانا کنایہ ہے خصوصیت سے معنی یہ ہوئے کہ یہ دونوں صفتیں خاص ہیں میرے ساتھ دوسرا کوئی مدعی ہوگا تو میں اس کو سزا دوں گا جب کبریاء حق ہوا باری تعالیٰ کا تو اپنے نفس میں اس کا رکھنا مساواۃ ہوئی باری تعالیٰ کے ساتھ۔

معمولی تکبر بھی حرام ہے:

اور دیگر معاصی کے لئے تو حدود ہیں کہ جب تک اُن تک نہ پہنچے معصیت نہیں ہوتی۔ مثلاً کھانا کہ جب تک اتنا زیادہ نہ ہو کہ موجب ہو جائے مرض کا اُس وقت تک مباح ہے یا بھوکا رہنا کہ جب تک سبب نہ ہو جائے ہلاکت کا جائز ہے۔ مگر کبر وہ معصیت ہے کہ اس کے لئے کوئی حد نہیں بلکہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ید خل الجنة من کان فی قلبہ مثقال ذرة من کبر یعنی جس کے دل میں ایک ذرّہ برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ بلکہ ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ تشدد ہے۔ اخرجو من النار من کان

فی قلبہ مثقال ذرّۃ من ایمان۔ یعنی قیامت کے دن حکم ہوگا کہ جس کے دل میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہے اُسے دوزخ سے نکال لو۔ اس کو پہلی حدیث سے ملایئے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے وہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر کبر جس کے دل میں ہے جنت میں نہ جائے گا۔ یہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر بھی ایمان جس کے دل میں ہے جنت میں جائیگا اس سے صاف یہ بات نکلتی ہے کہ ذرّہ بھر کبر بھی جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر ایمان نہیں ہوسکتا۔ اور ذرّہ بھر ایمان جس دل میں ہے اُس میں ذرّہ بھر کبر نہیں ہوسکتا ہے دونوں میں بالکل نقیضین ہیں۔ گو اس کی توجیہ یہ ہے کہ جنت میں جانے کے وقت ذرّہ بھر کبر نہ ہوگا لیکن آخر اس سے بھی تو اس صفت کا مُضاد ایمان کسی درجے میں ہونا ثابت ہوا۔

اب سمجھ لو کہ کبر کس قدر سخت معصیت ہے اور ہونا ہی چاہئے کیونکہ سب سے بڑا گناہ کفر ہے اور کبر خود اُس کی بھی اصل ہے اور کفر اس کی فرع تو مسلمان کو چاہئے غور کیا کرے کہ اس کے دل میں کبر ہے یا نہیں مگر ہماری تو عادت ہوگئی ہے کہ سوچتے ہی نہیں ورنہ معلوم ہوجاتا کہ نہ دین دار ہمارے خالی ہیں کبر سے نہ دنیا دار خالی ہیں کبر سے۔ جو دین دار کہلاتے ہیں وہ دین کے پیرایہ میں اس میں گرفتار ہیں اور جو دنیا دار ہیں ان کو خبر ہی نہیں کہ کبر کوئی چیز ہے یا نہیں۔ چنانچہ دیندار لوگ نماز پڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو سمجھتے ہیں کہ ہم دنیاداروں سے اچھے ہیں جتنی ترقی ان کو نماز پڑھنے سے ہوتی ہے اُس سے زیادہ تنزل اِس پندار سے ہوتا ہے دین کے ساتھ ساتھ بدترین دنیا اُن کے قلب میں جگہ پکڑے ہوئے ہے۔

اس کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ نماز میں جب یہ خرابی ہے تو اُن کو چاہئے نماز چھوڑ دیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ خرابی نماز میں جب پیدا ہوتی ہے جب کہ حق تعالیٰ کی عظمت قلب میں نہ ہو اور جب عظمت ہو تو دوسری طرف توجہ ہی نہیں ہوسکتی بلکہ حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنی نماز سے آدمی بجائے اس کے کہ اِتراوے اُلٹا شرمندہ ہوتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بہت بڑے شاہنشاہ کے حضور میں ایک نہایت ذلیل آدمی کوئی تحفہ بہت کم قیمت لیجاوے دربار کی عظمت وشوکت دیکھ کر اُس کی کیا حالت ہوگی۔

مختصر یہ ہے کہ اُس ذلیل تحفہ کو پیش کرنے پر بھی اُس کو قدرت نہ ہوگی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور غنیمت سمجھے گا کہ کسی سزا کا حکم نہ ہو جائے جلد ہی یہاں سے کسی طرح خیریت سے نکل جاؤں۔ ہماری نمازوں کی جو کچھ حقیقت ہے وہ خوب معلوم ہے پھر اُس کو حق تعالیٰ جیسے احکم الحاکمین کے سامنے پیش کر کے ذرا شرم بھی نہ آنا اسی وجہ سے ہے کہ عظمت وجلال حق تعالی سے ہم نے قطع نظر کر لی ہے اور اسی سے یہ خرابی پیدا ہوئی کہ دوسری طرف توجہ ہوئی اور اپنی نماز کو کچھ سمجھ کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔ اس تقریر سے بخوبی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نماز پڑھنے یا اور دین کے احکام بجالانے سے اگر دل میں کبر پیدا ہو تو اُس کا علاج یہ نہیں کہ اُس عمل کو چھوڑ دیا جائے۔

تکبر کا سبب:

بلکہ جو سبب ہے اُس کو قطع کیا جائے سبب اُس کبر کا تعمیل حکم دین نہیں ہے بلکہ عظمت الٰہی کا دل میں نہ ہونا ہے سو اُس کو پیدا کرنا چاہئے اس سے تعمیل حکم بھی ہوگی اور وہ خرابی جو اُس کے ساتھ لگی ہوئی ہے وہ بھی نہ رہے گی۔ اس غلطی میں بہت سے پڑھے لکھے اور سمجھدار بھی مبتلا ہیں۔ خوب سمجھ لو غرض ہمارے دیندار بھی کبر میں مبتلا ہیں۔ اور دنیا دار بھی۔ دنیا داروں میں اُس طرح کا کبر تو نہیں ہے جو دینداروں میں ہے ہاں دنیا داروں میں اور طریقے کبر کے ہیں۔ وضع میں، لباس میں۔ بیاہ شادی میں۔

کبر میں سب گناہوں سے بڑھ کر ایک خرابی اور ہے وہ یہ کہ مسلمان خواہ کسی درجہ کا ہو مگر اُس کے دل میں یہ بات ضروری ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جائے کر گذرتا ہے کسی ضرورت سے لیکن کرنے کے بعد دل میں چوٹ ضرور لگتی ہے اور پشیمان ہوتا ہے مگر کبر کہ یہ گناہ ساری عمر دل میں رہتا ہے اور دل پر صدمہ نہیں ہوتا۔

رسوم شادی کا منشاء کبر ہے:

آپ دیکھتے نہیں کہ بیاہ شادی کی جتنی رسمیں ہیں سب تفاخر ہی پر مبنی ہیں پھر کسی کے

دل کو صدمہ تو کیا اور اُن سے خوش ہوتے ہیں خاص کر جبکہ اُن پر وہ ثمرہ مرتب بھی ہو جائے جس کے واسطے کی جاتی ہیں یعنی علو اور شہرت جب کہ کسی کے یہاں تقریب میں بدنظمی نہ ہو اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہو اور خیریت سے اختتام کو پہنچ جائے تو نام ہوتا ہے یوں کہتے ہیں اپنی حیثیت سے زیادہ لگا دیا بڑی ہمت کی پانچ روپے کی اوقات میں کھانا کیا اچھا دیا۔ بارات کیسی بڑھیا لایا۔ اِس کو کفر نہ کہیے مگر قریب کفر ضرور ہے۔

دیکھئے شرعی مسئلہ ہے اور کتابوں میں لکھا ہے کہ گناہ کو چھوٹا سمجھنا کفر ہے اِس کو سب جانتے ہیں مگر اس کو خاص کر لیا ہے معاصی ظاہرہ کے ساتھ کیوں صاحب! معاصی قلبیہ میں یہ حکم کیوں جاری نہیں حالانکہ وہ اُمّ المعاصی [1] ہیں پھر کبر کے ساتھ رضا اور فرح قریب کفر بھی نہ ہوگا۔ اب سمجھ لیا آپ نے نام آوری سے خوش ہونا کس درجے کا گناہ ہے۔

رسموں کے متعلق ایک یہ دلیل سیکھ لی ہے مستورات نے کہ آج کل نئے مولوی نکل آئے ہیں اگر یہ بُری تھیں تو پہلے کسی مولوی نے کیوں منع نہیں کیا۔ خوب سمجھ لو کہ نصیحت خواہ کیسی ہی معمولی سی ہو دل میں جب ہی جمتی ہے جب کہ توجہ ہو تو یہ کہنا تو غلط ہے کہ کسی مولوی نے منع نہیں کیا۔ مولویوں نے ہمیشہ سے منع کیا ثبوت اس کا یہ ہے کہ اُنہیں کی کتابیں موجود ہیں جن میں منع لکھا ہے ہاں تم نے اُن کے منع کرنے کو سُنا نہیں کیوں کہ توجہ ہی نہیں تھی اب یہ بات اپنے دل سے گھڑ لی کہ منع نہیں کیا۔

رسومِ مروجہ رسوم متروکہ سے اشد ہیں:

ایک یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسمیں تو وہ تھیں جو کسی زمانے میں تھیں مثلاً گنگنا باندھنا برہمن سے تاریخ رکھوانا وغیرہ وغیرہ اور اب تو کچھ رسمیں رہی ہی نہیں اِن میں کیا کفر وشرک ہے۔ بیبیو! کیا کفر وشرک ہی علت ہے منع ہونے کی؟ کیا تفاخر اور سمعہ اور اِسراف علت نہیں ہے۔ جس شریعت میں کفر وشرک کو برا لکھا ہے کبیرہ گناہ کو بھی تو برا لکھا ہے، زائد سے زائد گو ہ اور موت کا سا فرق کہہ لو۔ بلکہ میں کہتا ہوں ایک معنی کر موجودہ رسمیں اُن رسموں

---

(۱) یعنی تمام گناہوں کی اصل ہیں۔

سے زیادہ بُری ہیں جو چھوٹ گئیں اس واسطے کہ تمہارے ہی قول کے بموجب اُن کا مبنیٰ کفر پر تھا اوران کا مبنیٰ اس چیز پر ہے کہ وہ کفر کی بھی جڑ ہے یعنی کبر۔ پہلی رسمیں کفر تھیں لیکن حظ نفس سے خالی تھیں اُن کی ترک میں نفس مزاحم نہ تھا کیونکہ اُن میں حظّ نہیں تھا اور رسوم موجودہ میں حظِّ نفس ہے ان سے متنبہ ہونے کی اُمید نہیں سمجھ لو کہ کفر وشرک میں حظِّ نفس نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ نفس کو سب سے زیادہ ناگوار کسی کے سامنے لچنا ہے تو جو شخص مشرک ہے اُس کو بہت سُوں کے سامنے لچنا پڑتا ہے تو اس میں حظّ کہاں۔ جہالت وغیرہ داعی اُن کے ہو جاتے ہیں ورنہ نفس کے وہ رسوم خلاف ہیں۔ علیٰ ہذا یہ سمجھنا کہ آج کل کی رسمیں کچھ رسمیں ہی نہیں ہیں اور زیادہ خطرناک ہے کیونکہ جس گناہ کو آدمی گناہ نہ سمجھے اُس سے توبہ کی کیا امید ہوسکتی ہے کیونکہ توبہ نام ندم یعنی پشیمانی کا ہے اور پشیمانی اُسی چیز سے ہوا کرتی ہے جس کی کچھ بُرائی دل میں ہو۔ جب ان رسموں کی بُرائی ہی دل میں نہیں ہے تو پشیمانی کیوں ہوگی اور جب پشیمانی نہیں تو اُس سے توبہ کیسی۔

جہیز کی خرابیاں:

بعض رسموں کی نسبت یہ کہہ دیتی ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے جیسے جہیز دینا بچوں کو کرتا ٹوپی دینا ولیمہ یا عقیقہ بہ ہیئتِ مروّجہ کرنا۔ میں پوچھتا ہوں نماز پڑھنا کیسا فعل ہے ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ فعل مستحسن ہے اس میں فرض بھی ہے اور واجب بھی ہے اور سنت بھی ہے کم از کم مستحب تو ہے ہی اب اگر اُس میں ذرا سا تغیر کر کے پڑھے مثلاً قبلہ کی طرف پشت کر کے پڑھے تو بتاؤ یہ نماز کیسی ہے جائز ہے کہ ناجائز۔ اور اگر اس سے منع کریں تو یہ نماز سے منع کرنا کہلائے گا حاشا وکلا۔ یہ نماز سے منع کرنا نہیں۔ بلکہ قبلہ کی طرف پشت کر کے پڑھنے سے منع کرنا ہے۔ نماز سے منع کرنا کیسا نماز کو درست کرنا ہے۔ یہی حال رسموں کا ہے جہیز دینے سے منع نہیں کیا جاتا بلکہ دکھلاوے اور تفاخر اور اِسراف سے منع کیا جاتا ہے۔

جہیز اگر اپنی بیٹی کو محبت کی وجہ سے دیا جاتا ہے تو اس میں اس کو کیا دخل ہے کہ برادری کے سامنے ایک ایک عدد دِکھا کر گنوا کر دیا جائے اگر اسی کا نام محبت ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ

آپ کو اپنی بیٹی سے شادی ہی کی تاریخ میں محبت ہوئی اس سے پہلے نہ تھی کیونکہ پہلی کی عادت تو یہ تھی کہ جو کچھ کھلایا پلایا کبھی اس کی تشہیر نہیں کی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ محلے کے دو چار آدمیوں کو بھی جمع کر کے دکھایا ہو کہ لڑکی کے لئے حلوا بنایا ہے یا کوئی کپڑا عمدہ سلوایا ہے بلکہ یہ کوشش رہتی تھی کہ کسی کو خبر بھی نہ پہنچے کہ پیٹ میں پڑ جائے کسی کی نظر نہ لگے اس وقت جو کچھ پیٹ میں جو کچھ پڑ جائے گا کام آئے گا۔ یہ آج نئی محبت کیسی پیدا ہوئی اگر وہ محبت ہے تو یہ محبت نہیں اور اگر یہ محبت ہے تو اس سے پہلے بجائے محبت کے عداوت تھی۔

بیبیو! ذرا عقل سے کام لو۔ کیا جہیز دینے کی یہ صورت نہیں ہو سکتی کہ کپڑے برتن وغیرہ جو کچھ سامان ہو صندوق بند کر کے بند بھیج دیئے جائیں اور بند بھیجنے میں بھی یہ ضروری نہیں کہ لڑکی کے ساتھ جاوے، کیونکہ اس میں بھی ضرور ہے کہ وہ وہاں فوراً سب کے سامنے کھلے گا وہی ریاء پھر رہی بلکہ جب لڑکی میکے میں آوے اُس کو دیدو پھر وہ جب چاہے لے جاوے خواہ دفعۃً یا تدریجاً مگر اسکو کوئی گوارا نہیں کرتا ہے۔ ہمارے پاس یہ کافی ثبوت ہے اِس امر کا کہ تفاخر اور دکھلا وا ہی منظور ہے۔

پھر جہیز میں وہ چیزیں ہوتی ہیں جو کبھی کام نہیں آتیں صرف ضابطہ کی خانہ پُری کر دیتے ہیں چوکی ضرور دی جاتی ہے جس کا ناپ تول ایسا تجویز ہوا ہے کہ کار آمد نہیں نہ اتنی چھوٹی کہ ہر وقت اُٹھانے بٹھانے کے قابل ہو اگر چھوٹی ہوتی تو باورچی خانے ہی میں پڑی رہا کرتی اور اتنی بڑی نہیں کہ نماز پڑھ سکیں۔ ایک عجیب دردِ سر ہے ایک جگہ ڈال دیں اور دیکھا کریں۔ پیڑھی نواڑ کی بُنی ہوئی ضرور ہوتی ہے حالانکہ کبھی کام میں نہیں آتی سوائے اس کے کہ ایک طرف احتیاط سے رکھدی جائے اور گل کر اور ٹوٹ کر ایندھن ہو جائے کیونکہ پیڑھی کا کام تو یہ ہے کہ چولھے کے پاس اُس پر بیٹھ سکیں اور جہیز کی پیڑھی اس قدر نازک اور سبک اور تکلف کی ہوتی ہے کہ چولھے کے پاس رکھنے سے جی دُکھتا ہے چولھے کے پاس اس واسطے نہیں رکھی جاتی اور کسی کام کی ہے نہیں۔ بتاؤ یہ کون سی عقل کی بات ہے۔ اِسی کو التزام مالا یلتزم کہتے ہیں جس سے علماء منع کرتے ہیں۔ جہیز کی چیزیں اکثر ایسی ہی ہوتی ہیں جو ایک دفعہ دکھانے کے لئے نئی بنا دیجاتی ہیں اور واقع میں بیکار اور پُرانی ہوتی ہیں حتیٰ

کہ بازار والے بھی جانتے ہیں جب خریدنے جاؤ تو پُوچھتے ہیں گھر کے استعمال کے واسطے چاہئے یا دینے کے لئے۔ محبت اسی کا نام ہے۔

جہیز بڑھیا ہونے کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ لڑکے کے سارے خاندان کو جوڑے دیئے جاتے ہیں اور خاندان میں کئی کئی پشت تک کے مُردے بھی شمار کئے جاتے ہیں اُن کے بھی جوڑے ہوتے ہیں شاید مُردوں کو پہنانا منظور ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ جوڑے پہننے کے قابل ہوتے بھی نہیں صرف ضابطہ کی خانہ پُری کے لئے کپڑوں کے عدد پورے کر دیئے جاتے ہیں پاجامہ کا کپڑا دیکھئے وہ چھوٹا کرتے کا دیکھئے وہ چھوٹا جن کے یہاں پہونچتے ہیں وہ اُن کا پاجامہ کرتا بناتے نہیں کیونکہ بن ہی نہیں سکتا اور کاموں میں لاتے ہیں۔ کیا یہ باتیں عقل کی ہیں۔ یہ حالت تو جہیز کی ہے۔

ہر ولیمہ مسنون نہیں ہوتا:

اب ولیمہ کی سنئے اِس پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ یہ تو بالیقین سُنت ہے۔ سنت کا نام تو سن لیا یہ بھی معلوم ہے کہ سنت کہتے کس کو ہیں سنت نام ہے۔ مَا ثَبَتَ بالسنة کا۔ یعنی وہ فعل جو حدیث سے ثابت ہو۔ ولیمہ بے شک حدیث سے ثابت ہے مگر لا تقربو الصلوٰۃ کی مثل نہ کرو کہ نفس ولیمہ کا ثبوت تو حدیث سے لے لیا اور اُس کی کیفیت جو حدیث میں آئی ہے چھوڑ دی جس طرح کہ نفس ولیمہ ثابت بالحدیث ہونے کی وجہ سے اختیار کرتی ہو اُسی طرح اُس کی کیفیت اور طریقہ بھی کیوں نہیں اختیار کرتیں اگر وہ ثابت ہے تو یہ بھی ثابت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ولیمہ کی کیفیت سنئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا، صبح کو صحابہ سے فرمایا جو کچھ کھانے کی چیز کسی کے پاس ہو لے آؤ لوگوں کے پاس سفر میں جیسا کہ کچھ توشہ موجود تھا لا رکھا، کسی کے پاس کھجوریں تھیں، کسی کے پاس پنیر تھا کسی کے پاس سوکھی روٹیاں تھیں، جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا اور سب نے حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیا یہ حضور ﷺ کا ولیمہ ہو گیا۔ ولیمہ کا ثبوت تو سب کو یاد ہے اس کیفیت کا ثبوت کسی کو یاد نہیں۔ کیا کوئی ایسا کر سکتا ہے۔ یہ حدیث تو فعلی ہے قولی

حدیث لیجئے۔ شرا لطعام طعا م الولیمة یدعیٰ لھا الا غنیاء و یترك الفقرآء یعنی بُرا کھانا اُس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں امیروں کو بلایا جائے غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب ولیمے اچھے ہی نہیں بعضے برے بھی ہوتے ہیں۔ جب بُرا ہے تو منع کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ آج کل کا ولیمہ ایسا ہی ہوتا ہے اگر کوئی غریب محتاج مانگے تو کہد یتے ہیں پہلے جن کے واسطے پکا ہے اُن کو تو کھا لینے دو تم کو پیچھے ملے گا۔ اس ولیمہ کی برائی میں نے حدیث سے سنا دی۔ پھر علماء اگر منع کریں تو کیا الزام۔ دوسری حدیث سے سنیئے نهی رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم عن طعام المتبا رئین۔ یعنی منع فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن دو شخصوں کے کھانے سے جو آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرتے ہوں یعنی بحثا بحثی سے کھلاتے ہوں۔ اب دیکھ لو کہ برادری کے کھانے ایسے ہی ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر ایک نے گوشت روٹی دیا ہے تو دوسرے کی کوشش ہوتی ہے کہ بریانی دے۔ تیسرے کی کوشش ہوتی ہے کہ فیرینی بھی ہو چوتھا شیر مال اور بڑھاتا ہے۔ حدیث شریف کے بموجب ایک کے یہاں بھی کھانا نہ چاہئے۔ دیکھو یہ اُن تقریبوں کی حالت ہے جن کو مسنون بتاتے ہیں۔

طعام المیت کا مطلب:

بزرگوں کا قول ہے طعا م ا لمیت یمیت القلب اس کے معنیٰ متعارف اور مشہور تو یہ ہیں کہ وہ کھانا جو کسی کی موت میں پکا ہو، اس تقدیر میں طعام کی اضافت میت کی طرف بہت ہی بعید ملابست سے ہو سکتی ہے، میرے نزدیک میت کے معنی عاصی کے لئے جائیں تو زیادہ مناسب ہے کہ یہ استعمال قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔ او مـن کـا ن میتـاً فـا حیینـاهُ اب معنی طعام المیت کے یہ ہوں گے وہ کھانا جو گناہ کے طریق پر پکا ہو یعنی اضافة الی الفاعل ہوگی۔ اس کھانے میں یہ نحوست ہے کہ دل مرجاتا ہے یعنی حِس نہیں رہتی۔ مُردہ اور زندہ میں احساس اور عدم احساس ہی کا تو فرق ہوتا ہے۔ جب قلب میں حِس نہ رہی تو جس گناہ میں بھی پڑ جائے کم ہے۔ یہ برکت ہے ان ولیموں اور عقیقوں اور بھاجیوں کی

جن کو کہتی ہو یہ رسمیں تھوڑا ہی ہیں۔ انہیں رسم نہ کہو اِثم کہہ لو۔

کبر کفر کی جڑ ہے:

یاد رکھو یہ سب رسمیں ہی ہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ رسم وہی ہو جو کفر و شرک ہو۔ اگلے زمانے کی رسمیں بڑی رسمیں تھیں یہ اُن کے مقابلے میں چھوٹی سہی مگر ہیں تو رسمیں ہی اور اُن کو چھوٹا بھی تنزلاً کہتا ہوں ورنہ درحقیقت اُن سے کچھ کم نہیں بلکہ من وجہٍ زیادہ ہی ہیں جیسا ابھی میں نے بیان کیا کہ رسوم متروکہ مبنی علی الکفر تھیں اور یہ مبنی علی الکبر ہیں اور کبر کفر کی بھی جڑ ہے۔ غرض موجودہ رواج بھی سارے کے سارے رسوم ہی ہیں تغافل کی وجہ سے ذہنوں میں سے اُن کا قبح جاتا رہا ہے۔ رسمیں سب چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔ اِن میں جتنی مصلحتیں بتائی جاتی ہیں سب مؤمن سمجھوتی ہیں حقیقت میں سب التزام ہیں۔ اچھے اچھے سمجھدار ان میں بے وقوف بن جاتے ہیں اور پیروی کئے جاتے ہیں بہت سی رسموں کی مصلحت اور وجہ ایجاد معلوم بھی نہیں مگر اُسی ہیئت کے ساتھ ادا برابر ہوتی ہیں جب کوئی وجہ بھی اُن کی ذھن میں نہیں تو تقلید محض ہوئی یا نہیں اور کس کی تقلید شریعت کی تو در کنار کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی عقل مند کی بھی تقلید ہے۔ حاشا وکلا۔ بس سوائے اِس کے نہیں کہ جہلاء کی تقلید ہے اور رسمِ محض ہے مصلحت کا نام بھی لینا غلط ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ بہت سی رسمیں اب بھی برکت حاصل کرنے کے لئے ادا کی جاتی ہیں۔ جب تک فلاں فلاں کام نہ ہوں شادی سزاوار نہیں ہوگی۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ۔

رسومِ مروجہ کا ممنوع ہونا قرآن وحدیث سے:

اور انہیں رسموں کی نسبت جن کی بناء تقلید جہلاء پر ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ فَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى اور أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ازواجِ مطہرات کو حکم ہے کہ جیسا جاہلیت میں بے دھڑک نکلتی تھیں اب نہ نکلو۔ اور بطور انکار فرماتے ہیں کیا جاہلیت کا حکم پسند کرتے ہیں بہت لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ رسموں کا شریعت میں کہیں

ثبوت نہیں تو منع کا بھی ثبوت کہاں ہے۔ کیا اچھے کپڑے پہننا منع ہے اپنی اولاد کو دینا ناجائز ہے، مہمانوں کی خاطر داری بُری بات ہے۔ میں کہتا ہوں منع کا ثبوت قرآن سے تو مذکور ہوا اب حدیث لیجئے۔ ارشاد من لبس ثوب الشهرة البسه الله ثوب الذل يوم القيامة۔ یعنی جو کوئی کپڑا دکھانے کے لئے پہنے گا اُس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنایا جائے گا۔ یہ حدیث کپڑے کے بارے میں بالکل صریح ہے اور اور رسوم کو باشتراک علت شامل ہے اس وعید کی علت شہرت ہے جس کام میں شہرت کا قصد کیا جائے سب اس کے اندر آ گئے خواہ اُس کو بیٹی کا دینا کہہ لو یا مہمانوں کی خاطر سمجھا کرو۔ جب عقل سے کام لوگی تو حقیقت میں بناء ان رسموں کی صرف دکھلاوے اور التزام مالایلتزم ہی پر پاؤ گی۔

منگنی کی رسوم:

بیبیو! اگر ان رسموں میں بھلائی ہوتی تو دونوں جہان کے بادشاہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں ضرور ہوتیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کسی کی کمی تھی حق تعالیٰ جو چاہتے دیدیتے۔ آپ کی منگنی کا قصہ میں بیان کرتا ہوں۔ اوّل یہاں کی منگنی کے خرافات سنئے۔ یہاں شادی سے پہلے اُس کے مقدمہ ہی میں جس کی حقیقت سوائے زبانی پُختت دیز[1] کے کچھ نہیں ہے کیا کیا کچھ طومار پھیلائے جاتے ہیں اُس کی بھی پورا ایک قانون مرتب ہے دُور دراز سے سفر کر کے لڑکے والا جائے۔ اپنا وقت ضائع کرے رُوپیہ برباد کرے اتنے دنوں میں جو کچھ کماتا اُس کو سوخت کرے تب اُس سے بات قرار پائے یہ بہت اجمال کے ساتھ بیان ہے ورنہ جو جو قیدیں منگنی میں طرفین سے مقرر ہیں سب جانتے ہیں۔

حاصل یہ کہ جو کام دو پیسے کے خط سے نکلتا اُس میں صد ہا روپے ضائع کئے جاتے ہیں۔ کیوں صاحب اس میں کیا مصلحت ہے اگر یہ کہو کہ خط پہونچا نہ پہونچا کیا اعتبار ہے۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ خط کو رجسٹری کرا دیا ہوتا یا بیمہ کرا کے بھیجا ہوتا اگر اس میں بھی ضائع

(۱) وعدے۔

ہونے کا احتمال تو یہ احتمال غیر ناشی عن دلیل ہے اور اُس کو خبط اور وہم کہتے ہیں۔ ہم جس مکان میں بیٹھے ہیں اُس میں ہر وقت امکان عقلی موجود ہے کہ گر جائے لہٰذا چاہئے کہ بھا گیں پھر جس مکان میں جائیں گے اس میں امکان عقلی موجود ہے کہ گر جائے لہذا چاہئے کہ بھاگیں، پھر جس مکان میں جائیں گے وہاں بھی یہی احتمال ہے نتیجہ یہ کہ بھاگے پھریں۔ یہ پاگل پن ہے یا کچھ اور۔ ایسے احتمالات پر اگر حکم کریں تو دنیا کا ایک کام بھی نہ چلے۔ ہزار ہا روپیہ کے نوٹ ڈاک ہی میں بھیجے جاتے ہیں پارسل ڈاک ہی میں جاتے ہیں اگر ضائع ہونے کا خوف ہے تو سب کاموں کے لئے آدمی ہی بھیجا کیجئے۔ غرض منگنی کے لئے اس قدر دردسری کرنے میں مصلحت کچھ بھی نہیں۔ صرف پابندی رسم ہے ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔

رسومِ مروجہ کی اصل

میں کہتا ہوں کہ اسی میں غور کیا ہوتا کہ ہمیشہ سے کب سے ہوتا چلا آیا ہے۔ ہندوستان میں پہلے مسلمان نہ تھے۔ اب دو حال سے خالی نہیں یا تو جب مسلمان ہندوستان میں آئے اِن رسموں کو بھی اپنے ساتھ لائے یا یہاں کی رسمیں تھیں مسلمانوں نے بھی لے لیں یہ شق اول تو غلط ہے کیونکہ اگر یہ رسمیں اسلامی رسمیں ہوتیں تو مسلمانوں کی کتاب میں ہوتیں حالانکہ ایسا نہیں لہذا ثابت ہوا کہ شقِ ثانی ہی صحیح ہے یہ سب رسمیں ہندوؤں کی ہیں اُنہیں کی صحبت سے مسلمانوں میں بھی آگئیں۔ رسموں کے نام خود بتاتے ہیں کہ ہندوستان کی ایجاد ہیں مثلاً بَرِی لفظ ہندی ہے بَرْ دُولھا کو کہتے ہیں۔ اگر کسی اور ملک کی رسم ہوتی تو فارسی یا عربی میں نام ہوتا۔

رسوم مروجہ بھی تشبہ ناجائز میں داخل ہیں

اسی طرح بُھوڑ اٹھیٹھ ہندی لفظ ہے۔ عقل صاف کہتی ہے کہ ہندوؤں کی رسمیں ہیں ہندوؤں سے خلاملا ہونے سے مسلمان بھی سیکھ گئے من تشبہ بقومٍ فھو منھم۔ بہت مشہور

حدیث ہے مگر تعجب ہے کہ اس کا مصداق صرف کوٹ اور پتلون یعنی انگریزی وضع کو قرار دے رکھا ہے حالانکہ تشبہ عام ہے لباس میں ہو یا رسم ورواج میں۔

تشبہ سے متعلق ایک بزرگ کا عبرتناک قصہ:

ایک قصہ مجھ کو یاد آیا ایک بزرگ تھے وہ ہولی کے دن باہر نکلے تو ہندؤں کی ہر چیز کو رنگین پایا حتیٰ کہ جانوروں کو بھی۔ راستہ میں ایک گدھا پڑا ہنسی میں کہنے لگے کہ تجھ کو کسی نے نہیں رنگا۔ اور یہ کہہ کر اُس پر پان کی پیپ ڈال دی بعد مرنے کے کسی نے خواب میں دیکھ کر حال پوچھا فرمایا کہ اُس پیپ ڈالنے پر مؤاخذہ ہوا کہ اس کو ہولی کھیلنے والوں کے ساتھ لے جاؤ تشبہ ایسی چیز ہے۔

محمود بادشاہ نے جب ہندوستان کو فتح کیا اور سومنات کا مندر توڑا تو تمام بت توڑ ڈالے جو بت سب سے بڑا تھا اُس کو بھی توڑنا چاہا پجاریوں نے بہت الحاح وزاری کی اور کہا کہ اس کے برابر ہم سے سونا لے لیا جاوے اور اس کو نہ توڑا جاوے۔ محمود نے ارکان سے مشورہ کیا سب نے کہا کہ ہم کو فتح ہو ہی چکی اب ایک بت کے چھوڑ دینے سے ہمارا کیا جاتا ہے، اس قدر مال ملتا ہے لشکر اسلام کے کام آئے گا۔ چھوڑ دینا چاہئے مجلس میں سیّد سالار مسعود غازی بھی تھے فرمایا یہ بت فروشی ہے اب تک بادشاہ بدشکن مشہور تھا اب بت فروش کہلائے گا۔ محمود کے دل کو یہ بات لگ گئی مگر گونہ تردد باقی تھا دوپہر کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ میدانِ حشر ہے اور ایک فرشتہ اِن کو دوزخ کی طرف یہ کہہ کر کھینچتا ہے کہ یہ بت فروش ہے دوسرے فرشتے نے کہا کہ نہیں یہ بت شکن ہے اس کو جنت میں لیجاؤ اتنے میں آنکھ کھل گئی فوراً حکم دیا بُت توڑ ڈالا جائے اُس کو جو توڑا تمام پیٹ میں جواھرات بھرے ہوئے نکلے حق تعالیٰ کا شکر کیا کہ بُت فروشی سے بھی بچا اور جس مال کی طمع میں بت فروشی اختیار کرتا تھا اُس سے زیادہ مال بھی مل گیا۔ یہ جنت اور دوزخ کی طرف کھینچا جانا اُس تردد کی صورت دکھائی گئی جو محمود کے قلب میں تھا۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ بت کو چھوڑ دینا حقیقت میں بت فروشی نہ تھا لیکن صورۃً

بت فروشوں کی مشابہت تھی جس کا یہ نتیجہ ہوا خدا پناہ دے۔ مسلمانو! رسمیں سب کفار کی رسمیں ہیں مزید براں مل گیا ہے اُن میں تفاخر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور بدعات ظلمات بعضها فوق بعض ط شر کے اندر شر گھسا ہوا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور شادی کا قصہ

ہاں سنئے بی بی صاحبہ کی منگنی کیوں کر ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود جا کر حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ فاطمہؓ کا نکاح مجھ سے کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے وحی سے منظور فرمالیا۔ یہ منگنی ہوگئی۔ یہاں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کچھ بھی نہ ہو فقط دُولھا مجمع میں بول بھی اُٹھے تو غضب آجائے کیسا بےحیا دُولھا ہے۔

اب بی بی صاحبہ کے نکاح کی سنئے اور بارات کا سامان سنئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور چند صحابہ کو بلا بھیجا اور نکاح پڑھ دیا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت علی اُس وقت موجود بھی نہ تھے نکاح ہو جانے کے بعد آپ کو خبر پہنچی تب آپ نے قبول کیا۔ یہ بارات تھی کہ نوشاہ بھی نہ دارد۔ پھر حضور ﷺ نے اُم ایمن کو حکم دیا (یہ ایک لونڈی تھیں) فاطمہ کو علیؓ کے گھر پہونچا آؤ۔ بی بی صاحبہ منہ لپیٹے ہوئے ہاتھ پکڑائے اپنے گھر پہونچ گئیں۔ یہ رخصتی ہوئی۔

جہیز کے منکرات

جہیز دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مگر نہ اتنا کہ گھر لُٹا دیا نہ کسی کو دکھایا جہیز دینے سے منع نہیں کیا جاتا۔ ہاں جس طرح دیتی ہیں وہ بےشک منع ہے۔ ایک ایک عدد اُٹھا اُٹھا کر سب کو دکھایا جاتا ہے جوڑوں پر کپڑا لپیٹا جاتا ہے کہ جو کوئی نہ بھی دیکھے تو اُس کی چمک ہی سے نگاہ اُٹھ جائے۔ بیبیو! یہ جائز نہیں ہوسکتا۔ بعض لوگوں نے آج کل اس کی یہ اصلاح کی ہے کہ جہیز کھول کر دکھاتے اور گنواتے نہیں صندوقوں میں بند کر کے برادری کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ اُس سے بھی بدتر ہے کھول کر دکھانے سے تو ایک حد اور

مقدار اُس کی ذہنوں میں آجاتی ہے اسی کے موافق تحسین و آفرین ہوتی ہے اور بند چیز کی نسبت یہی خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے کیا کیا کچھ ہوگا اس سے دینے والے کے نفس کو اور زیادہ بڑائی کا موقع ملتا ہے۔

جہیز دینے کا جائز طریقہ

جہیز کو رخصتی کے وقت بالکل بھیجو ہی مت گھر میں رکھا رہنے دو جب لڑکی کا گھونگٹ کھل جائے تب لے جاؤ اور اُس کے ہاتھ میں فہرست دو اور گنوا دو اور کُنجیاں اُس کے حوالے کردو کہ یہ تیرا جہیز ہے، یہ طریقہ تو ہے محبت سے دینے کا باقی سب ریاء ونمود ہے۔ یہ طریقہ اُس رواج سے بہتر ہے کہ جس کا جہیز ہے اُس کو خبر بھی نہیں ہوتی سُسرالیوں کو کُنجی دیدی جاتی ہے اگر کوئی چیز جاتی آتی رہتی ہے تو تمام عمر کی لڑائی بندھ جاتی ہے اور ایسا ہوا ہے کہ سُسرالیوں کی بدنیتی سے یا غفلت سے چیزیں ضائع ہوگئیں ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کا چوتھی بھوڑا

اب چوتھی اور چالا یعنی بھوڑا سنئے نکاح سے اگلے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے یہاں تشریف لے گئے اور حضرت علیؓ سے فرمایا ذرا سا پانی لاؤ اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تم بھی ذرا سا پانی لاؤ اور دونوں پر پانی چھڑکا اور دُعا دی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہؓ اُس وقت گھر میں چلتی پھرتی تھیں یہاں کی طرح بت بنی نہیں بیٹھی تھیں۔

یہاں یہ بھی ایک تکلف ہے کہ بہو بالکل بت ہوتی ہے حیوان متحرک کی جگہ حیوانِ غیر ذی حرکت بن جاتی ہے پاخانہ پیشاب کو بھی بلا دوسرے کے نہیں جاسکتی۔ ہنس بول نہیں سکتی۔ سچ مچ کے حبس بے جا میں رکھی جاتی ہے۔ کئی کئی دن پہلے سے کھانا کم کیا جاتا ہے۔ اس خوف سے کہ پاخانہ کی حاجت ہوگی۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ بہو ایسی ہونی چاہئے جس کے پیچھے حاجاتِ انسانی نہ ہوں انسانیت سے خارج ہو بولتی نہ ہو گونگی ہو۔ اس حبس بے جا کو

یہاں تک بڑھایا ہے کہ بہو نماز بھی نہیں پڑھتی۔ اول تو نمازی ہوتی بہت کم ہیں اور جو کوئی نمازی ہوئی بھی تو نماز کے وقت اگر کوئی سہیلی موجود ہے تو دَبے دَبائے پڑھ لی اور نہیں تو یہ عذر ہے کہ کوئی تھا نہیں کون پڑھواتا۔ اکیلی کس طرح پڑھتی۔ تُف ہے اِس پردے پر۔ بہت جگہ اس قید سے لڑکیاں بیمار ہوگئی ہیں۔ اور جان کے لالے پڑ گئے ہیں۔ ہم لوگوں نے جو بات اختیار کی ہے افراط و تفریط سے خالی نہیں پردہ ہو تو اتنا گہرا اور نہ ہو تو بالکل نہیں۔ دیور، جیٹھ، خالہ، پھوپی کے لڑکوں سے بالکل پردہ نہیں حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ الحمو الموت یعنی دیور مَوت ہے۔

سفر میں نماز میں عورتوں کی کم ہمتی

سفر میں جب چلیں گی تو ریل جیسے آسان سفر میں نمازیں قضا صرف اس عذر سے کہ قبلہ معلوم نہ تھا یا وضو کے لئے پانی کہاں سے آتا پانی مانگنے یا قبلہ پوچھنے میں بے پردگی ہوتی ہے۔ کیوں بیبیو جس گاڑی میں تم بیٹھی ہو اگر اس میں کوئی حادثہ ہو جائے مثلاً آگ لگ جائے یا کوئی چور ڈاکو گھس آئے تو اُس وقت بھی نہ بولو گی اُس وقت تو وہ دُھائی مچاؤ گی کہ قیامت برپا ہو جائے اُس وقت پردہ کہاں جائے گا۔ بات یہ ہے کہ دنیاوی حادثات کی تو ہول دل میں ہے اور اُخروی حادثے یعنی گناہ کے انجام کچھ سمجھے نہیں جاتے بہت ہلکی اور معمولی چیز ہیں۔

یہ خبر ہے کہ گاڑی میں آگ لگنے یا چور ڈاکو کے ہاتھ سے زائد سے زائد جان جاتی رہے گی یہ تھوڑی دیر کی تکلیف ہے کہ ہوئی اور گذر گئی اور ایک نماز کے بدلے ہزاروں برس اُس عذاب میں رہنا ہوگا جس کے سامنے دوزخی موت کی تمنا کریں گے۔ بہو بیچاری حیوان غیر حساس کو یہ عذر ہے کہ کوئی پاس نہ تھا نماز کیسے پڑھتی گھر والوں کو اور سب کاموں کے ہوش ہیں کھانے کھلانے دینے دِلانے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوتی ہاں نماز پڑھوانے کا بے شک خیال نہیں رہتا۔ خوب سمجھ لو کہ سارے گھر والے مجرم ہیں گناہ ایک بہو ہی پر نہیں سب کو سزا ہوگی۔ غرض پردہ میں جہاں افراط ہے وہاں اِس حد تک اور جہاں تفریط ہے

وہاں بالکل اُڑا ہی دیا۔ یہ سب تراشی ہوئی رسمیں ہیں یا نہیں کیا ان کا کوئی ثبوت ہوسکتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خود اُٹھ کر پانی لائیں کسی سہیلی نے لا کر نہیں دیا۔

اتباع رسوم میں تقلید کی تردید

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگلے مولویوں نے کبھی اِن رسموں کو نہ ٹوکا ساری نصیحت آج ہی کل کے مولویوں کے حصے میں آگئی اِس کا جواب ایک تو میں پہلے دے چکا ہوں کہ نصیحت جب ہی دل میں پڑتی ہے کہ جب توجہ ہو ورنہ دیوار کو سنانا ہے۔ دوسرا یہ کہ ہمیں کچھ بحث نہیں مولویوں نے منع کیا ہو یا نہ کیا ہو جب حدیث میں موجود ہے تو آگے کچھ حجت کی ضرورت نہیں۔ نیز میں کہتا ہوں اگلے مولویوں نے بھی ضرور منع کیا فقہاء نے عورتوں کو اُس مجمع میں جانے سے منع کیا ہے جس میں یہ مفاسد ہیں دیکھو ردالمحتار میں لکھا ہے۔

یہ مسئلہ ایک طالب علم بھی بتا سکتا ہے مگر یہ ترکیب غضب کی ایجاد ہے کہ مفاسد کو مفاسد ہی نہ کہو موجودہ رسموں کو رسم ہی نہ کہو کہ اُن پر منع وارد ہو۔ یہ جہل مرکب اور قلب کی موت ہے۔ کرنے کو جو چاہو کر گذرو مگر یہ یاد رکھو کہ گناہ کا گناہ ہونا تمہارے سمجھنے نہ سمجھنے پر موقوف نہیں۔ واقع میں جو اثر گناہ کا ہے وہ ضرور ظاہر ہوگا۔ اگر کوئی زہر کھالے اور دل میں خیال کرے کہ زہر نہیں شکر ہے تو کیا وہ شکر ہو جائے گا ہرگز نہیں تھوڑی سی دیر میں مزہ دکھائے گا۔

حق کو اختیار کرلو یا باطل کو۔ ایک طرف کا ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ غلطی میں پڑے رہو اور اُس کو غلطی نہ سمجھو۔ جو شخص غلطی میں مبتلا ہو مگر اُس کو غلطی سمجھتا ہے تو کبھی نہ کبھی یہ امید ہے کہ اُس کو چھوڑ دے گا۔ اور جو شخص غلطی کو غلطی ہی نہیں سمجھتا اُس سے کیا اُمید ہوسکتی ہے خود تو متنبہ کیوں ہونے لگا اگر کوئی اور بھی خبر دار کرے تو جواب میں کہے گا واہ واہ اس میں بھی کچھ برائی ہے جو میں چھوڑ دوں۔ ایسا شخص [illegible] ۔ موت کے وقت بھی توبہ نصیب ہونے کی کیا امید [illegible] رسمیں نہیں

ہیں اور ساتھ ہی اس کے رسمیں چھوڑنے کی بھی ہمت کرو اُن کو ہلکا نہ سمجھو۔ یہ اُس اصل کی فرع ہیں جو تمام گناہوں کی حتیٰ کہ کفر و شرک کی بھی جڑ ہے۔

غیبت وحسد وغیرہ بھی کبر سے پیدا ہوتے ہیں

یہ میں نے چند نظیریں کبر کی بطور مثال کے بیان کی ہیں اُن کو اور ہر اُس عمل کو جو کبر کی فرع ہو چھوڑ دو جیسے غیبت حسد وغیرہ۔ غیبت کوئی جب ہی کرتا ہے کہ جب اپنے آپ کو اُس سے اچھا سمجھتا ہے جس کی غیبت کرتا ہے۔ کسی مریض کو ہنستا وہی شخص ہے جو خود تندرست ہو اور اگر اپنے آپ کو اُس سے بھی زیادہ مریض پائے تو کہیں نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے سے کم مریض کو ہنستا ہو۔ یہ اچھا سمجھنا ہی کبر ہے۔ علیٰ ہذا دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جو آدمی جلتا ہے (جسے حسد کہتے ہیں) اُس کی بناء بھی اس پر ہے کہ اُس صاحب نعمت سے زیادہ اپنے آپ کو اُس نعمت کا اہل سمجھتا ہے یہ بھی اپنے نفس کی بڑائی ہے جسے کبر کہتے ہیں۔ غرض اکثر گناہوں کو ٹٹولوگی تو بنا کبر ہی پاؤ گی۔ لہذا سب کو چھوڑ دو حتیٰ کہ معاصی کی اصل ہی دل میں سے نکل جائے کیونکہ بڑائی کو حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے کسی دوسرے کا اس میں حصہ نہیں تو جو شخص کبر کو نہیں چھوڑتا وہ نہیں پہچانتا کہ یہ کس کا حق تھا اور کس کو دیتا ہے تو اس نے نہ نفس کا حق پہچانا نہ حق تعالیٰ کا اس سے بڑھ کر جاہل کون ہوگا یہ شخص معاصی سے کبھی چھوٹ نہیں سکتا جس گناہ میں بھی پڑ جائے کم ہے کیونکہ معاصی کی جڑ اُس کے دل میں موجود ہے ایک سے بچے گا دوسرے میں پڑ جائے گا۔

کبر کا نہایت مجرب اور کافی علاج

اس واسطے حق تعالیٰ نے ایک ایسا علاج اس کا بتایا کہ جب اُس کو مستحضر رکھا جائے تو نہ چھوٹا گناہ ہو نہ بڑا۔ وہ علاج یہ ہے کہ اپنی ایک صفت کو بیان فرمایا کہ جب خیال رکھو گی کہ یہ کسی دوسرے کے لئے کسی وقت اور کسی حالت میں ثابت نہ ہونے پائے تو گناہ تم سے نہ [illegible] چھوٹتے پائیں گے۔ [illegible] صفت عظمت ہے۔ ولہ الکبریآء فی [illegible]

والارض۔ یہ اصل کُل ہے تمام گناہوں سے حفاظت کی، اور جب صفت کبریاء یعنی عظمت مختص ہوئی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ تو نفس کے واسطے کیا رہ گیا تذلّل یہ اصل ہے تمام عبادات کی تو جس شخص نے صفت کبریاء کو مختص مان لیا حق تعالیٰ کے ساتھ اُس نے حق تعالیٰ کو بھی پہچان لیا اور نفس کو بھی۔ اس سے بڑھ کر کوئی عالم یا محقق ہوسکتا ہے۔ انہیں کی شان میں ہے واولئك هم اولوا الالباب۔ یعنی عقل مند لوگ یہی ہیں جب آدمی کے دل میں سے تمام گناہوں کی اصل نکل گئی اور تمام عبادات کی جم گئی۔ تو سبھی کچھ اُس نے پالیا اُس کو دِن دونی رات چوگنی ترقی ہوگی۔ اس کے ساتھ اور سمجھ لو کہ یہ اصل کلی بہت مختصر الفاظ میں سمجھائی گئی ہے۔ مگر بعض اوقات تفصیل کے اس پر عمل دشوار ہوتا ہے یعنی جب تک ہر ہر عمل کی نسبت معلوم نہ ہو کہ اس کا منشاء کبر کس طرح ہے اُس کا ترک آسان نہیں ہوسکتا۔ اُس کے لئے سہل اور مفید تدبیر یہ ہے کہ کتابوں کا مطالعہ کیا جائے بلکہ کسی سے سبقاً سبقاً پڑھ لیا جائے اور جو کوئی پڑھ نہ سکے وہ کسی عالم سے وقتاً فوقتاً سن لیا کرے۔ واقعات کو پوچھتا رہے اور وعظ سنا کرے اور عورتوں کو خاص طور پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں اُن کی ہانڈی چولھے کا ایک وقت ہے کتاب کے پڑھنے یا سننے کا بھی ایک وقت ہونا چاہیے لیکن افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ مستورات کو اس سے بالکل مس بھی نہیں مرد تو کبھی کوئی مسئلہ پوچھ بھی بیٹھتے ہیں مگر عورتوں کو نہ کہیں زبانی پوچھواتے دیکھا نہ کوئی تحریر کسی کی آتی ہے۔ والا ما شاء اللہ

حالانکہ بعض مسائل عورتوں کے اس قدر پیچیدہ ہیں کہ جواب دینا بھی ہر ایک کا کام نہیں مثلاً پاکی اور ناپاکی کے مسائل کہ فقہ کی تمام بحثوں سے ادق بحث یہ مشہور ہے صورتیں مشکل سے مشکل پیش آتی ہیں مگر اس پر عمل ہے کہ نہ پڑھی نہ قضا ہوئی کچھ عورتیں تو شرم کے مارے نہیں پوچھتیں اور بعض جو کسی قدر پڑھی لکھی ہیں وہ کسی اردو کی کتاب میں دیکھ کر جو الٹا سیدھا سمجھ میں آیا کر گذرتی ہیں حیف کی بات ہے کہ اگر کوئی مرض شرم کا ہو جاتا ہے تو اُس کے علاج میں یہ نہیں کرتیں کہ بلا سے جان جاتی رہے مگر شرم نہ جائے علاج کیلئے سوچ کر کوئی نہ کوئی تدبیر ایسی نکال لیتی ہیں کہ شرم بھی نہ جائے اور علاج بھی ہو جائے۔

بیبیو! کسی مسئلہ کا تحقیق کر لینا تو آجکل کچھ بھی بات نہیں دو پیسے میں چا ہے جہاں سے جواب منگا لو اگر خود نہ کر سکو اپنے خاوند کی معرفت پوچھ لو یا اور کسی بی بی کے ہاتھ سے لکھوا کر دریافت کر لو اگر نہ خود لکھ سکو نہ شوہر موجود ہو۔ مگر بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ جب ہو کہ جب دین کا خیال ہو۔ اس غفلت کو چھوڑ و اور دین کو دنیا سے بھی زیادہ ضروری سمجھو دنیا ختم ہو جائے گی اور آخرت ختم نہ ہو گی۔ جو طریقہ میں نے بیان کیا اس سے بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ گھر میں جب مسائل کا تذکرہ ہو گا بچوں کے کان میں پڑیں گے اور ساری عمر اُن کو یاد رھیں گے جو لوگ تنہا تمہارے تابع ہیں اُن کی اصلاح ہو گی اُن کی اصلاح بھی تمہارے ذمہ ضروری ہے۔ حدیث میں ہے۔ کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیتہ یعنی ہر بڑے کو چھوٹے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محافظ فرمایا کہ ہر ہر شخص کچھ نہ کچھ ذمہ دار ہے اگر نوکرانی تمہاری نماز نہیں پڑھتی ہے تو وہ تو گنہگار ہے ہی مگر تم بھی اس کے ساتھ گنہگار رہو اور جواب دینا ہو گا کہ اُسے نماز کیوں نہیں سکھائی تھی۔ بعض لوگوں نے اس کا جواب بھی اختیار کر لیا ہے کہ ہم نے تو بہتیری تاکید کی مگر وہ نماز پڑھتی ہی نہیں۔ کیوں بیبیو اگر کھانے میں وہ نمک کم و بیش کر دے تو تم کیا کرتی ہو کیا ایک دو دفعہ سمجھا کر کہ نیک بخت نمک ٹھیک رکھا کر۔ خاموش ہو رہتی ہو اور پھر نمک ویسا ہی کھا لیتی ہو جیسا اُس نے ڈال دیا ہو۔ یہ تو کبھی بھی نہ کرو گی چاہے نوکرانی رہے یا نہ رہے اُسے سمجھاؤ گی پھر مارو پیٹو گی اگر کسی طرح نہ مانے گی تو نکال باہر کرو گی۔ بیبیو دین کا اتنا بھی خیال نہیں جتنا نمک کا جو نماز کے مقابلے میں بالکل غیر ضروری چیز ہے دین کا خود بھی خیال کرو اور جن پر تمہارا قابو چل سکتا ہے اُن کو بھی دین دار بناؤ تمہاری کوشش سے جو کوئی دیندار بنے گا تمہیں بھی اُسی کے برابر ثواب ملے گا اس کا طریقہ وہی ہے جو میں نے بیان کیا کہ جہاں دنیا کے دس کاموں کا وقت ہے ایک دین کے کام کا بھی وقت نکال لو جو بی بی خود کتاب پڑھ سکیں وہ کتابوں کو دیکھ کر اپنی اصلاح کریں اور جو خود نہ پڑھ سکیں کسی اپنے رشتہ دار سے پڑھوا کر سنیں علماء سے وعظ اپنے مکانوں میں کہلوایا کریں جو واقعات پیش آیا کریں ان کی پوچھ پاچھ کیا کریں۔ علماء سے اُن کی بی بی کی معرفت یا خط کے ذریعے سے جواب منگا لیا کریں اس سے دین

میں ایسی بصیرت پیدا ہو جائے گی کہ رفتہ رفتہ ہر ہر عمل کی نسبت حکم معلوم ہو جائے گا۔
جب کسی چیز کی برائی معلوم ہو جاتی ہے تو کبھی نہ کبھی تو دل میں اُس سے بچنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہی ہے۔ اس صورت میں اگر ذرا سی بھی ہمت سے کام لوگی تو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوگی اور اسی میں شدہ شدہ تمام مفاسد کی جڑ یعنی کبر بھی قلب سے نکل جائیگا۔ اسی کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے گو اور تمام مفاسد کا علاج بتا دیا کہ اس ایک صفت کو حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص مان لو۔ یہ صفت اور کسی کیلئے نہیں ہو سکتی۔ وہ صفت کبریاء ہے یہاں یہ ایک جڑ ہے جس کے ہزاروں شعبے ہیں۔ اجمالاً نہیں بلکہ تفصیلاً اس کے تمام شعبوں کو حق تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دو۔
اور میں یہ نہیں کہتا کہ سب کی سب متبحر مولوی بن جاؤ بلکہ جہاں تک موقع ملے غفلت نہ کرو۔ جیسا روپیہ اور زیور کے جمع کرنے کا سب کو شوق ہے یہ یقینی بات ہے کہ تمام بیبیاں اپنا دل بھر کے زیور اور روپیہ نہیں پا سکتیں اگر غریب ہے "تو" امیر ہے "تو" پر بی بی کو شش ضرور ہے کہ زیور اور روپیہ مل جاوے جتنی کوشش سے ایک مقدار روپیہ کی مل سکتی ہے اُتنی کوشش سے بلکہ اُس سے کم سے دین کی بہت بڑی مقدار مل سکتی ہے۔ ہمت نہ ہارو کچھ نہ کچھ ہو ہی رہیگا۔ تم ایک حصہ کماؤ گی تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے دس حصے مرحمت ہوں گے۔

کبر پر وعید

آگے اس مضمون کو حق تعالیٰ نے وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ سے موکد کیا اُن لوگوں کے چونکانے کیلئے جو اس مفسدے سے کسی طرح بچتے ہی نہیں اور اپنے عیب پر اُن کی نظر پڑتی ہی نہیں جب اُن کو سمجھانے اور اُن کی بھلائی سوجھانے سے اثر نہیں ہوتا تو فرماتے ہیں میں عزیز یعنی غالب بھی ہوں اگر تم کہنا نہ مانو گے تو میرے ہاتھ سے کہیں جا نہیں سکتے جیسی چاہوں سزا دوں گا۔ اور اگر کسی بُرے عمل پر فوراً سزا نہ ملے تو مطمئن مت ہو جاؤ میں حکیم بھی ہوں۔ کسی مصلحت سے مہلت دیتا ہوں بعض لوگ رشوت لیتے ہیں اور کہتے ہیں

ہمیں تو رشوت سزاوار ہے۔صاحبو! اس دھوکے میں نہ رہو خدا کے غضب کو مت بھولو۔اول تو دنیا ہی میں سزا ملے گی اور اگر دنیا میں کسی حکمت اور مصلحت سے ٹل ہی گئی تو آخرت تو دارالجزاء ہے ہی۔وہاں کی سزائیں اور زیادہ سخت ہیں وہاں کی سزا سے تو دنیا ہی کی سزا بھگت لینا اچھا ہے۔وہاں کے احوال و آفات کو سوچتے رہنا چاہئے۔تصریح موجود ہے۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۔ یعنی چاہئے کہ ہر شخص خیال رکھے کہ کل کیلئے کیا سامان کیا ہے۔اور اسی کے یاد دلانے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔زُوْرُوا الْقُبُوْرَ وَاَكْثِرُوْا ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ۔ یعنی قبروں پر جایا کرو اور لذتوں کو مٹانے والی چیز یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو۔

اس سے عورتیں یہ فتویٰ نہ نکال لیں کہ قبرستان میں جانا جائز ہے۔عورتوں کے پردہ سے نکلنے میں بہت سی خرابیاں ہیں۔مراد تذکرآخرت و قیامت ہے۔جس طرح بھی ہو کسی معتبر کتاب میں قیامت کے حالات پڑھیں یا سنیں اور یہ موت اور قیامت کی اجمالی حالت کافی نہیں کہ کوئی موت موت کی تسبیح پڑھا کرے بلکہ موت کو یاد رکھنا یہ ہے جب کوئی کام کرے سوچ لے کہ بعد موت اُس پر کوئی جواب دہی تو میرے ذمہ عائد نہ ہوگی۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھو اور اگر کچھ کام قابلِ جواب دہی ہو گئے ہیں تو اُن سے توبہ کرو اور برابر توبہ کرتی رہو۔

اب دعا کرو کہ خدائے تعالیٰ اس کی توفیق دیں۔

آمین یارب العالمین۔

اوج قنوج

تواضع کی حقیقت، ضرورت اور فوائد کے متعلق یہ وعظ قنوج کی جامع مسجد میں ۳، ربیع الاول ۱۳۳۵ھ بروز جمعہ ہوا جو ۲ گھنٹہ ۲۲ منٹ میں ختم ہوا، جسے مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب مقیم میرٹھ نے قلمبند کیا۔

خطبۂ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہٗ ونومن به ونتوکل
علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من
یھدہ الله فلا مضل له ومن یضلله فلا ھادی لهٗ ونشھد ان لا
اله الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریك لهٗ ونشھد ان سیدنا ومولانا
محمدا عبدہ ورسوله صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلی آله
واصحابه وبارك وسلم ،
امابعد! فقال علیه الصّلوۃ والسلام: مَنۡ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہُ

تمہید:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے تواضع اختیار کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ رفعت و بلندی عطا فرماتا ہے۔ میرا ارادہ بیان وعظ کا نہ تھا، اس سفر میں کئی جگہ فرمائش کی گئی ہے مگر جواب نفی میں دیا گیا یہ سفر اسی ضرورت سے کیا ہے کہ طبیعت عرصہ سے مضمحل ہے، وطن میں رہ کر فراغ ملنا مشکل تھا، اس واسطے یہ سفر کیا تا کہ کاموں سے فراغ رہے۔ اور راحت ملے اور وعظ کہنے میں تعب ہوتا ہے جو مقصود سفر کے خلاف ہے مگر مجھے پہلے سے احتمال تھا کہ قنوج میں ضرور استدعا کی جائے گی ،لیکن غالب یہی ارادہ تھا کہ بیان نہ کروں گا ،جیسا اس سفر میں اور کہیں بھی بیان نہیں ہوا، اور رات نیند بھی خراب رہی اس وجہ سے بھی طبیعت مضمحل ہے پھر کوئی مضمون بھی ذہن میں حاضر نہ تھا ، یہ تو عذر تھا، مگر میرے بھائی اختر نے لوگوں کی طرف سے خواہش ظاہر کی اور درخواست اس طرح کی گئی کہ

اگر طبیعت متحمل ہو سکے تو کچھ بیان ہو جاوے۔ نیز مقدار وقت کو میری رائے پر چھوڑ دیا گیا بس گنجائش دینے نے زیادہ اثر کیا، اس کے بعد حدیث دفعۃً قلب پر وارد ہوئی شاید منظور خدا ہو جو مضمون بے ساختہ آ گیا، اور شاید وہ مضمون یہاں کے مناسب ہو۔

کبر اور اس کا علاج:

یہ حدیث چھوٹی سی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بڑی تعلیم ترغیب کے عنوان سے ارشاد فرمائی ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے تواضع اختیار کرتا ہے اس کو حق تعالیٰ رفعت اور بلندی عطا فرماتے ہیں یہ مضمون ایسا ہے کہ یہاں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر جگہ اور ہر وقت اس کی ضرورت ہے۔ یہ جگہ بھی اس کے مواقع میں سے سہی۔ عام ضرورت اس کی یہ ہے کہ وہ امراض جو انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہت ہیں ان سب کا بیان تفصیل کے ساتھ اس وقت تو نہیں ہو سکتا، اس لئے ایک وہ مرض جو اکثر دیگر امراض کی جڑ ہے اور لوگوں میں غالب بھی ہے بیان کے لئے اختیار کیا گیا، اسی کا بیان اس حدیث میں ہے وہ مرض کبر ہے جو عام طور سے اکثر طبیعتوں میں مرکوز ہے شاید ہی کوئی اس سے خالی ہو، ہر انسان میں اس کا مادہ اور اکثر میں اس کا اثر بھی موجود ہے کوئی عقل میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور کوئی تمول میں اور کوئی حسن میں غرض کوئی طبیعت اس سے مستثنیٰ نہیں، دنیاداروں کی تو کیا شکایت دیندار بھی اس سے خالی نہیں؛ کوئی علم میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، اور کوئی عمل میں اکثر اہلِ علم کو دیکھ لیجئے کہ وہ عوام کو حقیر سمجھتے ہیں اگر کوئی عام آدمی راستے میں مل جاوے تو خود تو یہ اس کو کیا سلام کریں گے اور اگر وہ سلام کرے تو بعض اوقات جواب بھی نہیں دیتے اس کی وجہ سوا اس کے اور کیا ہے کہ یہ اپنے آپ کو بڑا اور اس کو حقیر سمجھتے ہیں اور بعض کا جہل تو ایسا مرکب ہے کہ اپنی اس نامعقول حرکت پر قرآن وحدیث سے شہادت لاتے ہیں مثلاً قرآن شریف میں ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ جس کے معنی یہ ہیں، کہ عالم اور غیر عالم برابر نہیں اور احادیث میں جابجا

علماء کی فضیلت آئی ہے اور فضیلت کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں سے بڑھا ہوا ہو تو قرآن و حدیث سے جاہلوں کا چھوٹا ہونا اور ہمارا بڑا ہونا ثابت ہو گیا، پھر اگر ہم اپنے آپ کو بڑا سمجھیں تو کیا بیجا ہے؛ یہ ثبوت ہیں ان کے خیال خام کے اِن لوگوں نے وہ آیتیں نہیں دیکھیں جن میں عالم بے عمل کی مذمت آئی ہے مثلاً آیت وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ اللہ تعالیٰ نے اس کو باوجود علم کے گمراہ کر دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ علم کے ساتھ بھی گمراہ ہیں اور احادیث میں تو بالتصریح ایسے علماء کی سخت مذمت اور ان کے سخت وعید موجود ہے جو عالم ہو کر عمل نہیں کرتے ایسی حدیثیں بہت اور ہر حدیث کی کتاب میں موجود ہیں پس جب کہ ان میں بدترین عمل موجود ہے، جس کا نام تکبر ہے تو یہ عالم بے عمل کے مصداق ہوئے اور ان وعیدوں اور مذمتوں کے مورد ہوئے، جو قرآن و حدیث میں موجود ہیں پھر کس بات پر پھولے ہوئے ہیں قطع نظر اس کے جن عوام کو یہ حقیر سمجھتے ہیں کیا معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ ان کے ساتھ کیا ہے ؎

تا یاد کرا خواہد ☆ ومیلش بکہ باشد

یار کس کو چاہتا ہے اور میلان اس کا کس طرف ہوتا ہے) ممکن ہے خدا تعالیٰ ان کو تم سے بھی اچھی حالت میں پہنچادیں اور ممکن ہے کہ تم کو مردود کر دیں اور ان کو مقبول بنالیں؛ خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں کیا خبر تمہارا خاتمہ کیسے ہو؛ اور ان کا خاتمہ کیسا ہو۔

اُمید اور خوف

بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی قاعدہ قانون نہیں ہے یہ تو بالکل اندھیر ہے کہ کوئی اعمال صالحہ کرتا ہو اور مؤمن ہو اور باوجود اس کے اس اندیشہ میں رہے جانے عنداللہ مقبول ہوں یا مردود اس کے تو معنی ہوئے کہ ایمان اور اعمال صالحہ بیکار چیز ہیں کیوں کہ اس کے بعد بھی نتیجہ یہی کہ ہر وقت یہ خوف لگا ہوا ہے ؎

تا یار کرا خواہد ☆ ومیلش بکہ باشد

یہاں تک کہ یار کس کو چاہتا ہے اور اس کا میلان کس طرف ہے اسی طرح بداعمالیوں میں کچھ حرج نہیں کیوں کہ بداعمالی کرنے والا بھی امید کرسکتا ہے ع تا یار کرا خواہد☆ و میلش بکہ باشد یہاں تک کہ یار کس کو چاہتا ہے اور اس کا میلان کس طرف ہو جائے، اس طرح تو دین کا کارخانہ ہی سب درہم برہم ہو جاتا ہے نہ وعدہ کوئی رہا نہ وعید۔

اور یہ بات نصوص کے بھی بالکل خلاف ہے وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ الْمِیْعَاد (اللہ کا وعدہ ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلاف نہیں کرتے) وغیرہ سینکڑوں آیتیں موجود ہیں جو دونوں طرف سے یقین دلانے والی ہیں نیک اعمال کرنیوالے کے لئے جنت کا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہوسکتا؛ اور عصاۃ و کفار کے لئے جہنم کی وعید ہے جو خلاف نہیں ہوگی؛ پھر اس کے کیا معنی کہ نیک اعمال کر کے بھی اس اندیشہ میں رہو؛ ع تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد (یار کس کو چاہتا ہے اور اس کا میلان کس طرف ہو جاتا ہے) اس شبہ کا جواب ہے کہ قانون خداوندی میں کچھ اندھیر نہیں؛ مگر تم نے اس میں غور نہیں کیا جن آیتوں میں ایمان و عمل صالح پر وعدہ ہے اس میں شرط یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح موت تک مستمر رہے چنانچہ حدیث میں ہے اَلْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْم اعمال کا دارمدار خاتموں پر ہے، اور جن آیتوں میں کفر و معصیت پر وعید ہے اس میں بھی یہی شرط ہے کہ اسی حالت میں موت ہو تب وعید ہے چنانچہ ارشاد ہے فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ (پھر کافر ہونے کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں) پس قاعدہ تو یہی ہے کہ کسی پر میلان جو میلش بکہ باشد میں مذکور ہے؛ بلاوجہ نہیں ہوتا؛ بلکہ اعمال کی وجہ سے میلان ہوتا ہے اعمال صالحہ پر میلان رحمت کے ساتھ ہوتا ہے اور بداعمالیوں پر نقمت کے ساتھ ہوتا ہے؛ اور یہی حاصل ہے ان نصوص کا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کے لئے اعتقاد رکھنا چاہیے جنت کا اور کافر کے لئے اعتقاد رکھنا چاہیے دوزخ کا۔

توفیق اور سلب کا اختیار

یہ بات تو یقینی ہے کہ عمل صالح پر نتیجہ اچھا مرتب ہوگا اور برا نتیجہ مرتب نہ ہوگا، اور بداعمالی پر نتیجہ بُرا مرتب ہوگا، اچھا مرتب نہ ہوگا، لیکن ایمان وعمل صالح استمرار ودوام الی الموت کی ایک شرط ایسی ہے جو کمر توڑ دینے والی ہے کیوں کہ عمل نیک اور عمل بد گو آپ کے ارادہ پر ہے اور یہی مدار تکلیف ہے؛ لیکن ارادہ کا پلٹ دینا حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ اس پر قادر ہیں کہ ایک ایسے شخص کو جو آج کافر کل کو ایسا مومن کامل کردیں کہ غوث وقطب ہوجائے اور ایک غوث اور قطب کو دم بھر میں ایسا کافر کردیں کہ شیطان سے بھی بدتر ہوجائے خود شیطان ہی کی حالت آپ کو معلوم ہوجائے کہ داخل ملائکہ تھا مگر حق تعالیٰ کا ارادہ اس کے خلاف تھا اور وہ ذرا دیر میں ظہور میں آ گیا؛ لیکن اس سے اعمال کا بیکار ہونا یا قدرت سے خارج ہونا لازم نہیں آیا کیوں کہ وہ کافر کفر کی حالت میں مقبول نہیں ہوا بلکہ توفیق ایمان کے بعد مقبول ہوا اور توفیق کے بعد اس کا صدور اختیار سے ہوا اور وہ غوث و قطب ایمان وعمل صالح کی حالت میں مردود نہیں ہوا بلکہ سلب ایمان وسلب اعمال کے بعد مردود ہوا اور خذلان کے بعد اس سلب کا صدور اختیار سے ہوا۔

پس یہ بات یقینی ہے کہ بقاء ایمان کی حالت میں کوئی مردود نہیں ہوسکتا اور بقاء کفر کی حالت میں کوئی مقبول نہیں ہوسکتا، مگر یہ بقاء انتہاء سلسلہ علل کے درجہ میں کس کے قبضہ میں ہے۔ یہ ہے اصل اس بات کی کہ بندگان خدا خوف سے کانپا کرتے ہیں؛ باوجود اس کے کہ وہ حق تعالیٰ کے وعدہ وعید پر بالکل یقین رکھتے ہیں؛ یقین تو اس بات کا رکھتے ہیں کہ اعمال پر نتیجہ مرتب کرنا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہوسکتا؛ اگر اخیر تک کوئی کفر پر جما رہا تو یقیناً جہنم کا عذاب ہے اس کا تو پورا یقین ہے مگر کانپتے ہیں اس واسطے کہ دل حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے ارادہ کا پلٹ جانا ہر وقت ممکن ہے؛ جس کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہوسکتا کیوں کہ وہ ایک ایسے فاعل مختار کے قبضہ میں ہے؛ جس پر کسی بات کی روک ٹوک نہیں ہوسکتی؛ ہاں وہ

کریم ورحیم بھی ضرور ہے جس سے بہت کچھ امیدیں ہیں؛ غالب یہی ہے کہ جو ایمان وعمل صالح کا ارادہ کرتا ہے حق تعالیٰ اس پر رحم وکرم فرماتے ہیں اور اس کو دوام واستمرار کی توفیق دیتے ہیں؛ لیکن جس وقت نظر اس کے اختیار اور حکومت علی الاطلاق پر پڑتی ہے اس وقت سب امیدیں فراموش ہو جاتی ہیں؛ کسی نے خوب کہا ہے ؎

غافل مرو کہ مرکب مرداں راہ را　　　در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند

نومید ہم مباش کہ زندان بادہ نوش　　　ناگہ بیک خردش بہ منزل رسیدہ اند

(غافل ہو کر نہ چل اس لئے کہ مردان راہ کے گھوڑے سخت جنگل میں چلنے سے عاجز رہے ہیں؛ ناامید بھی مت ہو؛ اس لئے کہ رند شرابی اچانک ایک نالہ سے منزل تک پہنچ گئے ہیں؛

اور یہ صرف شاعری نہیں؛ بلکہ ایسے واقعات ہوئے ہیں خدا تعالیٰ کی شان یہ ہے ؎

گنہ آمرزِ رنداں قدح خوار　　　بطاعت گیر پیرانِ ریاکار

(رنداں شراب خوار کے گناہ بخشنے والے ریاکار پیروں سے طاعت پر مواخذہ کرنے والے ہیں)

حق تعالیٰ کی عظمت

گوایسا کم ہوا ہے؛ لیکن ہوا ضرور ہے کہ ایک مومن کافر اور زندیق بن گیا؛ اور ایک کافر ملحد مشرک مومن کامل بن گیا؛ جب ایک بات ممکن الوقوع ہے گو کم ہی ہو؛ تب بھی ڈرنے کی چیز ہے؛ لوگ کچہری میں جاتے ہیں تو ڈر معلوم ہوتا ہے کیوں کہ ان کو اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی پیچ ایسا نہ آن پڑے کہ قانون بھی ہمارے خلاف ہو جائے؛ اسی طرح اچھے اچھے ماہران قانون کو بھی حاکم سے خوف ہوتا ہے؛ حالانکہ ان کو قانون معلوم ہوتا ہے پھر حق تعالیٰ سے کیسا کچھ خوف ہونا چاہیے؛ اس کو خود سمجھ لو کیوں کہ حق تعالیٰ حاکم مطلق ہیں؛ جن کے اوپر کوئی کسی قسم کا حاکم نہیں؛ تمہاری حالت کا بدل دینا اور قانون کو تمہارے خلاف

کردینا ہر وقت ان کے اختیار میں ہے، کاہے کا ناز اور کاہے کا انداز ناز و انداز اس وقت تک سوجھتے ہیں جب تک حق تعالیٰ کی عظمت نظر میں نہ ہو اور اگر عظمت نظر میں ہو تو پتے پانی ہوجائے؛ حق تعالیٰ کی عظمت وہ چیز ہے اس کے انکشاف کے وقت عقل و ہوش سب رخصت ہوجاتے ہیں سمجھنے کی بات ہے کہ ناز انداز کسی عمل ہی پر ہوسکتا ہے اور عمل کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا ہو؛ مگر حق تعالیٰ کی شان کے موافق نہیں ہوسکتا؛ کیا بندہ اور کیا اس کا عمل جس کو خدا کی شان کے موافق کہا جاوے نیز ناز تو مکتسب چیز پر ہوسکتا ہے اور اعمال جن پر آپ کو ناز ہے گو وہ مکتسب ہے لیکن اکتساب بھی اس کی صدور کی ایک علت ہے؛ عِلَّةُ العِلَل نہیں ہے بلکہ اس کی علت حقیقتاً مشیت حق ہے؛ پس چوں کہ اکتساب علۃ قریبہ ہوتی ہے اس لئے اعمال کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے؛ مگر اس کے لئے بھی ایک دوسری شئے علت ہے یعنی مشیت حق چنانچہ معلوم ہے؛ وماتَشَاؤن اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ (اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں) صاحبو! اُدھر کی مشیت سے سب کچھ ہوتا ہے اور آپ کو جو دخل ہے وہ برائے نام ہے ایک بزرگ کی حکایت ہے جو قابل عبرت ہے گو یہ حکایت خواص کے خطاب کے قابل تھی؛ مگر مسلمان خواص ہی ہیں؛ اس لئے بیان کرتا ہوں۔

امثال عبرت

حکایت یہ ہے کہ ان بزرگ نے ایک دفعہ ذکر اللہ کا ارادہ کیا؛ تو بڑی دیر تک چاہتے رہے کہ زبان سے خدا کا نام لیں مگر زبان پر نہ آیا؛ حیرت کی بات ہے لوگ کہیں گے کہ کیسے ہوسکتا ہے مگر یہ حالات اہل حال پر گذرتے ہیں؛ جن پر گذرتے ہیں وہ جانتے ہیں دوسرے کیا جانیں ۔

اے تو خارے بپا نشکست کے دانی چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

(تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کی حالت کو کیا سمجھ سکتے ہو؛

جن کے سروں پر بلا اور مصیبت کی تلوار چل رہی ہے)

اہل حال کو سخت سے سخت حالات نا قابل برداشت پیش آتے ہیں: کتنی سخت بات ہے کہ خدا تعالیٰ کا نام بھی زبان پر نہ آیا؛ اس سے جو حالت ان کے دل پر گذری ہوگی وہی جان سکتے ہیں یہ تو بہت بڑی بات ہے سالک کے قلب پر تو ذرا سا میل بھی آتا ہے وہ تو جان کھونے کو تیار ہو جاتا ہے؛ ے

بر دلِ سالک ہزاراں غم بُود　　　گر ز باغ دلِ خلا کے کم بُود

(سالک کے دل پر ہزاروں غم وارد ہوتے ہیں اگر ذرہ بھر بھی اس کی باطنی حالت میں کمی ہوتی ہے۔)

ان کو سخت حیرت ہوئی کہ ایسا کیوں ہوا؛ بس یاد آ گیا کہ ایک دفعہ جوانی میں لا اُبالی پن سے ایک بے ہودہ کلمہ زبان سے نکلا تھا جس سے توبہ نہیں کی گئی آج اس کا وبال پڑا ہے وہ حجاب ہو رہا ہے کہ کلمہ کو زبان پر نہیں آنے دیتا؛ حضرت یہ دشوار گذار گھاٹیاں اور حق تعالیٰ کے راستہ میں پیش آتی ہیں جو راستہ طے کرتے ہیں ان سے پوچھو مگر ہم لوگوں نے تو سہل طریقہ اختیار کیا ہے کہ اس راستہ میں قدم نہ رکھو؛ نہ پڑھو نہ قضا ہو؛ اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ حق تعالیٰ جو کسی سے اعمال صالحہ کی توفیق سلب کر لیتے ہیں؛ اس کی بھی کوئی وجہ ہوتی ہے یوں ہی بلا وجہ بے قاعدہ توفیق سلب نہیں کرتے گو قدرت یہ بھی ہے کہ بلا وجہ بھی سلب کر لیں مگر وہ ایسا کرتے نہیں بلکہ جب کسی سے کوئی نعمت سلب ہوتی ہے اس کا سبب اس شخص کا کوئی عمل اختیاری ہوتا ہے جس کو خدا نے یاد رکھا، اور بندہ نے بھلا دیا، بندہ نے اس کو معمولی سمجھا اور خدا کے نزدیک وہ بڑی بات تھی، اس لئے مواخذہ کے وقت جہل کے سبب یوں گمان کر لیا جاتا ہے کہ بلا وجہ مواخذہ ہوا اس لئے کسی گناہ کو معمولی نہ سمجھنا چاہئے اور نہ کسی سزا کو بلا وجہ سمجھنا چاہیے۔

حضرت جنید بغدادیؒ ایک بار چلے جا رہے تھے ایک مرید ساتھ تھا راستہ میں ایک خوبصورت لڑکا عیسائی کا نظر پڑا مرید کی نظر اس پر پڑ گئی مرید نو آموز یا نا آموز تھا اس کو نظر

پھر کر دیکھا شیطان نے اسے بہکا دیا کہ صنعت خدا دیکھ لے اس نے نظر کر لی پھر حضرت جنید سے کہتا ہے؛ کہ کیا خدا تعالیٰ اس صورت کو بھی دوزخ میں ڈالے گا؛ حضرت جنید نے کہا کیا تو نے اس کو دیکھا ہے اچھا اس کا وبال سامنے آئے گا؛ اس وقت تو بات رفع دفع ہوگئی؛ بیس سال بعد وبال کا ظہور ہوا کہ وہ مرید قرآن بھول گیا؛ ہم لوگوں کی نظر ان باتوں پر کہاں پہنچ سکتی ہے ہم کسی سزا کو بیس سال کے فعل کی طرف کیسے منسوب کریں مگر یہ بات بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے ہے درحقیقت یہ سزائیں کسی عمل کی ہوتی ہیں اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ سزا عمل کی اسی وقت ہی مرتب ہو جائے دیکھئے آموں کے موسم میں آم زیادہ کھائے جائیں تو اس کا اثر کئی مہینے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ پھوڑے پھنسی زیادہ نکلتے ہیں یہاں کوئی نہیں کہتا کہ پھوڑے پھنسی آموں کا اثر نہیں اس طرح ترتب وبال میں دیر ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ کسی گذشتہ عمل کی سزا نہیں۔ یہ حضرت جنیدؒ کی حکایت تو درمیان میں آگئی تھی میں ان بزرگ کی حکایت بیان کر رہا تھا؛ کہ دیر تک ذکر کی توفیق نہیں ہوئی ان بزرگ کو یاد آیا کہ جوانی کے زمانہ کا ایک کلمہ بے ہودہ حجاب ہو رہا ہے انہوں نے توبہ کی بس توفیق ہوگئی؛ تو اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے یا زبان سے ذکر کرتا ہے تو وہ محض خدا کی نعمت ہے اس پر ناز کیسا؛ وہ تو خدا ہی کی رحمت ہے تم نے کیا کیا۔

علم پر ناز

اگر کسی کو علم پر ناز ہو تو سن لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر تو کسی کو علم عطا نہیں ہوا، حق تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتے ہیں، وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ یعنی اگر ہم چاہیں تو وہ تمام علوم جو آپ کو دیئے ہیں دفعۃً سلب کر لیں، ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا یعنی پھر کوئی آپکا کارساز بھی نہیں ہو سکتا دیکھئے کتنا ہولناک خطاب ہے آپ ڈر ہی تو گئے ہوں گے اور تعجب نہیں کہ یاس کی نوبت آجاتی اس واسطے حق تعالیٰ نے یہ جزء بڑھا دیا، اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یعنی بس رحمت خدا ہی ساتھ دے سکتی ہے اور کوئی ساتھ نہیں دے سکتا

،ان الفاظ کے جوڑ سے پتہ چلتا ہے اُس حالت کا جو اس آیت کے اترنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گذری ہوگی کہ اتنے لفظ پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا؛ اِلّا رَحْمَةً مِنْ رَّبِّكَ کیوں کہ اس سے اتنا معلوم ہوا کہ رحمت دستگیری کر سکتی ہے؛ مگر اس کا وقوع ہوگا یا نہیں اس لفظ سے اس کا اطمینان نہیں ہوتا؛ اس واسطے ایک جملہ اور بڑھا دیا: اِذْفَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا یعنی چونکہ خدا تعالیٰ کا فضل آپ کے شامل حال ہے اس لئے بالفعل رحمت آپ کی دستگیر ہے؛ آپ کسی طرح کا اضطراب نہ کریں بس اس لفظ سے یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اطمینان ہوگیا کہ ایسا واقعہ نہ ہوگا کہ علوم سلب کر لئے جائیں؛ صرف اظہار قدرت اور تصحیح عقیدہ کے لئے ایسا فرمایا گیا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ گفتگو ہے؛ تا بدیگراں چہ رسد، دوسروں کی تو کیا حقیقت ہے؛ ہم کو ذرا ہوش سنبھالنے کی ضرورت ہے کسی کو علم پر ناز ہے تو حماقت ہے؛ عمل پر ناز ہے تو حماقت ہے؛ ان میں سے کوئی جزء بھی اس درجہ میں مکتسب نہیں جس پر ناز کیا جائے؛ جس کو کوئی چیز حاصل ہے وہ سب عطائے الٰہی ہے اس کو اپنی چیز سمجھنا اور تزکیہ نفس کرنا کبر ہے اور کبر وہ عیب ہے جو گند در گند ہے اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ کبر کس درجہ بری چیز ہے؛ مگر ہم لوگوں میں بہت کم قلوب اس سے پاک ہوں گے؛ اس حدیث میں اسی کا علاج ہے اس وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا؛ ایک وجہ تو یہ ہوئی اس کے اختیار کرنے کی۔ دوسرے یہ کہ یہ مرض عام ہونے کے ساتھ ام الامراض و بیماریوں کی جڑ بھی ہے اکثر شدید امراض باطنی کی جڑ یہی ہے اور اکثر عیوب کا سلسلہ کبر ہی پر منتہی ہوتا ہے؛ مثلاً غصہ کہ یہ ایک بڑا مرض ہے مگر پیدا ہوتا ہے کبر ہی سے بعض وقت تو اس کا ظہور خود غصہ والے کے منہ سے ہونے لگتا ہے مثلاً بعض بد دماغ آدمی غصہ کے وقت اپنی زبان سے کہنے لگتے ہیں کہ تو نہیں جانتا ہم کون ہیں؟

انسان کی اصلیت:

ایک بزرگ نے اس کا خوب جواب دیا؛ انہوں نے ایک شخص کو ٹوکا کہ غرور سے نہ چلو

وہ غصہ میں آ کر کہنے لگا: لَاتَدْرِیْ مَنْ اَنَا یعنی جانتا نہیں میں کون ہوں ان بزرگ نے کہا جانتا ہوں اولک نُطفَة قَذِرَة وآخرك جيفة قذرة ☆ وَاَنْتَ بَيْنَ ذٰلِكَ تَحْمِلُ الْعذِرَه یعنی پہلے تو ایک پلید نطفہ تھا اور انجام کار ایک گندہ مردار ہو جائے گا؛ اور اس کے بیچ میں یہ حالت ہے کہ پیٹ میں نجاست کو لئے پھرتا ہے؛ واقعی انسان کی حالت تو یہی ہے ہم ظاہر میں کیسے پاک وصاف ستھرے بنتے ہیں نہاتے ہیں دھوتے ہیں صابون ملتے ہیں عطر لگاتے ہیں اور نفیس مزاج بنتے ہیں میل کچیل سے گھن کرتے ہیں پہلے کپڑے تک پہننا گوارا نہیں کرتے مگر حالت یہ ہے کہ جس چیز سے گھبراتے ہیں وہ ایک کافی مقدار میں پیٹ کے اندر ہر وقت بھری رہتی ہے کوئی تول کر دیکھے تو پانچ سیر تین سیر دو سیر پاخانہ ہر وقت پیٹ کے اندر ساتھ رہتا ہے جس چیز سے گھنیاتے ہیں وہی لادے پھرتے ہیں؛ صاف ستھری مجلسوں میں جاتے ہیں؛ مگر یہ تبرک ساتھ ہے آدمی ذرا غور کرے تو اس سے تمام ناز جاتا رہے، یوں کہئے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ سب کا عیب ڈھک رکھا ہے، جس سے ہم ستھرے بنے پھرتے ہیں اگر پیٹ کی نالی نالی میں قوۃ ماسکہ نہ ہوتی جس سے پاخانہ رکا رہتا ہے اور خاص وقت پر نکلنے کا تقاضا ہوتا ہے اور یہ نالی ہر وقت بہا کرتی یا کم از کم اس راستہ سے اس کی بدبو ہی ہر وقت آیا کرتی تو کوئی پاس بھی نہ بیٹھنے دیتا، سب صفائی اور نفاست بھول جاتے چنانچہ جن لوگوں کی یہ قوتِ ماسکہ کمزور ہو جاتی ہے اور ہر وقت دست بہنے لگتے ہیں تو دیکھ لیجئے ان سے کیسی نفرت کی جاتی؛ مگر حق تعالیٰ نے اپنی شانِ ستاری سے پیٹ کو ایسا ڈھکا ڈھول بنایا کہ کسی کو خیال بھی نہیں آتا کہ تمہارے پیٹ میں پاخانہ ہے یا کیا ہے؛ گندہ ذہنی ایک مرض ہے؛ اس میں دیکھ لیجئے کہ کوئی پاس بھی نہیں آنے دیتا؛ جس کے نزدیک جائیں وہی نفرت کرتا ہے؛ حق تعالیٰ نے وہ حالت دکھلانے کے لئے اس قسم کے بعض امراض پیدا کر دیئے ہیں؛ تاکہ ان کو دیکھ کر حق تعالیٰ کی رحمت کو یاد کر لیا کریں؛ کہ یہ بھی ممکن تھا کہ غلاظت پیٹ میں اس طرح پُر ہوتی جس کی بو آیا کرتی مگر خدا تعالیٰ نے اس کو چھپا دیا۔

امام کی خصوصیات

زمانہ طالب علمی میں ایک گندہ دہن آدمی میرے ہی پاس جماعت میں کھڑا ہوا تھا، اس بھلے مانس کو بھی کچھ ضد تھی کہ جب میرے پاس کھڑا ہوتا مجھے سخت ایذا ہوتی جماعت کے خیال سے میں کھڑا رہتا مگر جان پر بن جاتی۔ دیکھئے گندہ ذہنی ایسی بُری چیز ہے اگر خدانخواستہ آنتوں میں سے ایسا سوراخ کھلا ہوا ہوتا جس سے بدبو آتی تو کیا حالت ہوتی کیا کرتے؛ اس کو کس طرح بند کرتے کیا اس کے منہ کو ڈورے سے باندھا کرتے، غرض اس کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے یہاں ایک بات درمیان میں یاد آئی جو فقہاء نے بیان کی ہے واقعی دو جماعتیں حقیقت شناس ہیں دین کی صوفیہ اور فقہاء۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص سے جماعت کو ایذا ہو جیسے کوڑھ کا مریض یا خارش کا مریض یا گندہ دہن وغیرہ اس کو جماعت معاف ہے کیوں کہ ایک کی وجہ سے دس کی جماعت جاتی ہے بعض لوگوں کو اس ایذاء پر صبر نہ ہوگا تو وہ جماعت سے بیٹھ رہیں گے؛ فقہاء نے تکثیر جماعت کو مہتم بالشان سمجھا ہے اسی تکثیر کی وجہ سے امام کی صفات لکھی ہیں ان سب کی بناء اسی پر ہے کہ جماعت میں تکثیر ہو اور نفرت نہ ہو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر علم وفضل میں چند آدمی برابر ہوں تو ایک وجہ ترجیح کی خوبصورت ہونا بھی ہے جو ان میں سب سے زیادہ خوبصورت ہو اس کو امام بنایا جائے مگر امرد نہ ہو کیوں کہ امرد کے پیچھے نماز مکروہ ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی طرف زیادہ رغبت ہوگی اور ایک وجہ ترجیح کی یہ بھی لکھی ہے کہ جو نسب میں بڑھا ہوا ہو، نسب سے بھی آدمی کی عزت ہوتی ہے اور مقتدیوں کو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں عار نہیں آتی تو اس سے تکثیر ہوگی جماعت کی یہاں تک لکھا ہے کہ جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو اس کو امام بنایا جائے کیوں کہ ایسا آدمی عفیف زیادہ ہوگا اور غیر عفیف سے عفیف کے پیچھے جماعت زیادہ جمع ہوگی اور اس سے کوئی نہ سمجھے کہ امام صاحب کی بیوی کو جا کر جھانکا کریں تا کہ اس کا حسین ہونا معلوم ہو؛ بلکہ یہ بات آپس میں ملنے جلنے والوں کو معلوم رہتی ہے کہ کس کے گھر

کی کیا حالت ہے مطلب یہ ہے کہ اگر مقتدیوں کو یہ بات معلوم ہو کہ فلاں شخص کی عورت حسین ہے تو یہ بھی کسی درجہ میں وجہ ترجیح کی ہو سکتی ہے؛ فقہاء شرعی مذاق نہایت صحیح رکھتے ہیں شریعت کی تاکیدیں جماعت کے متعلق دیکھ کر تکثیر جماعت کی صورتیں تجویز فرمائی ہیں شریعت کو تکثیر جماعت کا خاص اہتمام ہے اس لئے امام کو تطویل قرأت سے منع فرمایا ہے اور تطویل کرنے والے کو فَتَّانْ فرمایا ہے تاکہ جماعت میں تقلیل نہ ہو؛ امام کے متعلق ان جملہ احکام کی بناء تکثیر جماعت ہی ملے گی اس طرح شریعت نے مقتدیوں میں رعایت کی ہے کہ اُن باتوں سے منع کیا ہے جو تکثیر جماعت میں خارج ہوں مثلاً حدیث میں ہے جو شخص لہسن کھائے وہ مسجد میں نہ آوے کیوں کہ اس سے ایذاء ہوتی ہے جو مخل فی التکثیر ہے (کثرت میں خلل انداز)

حاکم کی اطاعت

حضرت عمرؓ نے ایک مجذوم عورت کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: يَا اَمَةَ اللّٰه اقْعُدِىْ فِى بَيْتِكَ وَلَا تُوْءِ ذِىْ النَّاس یعنی اے خدا کی بندی اپنے گھر بیٹھ اور لوگوں کو تکلیف مت دے۔ وہ طوعاً کرہاً چلی گئی؛ چند سال کے بعد دیکھا گیا کہ پھر آرہی ہے یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت عمرؓ کا انتقال ہو چکا تھا، مگر اس کو خبر نہ تھی ایک شخص نے اس سے کہا اِبْشِرِىْ فَقَدْ مَاتَ ذَاكَ الرَّجُلُ یعنی اب دل کھول کر طواف کر لے کیوں کہ عمر (جنہوں نے منع کیا تھا) وفات پاچکے اس نے بہت تاسف کیا اور انا للہ پڑھا؛ اور کہا میں اب آئندہ طواف نہ کروں گی؛ اگر عمرؓ زندہ ہوتے تو طواف کرتی میں ان کو مردہ سمجھ کر نہیں آئی تھی بلکہ زندہ سمجھ کر آئی تھی طواف کے شوق نے مجھے مجبور کیا اور میں نے جی میں کہا کہ طواف کروں گی بہت سے بہت سزا ہو جاوے گی۔ عمر ایسا شخص نہ تھا کہ زندگی میں تو اس کا حکم مانا جاوے اور مرنے کے بعد نہ مانا جاوے یہ کہہ کر چلی گئی یہ تھی اطاعت حاکم کی اور یہ تھا مسلمانوں کا باہم ارتباط اور تعلق جس کی نظیر ملنا مشکل ہے حتیٰ کہ ایسے ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ بعض لشکروں کے

امیر نے حکم دیا کہ سپاہی آگ میں کود پڑے اور وہ کودنے کے لئے تیار ہوئے (یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا ہے) اس لشکر میں فقہاء صحابہ بھی تھے؛ انہوں نے ان کودنے والوں کو پکڑا اس قاعدہ کے موافق لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق (اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے) اور مجمع مرکب از مجاذیب وسالکین تھا؛ پھر یہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سالکین مانعین کی تصویب [1] فرمائی؛ غرض وہ بی بی واپس چلی گئی؛ تقریر اس کے متعلق تھی کہ جس شخص کے مسجد میں جانے سے دوسروں کو ایذا ہو اس کو چاہیے کہ نماز گھر میں ادا کریں۔ یہاں سے ایک مسئلہ اور بھی نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص مفسد ہو جس کے مسجد جانے سے بہت سوں کو تکلیف پہنچتی ہو اگر قابو چلے تو اس کو مسجد میں آنے سے روک دینا جائز ہے، کیونکہ جب کہ اتنی ایذا کی وجہ سے منہ میں سے بدبو آنے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے شریعت نے مسجد آنے سے روک دیا ہے تو جن سے دینی یا دنیاوی فتنہ کا اندیشہ ہو ان کی ممانعت بطریق اولیٰ نکلتی ہے یہ کلام اس پر چلا تھا کہ غصہ کی اصل تکبر ہے چنانچہ بعضوں کی زبان پر غصہ کے وقت یہ بات آجاتی ہے کہ جانتا نہیں کہ ہم کون ہیں اگر پردہ اٹھا دیا جائے تو معلوم ہو ہم کون ہیں اگر یہاں پردہ اٹھا دیں تو ساری مسجد کے آدمی بھاگے نظر آویں۔

حکمت اور مصلحت

حق تعالیٰ نے حیات میں بھی پردہ ڈھکا رکھا اور بعد ممات کے بھی کیسی ستاری کی ہے حکم دیا ہے کہ لاش نہلاؤ تاکہ کوئی گندی چیز مرض کی حالت میں لگ لگا گئی ہو جس سے لوگوں کو نفرت ہو تو وہ دھل جائے اور جنازہ کا لے چلنا ان پر بار نہ ہو اور صاف ستھرے کپڑوں میں لپیٹو اور خوشبو لگاؤ اور خوشبو میں سے بھی کافور کو اختیار کیا جو مانع تعفن بھی ہے ان سب میں یہی حکمت ہے کہ اس سے کسی کو نفرت نہ ہو اور عیوب ڈھکے رہیں ایک مقتول کی لاش کی تشریح ڈاکٹر نے کی اس کے بعد اس کی تجہیز تکفین کی گئی میں بھی اس کے غسل و نماز میں

(۱) رائے کی درستی

شریک تھا؛ واللہ اس قدر تکلیف ہوئی ہے کہ بیان نہیں کی جا سکتی، واجب ہونے کی وجہ سے شرکت تو کی مگر دماغ وقلب کی جو حالت تھی اس کو وہی لوگ خوب جانتے ہیں جو اس وقت شریک تھے؛ اگر ایسی حالت ہر مردہ کے ساتھ پیش آوے تو عجب نہیں کہ لوگ دفن کرنا بھی چھوڑ دیں اور ویسے وہی چھوڑ کر بھاگ جائیں اور کتے، بلی اس کو خراب کرتے پھریں، اس مقتول کی حالت دیکھ کر قدر معلوم ہوئی اس حدیث کی جس میں ہے کہ تین چیزوں کو موٴخر نہ کرو ایک تو ان میں سے جنازہ بھی ہے سبحان اللہ شریعت کے کیا احکام ہیں ان ہی کی بدولت مسلمانوں کا مردہ کیسی عزت واحترام کے ساتھ جاتا ہے کہ کسی کو ذرہ بھی ناگواری نہیں ہوتی اس مقتول کی لاش کا کفن دفن سب کچھ ہوا؛ مگر کس درجہ ناگواری کے ساتھ کہ الامان الامان اس دیر نہ کرنے میں حکمت یہ بھی ہے کہ مقبول کو منزل مقصود پر جلدی پہنچاؤ اور مردود کو اپنی گردنوں سے جلدی پھینکو احکام شرعی میں ایک ایک نہیں سینکڑوں حکمتیں ہیں اہل ظاہر کے لئے بھی حکمتیں ہیں اور اہلِ باطن کے لئے یہی حکمتیں ہیں ؎

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد

برنگ ارباب صورت راہوارباب معنی را

(اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل وجان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل وجان کو بو سے تازہ رکھتی ہے)

مردہ کو تجہیز وتکفین کے جلدی کرنے میں باطنی حکمت تو یہ ہے جو ابھی مذکور ہوئی اور جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بیان فرمایا اور ظاہری حکمت یہ ہے کہ بد بو آنے سے پہلے اس کو ڈھانک دیا جائے اس کے عیب نہ کھلیں اور لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے زندوں کا نفع اور مردہ کا بھی نفع۔

تدابیر نجات

یہاں سے ایک بات اور نکلتی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ

اتنی شفقت ہے کہ اتنی بات بھی گوارا نہیں کہ ہمارے دماغ کو بدبو سے تکلیف پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جسم کو جہنم میں کیسے چھوڑیں گے انشاء اللہ بہت کچھ امیدیں ہیں۔

نماند بہ عصیاں کسے در گرد　　　　که دارد چنیں سید پیش رو

(جو شخص ایسا سردار پیش رو رکھتا ہو وہ گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں نہ رہے گا)

اس کے معنی یہ نہیں کہ جہنم میں جانے نہ دیں گے جس سے ہم لوگ تکیہ کر بیٹھیں کہ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سروں پر موجود ہیں فرشتوں کے ہاتھ سے ہم کو چھڑا لیں گے اور عذاب نہ ہونے دیں گے بلکہ اس کا اثر یہ ہے کہ آپ نے دوزخ میں جانے کے اسباب سے منع فرمایا ہے جیسے بدبو سے بچنے کی تدبیر بتائی ہے کہ جلدی دفن کرو مردہ کو سڑنے نہیں دیا، یہ بھی ممکن تھا کہ آپ حق تعالیٰ سے دعا کر دیتے کہ مسلمانوں کا مردہ سڑا نہ کرے مگر یہ نہیں ہوا بلکہ تدبیر تعلیم فرمائیں جن کے ذریعہ سے سڑنے سے حفاظت رہے اسی طرح وہ اعمال تعلیم فرمائے جن کے ذریعے دوزخ سے نجات رہے ہر تعلیم سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ ایسی شفقت ہے جیسے باپ کو بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر موقع پر بیٹے کو وہی تدبیریں بتلاتا ہے جو اس کے نزدیک اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں اور ذرا سی بھی تکلیف بیٹے کی نہیں دیکھ سکتا تو گو حضور صلی اللہ علی وسلم ہمارے پاس نہیں ہیں مگر تدابیر نجات سب بتا گئے ہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت موجود نہیں، حالتِ حیات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ آپ کی شفقت سب کو عام ہے حاضرین کو بھی غائبین کو بھی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اب تک ویسی ہی موجود ہیں اور قیامت تک رہے گی یہ تو زندوں کا نفع بیان ہوا تعجیل تجہیز و تکفین میں اور ایک فائدہ کا بھی بیان ہوا کہ اگر مقتول ہے تو جلدی اپنے ٹھکانے پہنچا دیا جائے گا اور مردہ کا ایک نفع اور بھی ہے اور وہ ایک ذرا باریک بات ہے اس کے لئے اول ایک مقدمہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن اللہ خبر دی ہے کہ مردہ کو ایصال ثواب صدقہ خیرات وغیرہ کا ہوسکتا ہے، اس طرح زندہ مردہ کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور ایک دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ارادہ ایصال ثواب کا جب ہوتا ہے جب مردہ سے محبت

ہواور رمردہ میں تاخیر میں بدبو آجاوے گی تو آپ کو اس سے اذیت اور نفرت ہوگی پھر ہرگز ہرگز اس کے تصور کو بھی جی نہ چاہے گا ایصال ثواب تو کیسا تو وہ غریب ایصالِ ثواب سے محروم رہے گا۔ اس واسطے حکم دیا گیا کہ نفرت پیدا ہونے سے پہلے ہی دفن کردو؛ بلکہ مسلمانوں کے مردوں کو خوب دھونی دینی چاہیے خوشبودار کافور بھی مَلا جاتا ہے کافور میں یہ حکمت ہے کہ اس سے کیڑے بھاگتے ہیں؛ اس کا خاص طور پر حکم ہے تاکہ کچھ دیر تک تو حفاظت رہے اور نظروں سے پوشیدہ ہونے کے وقت تک کوئی بات موجب نفرت نہ ہونے پائے غرض سینکڑوں مصلحتیں ہیں جلدی دفن کرنے میں سب کی سب واقعی مصلحتیں ہیں لے چلنے میں بھی جلدی کا حکم ہے اور نماز میں بھی جلدی کا حکم ہے دیکھئے حق تعالیٰ نے ہماری کتنی حفاظت کی ہے اور ہمارے عیوب کس طرح ڈھانکا ہے اور زندگی میں گندگیوں کو ہمارے جسم میں اس حفاظت سے رکھا ہے؛ کہیں کو پھوٹنے نہیں دیا؛ اگر اتنی حفاظتیں نہ ہوں تو ہم کو اپنی حقیقت نظر آجاوے غرض یہ ہے کہ اگر اپنے یہ حالات ہم کو محفوظ رہیں تو کبھی کبر نہ آوے؛

تفکّر کی ضرورت

مصیبت یہ ہے کہ ہم لوگوں کو تفکر کی عادت نہیں اگر گاہ گاہ بھی غور کرلیا کریں تو یہ باتیں چھپی ہوئی یا دلیل کی محتاج نہیں ہیں بلکہ از قبیل مشاہدات ہیں؛ جو ہر شخص کے نزدیک مسلم اور مشاہد ہیں ہاں ان کے استحضار کے لئے کچھ نہ کچھ قصد شرط ہے سو قصد کرنا چاہیے کہ اس تفکر سے اتنے بڑے مرض کا علاج ہوتا ہے جو ام الامراض ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں نہ اس میں کچھ حرج ہوتا ہے اور اگر اتنا سا کام اختیار و ارادہ سے کرنے میں بھی آپ کو تکلیف ہے تو میں آپ کو ایک مراقبہ بتاؤں جس کا بالاضطرار روزمرہ موقع پیش آتا ہے وہ یہ کہ پاخانہ میں ایک دفعہ ہر شخص کو جانا پڑتا ہے ذرا وہاں کی ہیئت کو خیال کیجئے کہ سب سے علیحدہ اپنے عیوب کو کھولے بیٹھے ہیں ہیئت وہ ہے کہ کسی کے سامنے اس کے ساتھ نہیں آسکتے کام وہ ہے

جس کے تصور سے بھی دل گھبراتا ہے گو کرنا ہر شخص کو روز پڑتا ہے ذرا اس ہیئت کو آئینہ سامنے رکھ کر دیکھئے آپ کو خود ہی تعجب ہوگا؛ کہ ہم چیز ہی کیا ہیں؛ جو دوسرے وقت کہتے پھرتے ہیں کہ ہم کو جانتے نہیں ہم کون ہیں آپ یہ ہیں جو اس خاص حالت سے آئینہ کے اندر ہیں پاخانہ میں بیٹھ کر اسکو سوچا کیجئے اور آج کل تو ایک مذاق یہ بھی نکلا ہوا ہے کہ پاخانہ میں بھی بے کار نہیں بیٹھتے اخبار لیجا کر وہاں دیکھتے ہیں کیوں کہ وقت بڑی فرصت کا ہے؛ تو جب وہ وقت بھی بیکار ضائع جانا پسند نہیں تو اس کو اس مراقبہ میں صرف کرنا خلاف وضع کیوں ہے یہ بھی ایک کام ہے پاخانہ کے وقت اسی کو کرلیا کیجئے؛ ہاں جس کا یہ مذاق ہو کہ خاص خبروں سے دل بہلانا چاہتا ہو تو اور بات ہے اس کو اس مراقبہ کی فرصت کہاں ہوگی یہ لوگ بھی کیا مذاق والے ہیں؛ اخبار بینی کے لئے کیسا وقت تجویز کیا ہے کہ اگر کبھی اخبار میں کوئی دلچسپ مضمون نظر پڑ گیا تو دیر سویر کا بھی خیال نہ رہے گا؛ گھنٹوں وہیں قید رہیں اور واقعی ان کی سزا یہی ہے کہ ایسی جگہ میں قید رہیں ورنہ قاعدہ عقلی یہ ہے؛ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ (ضروری بقدر ضرورت ہی ضروری ہے) پاخانہ میں تو صرف اتنی دیر بیٹھنا چاہیے جس میں قضائے حاجت ہو جائے؛ پاخانہ بھی صاف کھل کر جب ہی ہوتا ہے، جب آدمی دوسرے شغل میں نہ لگے اور جب دوسرے شغل میں لگ گیا؛ قضائے حاجت بہ تکلیف دیر ہوگی یہ دیر اس شغل کی سزا ہے اور میں نے جو مراقبہ تجویز کیا ہے اس میں یہ خرابی نہیں کیوں کہ اس میں تو پاخانہ کی حاجت ہی کا مراقبہ ہے اور اس کے وقت میں امتداد کا بھی احتمال نہیں کیوں کہ وہ پاخانہ کے ساتھ ختم ہو جاوے گا۔

پاخانہ کی قید پر ایک حکایت یاد آئی ایک عہدہ دار ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کر رہے تھے؛ تیسرے درجے میں معمولی آدمی بیٹھتے ہیں یہ سفید پوش آدمی تھے اس واسطے سب لوگ ان کا لحاظ کرتے تھے انہوں نے بستر کھول کر تمام بینچ کو گھیر لیا اور اس روز مسافر زیادہ تھے بہت لوگ کھڑے کھڑے جا رہے تھے یہ پیر پھیلائے مزے سے لیٹے تھے بعض

مسافروں نے خوشامد کی کہ منشی جی ذرا بیٹھ جاؤ انہوں نے ڈانٹ دیا غرض سب کو پریشان
کررکھا تھا خدا کی قدرت ان کو پاخانہ کی ضرورت ہوئی اور وہ ریل کے پاخانہ میں گئے
اتفاق سے ایسی صورت ہوئی کہ کواڑ بند کرنے میں چٹخنی باہر سے ایسی بند ہوئی کہ اندر سے
کھل نہ سکی اول تو انہوں نے اپنے تکبر کو نبھایا کہ خود کھٹ کھٹ کرتے رہے اور چٹخنی کے
ساتھ زور لگاتے رہے مگر کہاں تک جب نہ کھلی تو آخر اندر سے آواز دی، اول سخت لہجہ میں
کہا کہ ذرا چٹخنی کھول دینا لوگوں نے آپس میں کہا کہ اب بدلہ لینے کا موقع ہے سسرے کو
بند پڑا رہنے دو ذرا دیر بیٹھنے کو جگہ تو ملے گی جب کسی نے سخت لہجہ سے نہ سنا تو انہوں نے کہا
کہ کوئی صاحب چٹخنی تو کھول دے اس پر بھی کسی نے نہ سنا تب آپ کا تکبر ٹوٹا اور خوشامد کی،
غربا رحم دل ہوتے ہیں کسی نے کہا کہ میاں کھول دو بہت دق کرلیا ہے دوسرے نے کہا کہ
یوں نہیں توبہ کرا کے کھولنا جب خوب توبہ کرالی تب کھول دی اب تو ان کا شیطان اتر گیا اور
بستر سمیٹ کر الگ بیٹھ گئے وعدہ کے سچے نکلے یہ قید تو مجبوری کی تھی اور بعضے ہمارے بھائی
ایسے ہیں کہ اپنے ہاتھوں پاخانہ کی قید میں بند رہتے ہیں قصداً اخباروں کو لے جاتے ہیں کیا
مذاق ہے خیر یہ تو مذاق تو تقلید بے جا سے حاصل ہوا ہے میں وہ کام بتاتا ہوں جو آپ کیلئے
مفید ہو اور اتنے وقت کے لئے شغل بھی ہو جاوے وہ یہ کہ پاخانہ میں بیٹھ کر اپنی خوبصورتی
اور شان کو ملاحظہ کیجئے یہ مراقبہ آپ کے کام کا ہے جو سامان تکبر کے ہیں وہ وہاں سب ندارد
ہوتے ہیں فیشن بھی ختم ہو جاتا ہے نہ پتلون رہے نہ لنگی وہاں تو ساری مستی ٹنگی رہ جاتی ہے
آجکل تو لوگ کپڑوں سے بڑے بنتے ہیں اور پاخانہ میں اتر ہی جاتے ہیں اس وقت اپنی
ہئیت کو دیکھئے کہ وہ واقعی وہ نقشہ ہے کہ بالقصد اس کو بتانا کبھی بھی کوئی گوارا نہ کرے لباس
انسان کے لئے زینت ہے وہ اترا ہوا ہے سب سے نکمی اور گندی جگہ میں بیٹھے ہوئے ہیں:
خلاصہ یہ کہ وہ حالت ہے کہ اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہوسکتی اور اگر مجبوری نہ ہوتی تو
کوئی بھی اس کو اختیار نہ کرتا پھر ٹانگوں کے درمیان سے جس چیز کا خروج ہو رہا ہے وہ چیز

ہے جس کا نام لینے سے بھی گھن آتی ہے جس سے وہ لوگ بھی گھبراتے ہیں جو اٹھاتے ہیں یعنی بھنگی چنانچہ دیکھ لیجئے پاخانہ کے بعد آبدست وہ بھی لیتے ہیں گوہ میں سنا رہنا وہ بھی گوارا نہیں کرتے ان سب باتوں میں غور کیا کیجئے گو یہ مراقبہ تو بڑا بے ڈھب ہے مگر اخبار دیکھنے سے اچھا ہے کیوں کہ وہ کارآمد نہیں اور یہ کارآمد ہے ان سب باتوں کو نظر میں رکھ کر سوچئے کہ کیا میں بڑا ہوں۔

ایک حقیقت

کسی جاہل کا شعر ہے کہ ؂ اللہ جسے کہتے ہیں واللہ میں ہی ہوں۔ مولوی عبدالحق صاحب کانپور میں تھے وہ بڑے ظریف تھے انہوں نے سنا تو فرمایا کہ کوئی پاخانہ میں جا کر اُس ننگے کو سلام کرے کہ وہ میاں تم ہی اللہ ہو جو اس خوبصورت حالت سے ہگ رہے ہو واقعی خوب جواب دیا حق تعالیٰ نے نفی الوہیت مسیح پر اسی مضمون سے استدلال کیا ہے مگر اللہ اکبر قرآن کی کیا بلاغت ہے کہ نہایت پاکیزہ پیرایہ میں اس کو بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کَانَا یَأْکُلَانِ الطَّعَامَ یعنی مسیح اوران کی والدہ خدا کیسے ہوتے یہ تو دونوں کھانا کھاتے تھے اس میں اول تو یہ بات بتلائی کہ کھانا کھانے والا بھوک سے زیادہ عاجز ہو کر غذا کا محتاج ہوتا ہے اور خدا محتاج اور عاجز نہیں ہوتا دوسرے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کھانا کھانے والے کو بول و براز کی حاجت ہوتی ہے اور بول و براز کا کرنے والا خدا کیا ہوتا خدائی کی شان کے لائق یہی حرکات ہیں؟ تو دیکھئے حاجت بول و براز کو کیسے لطیف پیرایہ میں اشارۃً ادا فرمایا صراحۃً ذکر نہیں کیا۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک عیسائی کے سامنے یہ مضمون پیش کیا تھا تو اس نے کہا کہ پیشاب پاخانہ کا نام نہ لو حضرت مسیح کے ذکر میں ایسی گندی باتیں لانا بے ادبی ہے مولانا نے کہا پیشاب پاخانہ کا نام بے ادبی ہے تو بول و براز سہی الفاظ کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جائے گی اس حقیقت کا وجود الوہیت کے منافی ہے۔ غرض پاخانہ میں بیٹھ کر اصلی حالت انسان کی کھل جاتی ہے اس وقت اپنے آپ کو

دیکھ کر سمجھ جاؤ کہ ہم کیا چیز ہیں جو شخص دن رات میں دو تین مرتبہ نجاست میں آلودہ ہوتا ہے تو وہ کیا بڑا ہوسکتا ہے صفائی ستھرائی بھی جو کچھ نظر آتی ہے وہ بھی حق تعالیٰ کی ایک کارسازی ہے کہ پانی جیسی ایک ایسی چیز پیدا کردی ہے جس سے گندگی کا ازالہ کرلیا جاتا ہے اگر پانی نہ ہوتو ہروقت سنے ہی رہیں اس وقت بڑائی معلوم ہواب تو یہ ہے کہ پاخانہ میں تھوڑی دیر رہنا پڑتا ہے سب سے علیحدہ ہوکر جو کچھ گت بن گئی پھر پانی سے صاف ہوکر آبیٹھے اگر نجاست دور کرنے کی کوئی ترکیب نہ ہوتی تو بدبو ہروقت آیا کرتی اس وقت یہ بات خوب پھبتی کہ جانتا نہیں کہ ہم کون ہیں اگر چہ اس زمانہ میں سنا رہنا ہی بعض لوگوں کے نزدیک معیوب نہیں جو لوگ فیشن کے دلدادہ ہیں ان کو دیکھ لیجئے۔

فیشن پرستی

فیشن ایک عجیب بلا ہے جو آدمی کو اندھا اور بہرا کردیتی ہے بعض لوگوں کو تو اس میں شغف ہے کہ دن بھر اور رات بھر ان کو فیشن بنانے سے فرصت نہیں ایک صاحب کو دیکھا کہ دن بھر فیشن ہی بناتے پاخانہ جانے کے کپڑے الگ تھے اور ملاقات کے کپڑے الگ تھے اور گھر میں بیٹھنے کے کپڑے الگ تھے کام پر جانے کی وردی عجیب تھی ان کو دیکھ کر مجھے بڑا رحم آتا کہ کس بیگار میں پکڑے ہوئے ہیں ایک واقعہ یہ ہوا کہ جہاں میرا قیام تھا اس کے سامنے ایک ایسے شخص بھی ٹھہرے ہوئے تھے مجھ سے وہ ان ہی قیود کی وجہ سے کئی دن تک نہ مل سکے میں بیٹھا بیٹھا یہ تماشہ دیکھا کرتا۔

صاحبو! یہ کیا تہذیب ہے اور یہ کیسی زندگی ہے تقلید نے ایسا اندھا کیوں کردیا ہمارے پاس کیا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سب کچھ سکھادیا افسوس ہے کہ اس کو چھوڑ کر ان خرافات میں پڑ گئے یہ لوگ اس قدر تو صاف ستھرے بنتے ہیں کہ پاخانہ جانے کے کپڑے الگ تک ہوتے ہیں لیکن ان کی صفائی کی حقیقت سنیئے کہ پاخانہ میں سے اخبار وخبار سے پونچھ کر آجاتے ہیں اول تو اس سے صفائی ایسی نہیں ہوتی جیسی ڈھیلے سے ہوسکتی ہے کیوں

کہ ڈھیلے میں قوت جاذبہ ہے اور کاغذ میں یہ بات نہیں ایک تو فیشن کی یہی غلطی لیجئے اگر بجائے کاغذ کے کپڑا ہی اختیار کرتے تب بھی کچھ عقل کی بات تھی کاغذ کا اختیار کرنا تو صریحًا بیوقوفی ہے کیوں کہ کاغذ سے نجاست کی صفائی نہیں ہوسکتی پھر طرہ یہ کہ اس کے بعد پانی سے استنجا کرتے نہیں ہاں یہ صفائی بہت ہے کہ نہاتے روزمرہ ہیں اب اس صفائی کی حقیقت دیکھئے اس نہانے سے نہ نہانا اچھا تھا کیوں کہ پہلے تو نجاست ایک ہی جگہ لگی ہوئی تھی اب سارا بدن اس میں سن گیا کیوں کہ یہ لوگ ٹپ میں بیٹھ کر نہاتے ہیں جس میں جسم سے پانی انفصال نہیں ہوتا اور مقام استنجا پہلے ہی سے دونوں جگہ سے ناپاک ہے تو ٹپ میں بیٹھتے ہی وہ نجاست ساری پانی میں پھیل جاتی ہے جس سے وہ پانی سب ناپاک ہوگیا اسی کو اٹھا کر بدن پر ڈالتے ہیں حتیٰ کہ منہ میں بھی اسی کو لیتے ہیں اور اس سے کلی کرتے ہیں اس کے تصور سے بھی گھن آتی ہے یہ آج کل کا تمدن اور تہذیب ہے اور اسی کا نام صفائی ہے اِنَّا لِلّٰہِ وِاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۔

بے حسی کی انتہا

خدا جانے حس کہاں گئی اگر کسی سے یوں کہہ دو کہ تم گوہ موت کھاتے ہو تو وہ لڑ پڑے اور فوجداری ہو جائے مگر کیا یہ گوہ موت کھانا نہیں ہے جب گوہ موت میں ملا ہوا پانی منہ میں چلا گیا تو گوہ موت کھانا اور کس کو کہتے ہیں افسوس پاخانہ میں بھی دوسروں کی تقلید کرتے ہیں اور تعجب یہ ہے کہ پوری تقلید بھی نہیں کیوں کہ وہ تو ان افعال کے کرنے میں اس بات کے پابند نہیں کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی کوئی کام کرنے لگیں اور تم اس کے پابند ہو پوری تقلید تو جب ہوتی ہے کہ تم بھی ان کی طرح آزاد ہوتے اور بدون کسی کے دیکھا دیکھی کے ایسا کرتے مگر ان لوگوں نے تو ایسی آنکھیں بند کر کے تقلید کی ہے کہ اس چیز کے کھانے پینے کی نوبت آگئی جس کے نام سے بھی آدمی گھنیاتا ہے نہا کر تولیے سے بدن پوچھتے ہیں اور اسی تولیہ سے کھانے کے بعد منہ پوچھتے ہیں۔ صاحبو تعجب ہے آپ کو گھن نہیں آتی دیکھنے میں تو

صفائی کی یہ حد ہے کہ چینی کے برتنوں میں پاخانہ پھرتے ہیں اور ڈھکا رہتا ہے تا کہ بدبو نہ پھیلے اور بدبو سے بھی نفرت ہے لیکن تعجب ہے کہ ٹپ میں نہاتے ہوئے جب نجاست پھیلتی ہے تو عین اس شئے سے آپ کو نفرت نہیں افسوس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ کر کن گندیوں میں جا پھنسے ذرا اُن صفائی کے طریقوں اور طریقہ سنت کو ملا کر تو دیکھئے اصل یہ ہے کہ سنت سے انحراف کی سزا یہی ہے کہ جس غرض سے انحراف کیا تھا یعنی صفائی وہ بھی نصیب نہ ہو بلکہ اس کی ضد یعنی گندگی میں پڑ جائیں بعض خدمت گاروں سے تحقیق ہوا کہ چونکہ یہ لوگ کاغذ سے استنجا کرتے ہیں جس میں قوت جاذبہ نہیں اس لئے ان کی پتلونوں میں پاخانہ سنا ملتا ہے افسوس فیشن ایبل لوگ عام طور سے اس میں مبتلا ہیں افسوس مسلمانوں نے سب چیزیں اپنے یہاں کی چھوڑ دیں اور دوسروں کی اختیار کرلیں اور ہیں مسلمان اگر اسی کا نام اسلام ہے تو یہ وہ اسلام ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے قُل بِئسَمَا یَأمُرُکُم بِہِ ایمانکم اِن کُنتُم مئومِنِینَ (آپ فرما دیجئے کہ یہ افعال بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے اگر تم اب بھی اہل ایمان ہو) کیوں صاحبو! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یہی اسلام تھا (نعوذ باللہ) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی معاشرت تعلیم کی تھی۔ اسلام نے تو اس کی جڑ کاٹ دی تھی اور وہ کبر ہے اس تقلید کی اصل یہی ہے کہ بڑا بننے کے لئے بڑوں کی معاشرت ہر کام میں اختیار کی جاتی ہے محض ان کی ریس کرتے ہیں حتیٰ کہ ہگتے اور موتتے بھی ہیں ان ہی کی طرح تا کہ جیسے وہ بڑے ہیں یہ بھی بڑے کہلائیں اور شریعت اسلامی میں بڑا بننے کی گنجائش ہی نہیں شرعی اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ کبر اور ایمان گویا دو متضاد چیزیں ہیں جب اس تقلید متکبرین شریعت نے جڑ ہی کاٹ دی ہے جس پر یہ سب متفرع ہیں پھر ہم کو فرداً فرداً ایک ایک فرع پر کلام کرنا بے کار ہے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ معاشرت کی تبدیلی درحقیقت اسلام سے کس قدر دور ہے اور یہ درحقیقت اس چیز کا شعبہ ہے جو اسلام اور ایمان کے یا مقابل ہے یعنی کبر یہ ام الامراض ایسا عام ہوا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گروہ بھی اس سے خالی نہیں گو بعض آحاد خالی ہوں یہ وہ مرض ہے کہ تمام

بڑے چھوٹے امراض اسی کے بچے ہیں۔

غصہ اور اس کے مضرات

اسی کبر سے غصہ پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ آدمی ہوش میں نہیں رہتا اور وہ مرض جو دل میں ہے زبان پر آجاتا ہے جیسا کہ اس شخص نے کہا تھا کہ جانتا نہیں کہ ہم کون ہیں دیکھئے بعض وقت وہ مرض اتنا بڑھ جاتا ہے کہ دل میں سما نہیں سکتا اور ابل کر زبان تک نوبت آجاتی ہے یہ بات اس شخص نے ضرور کبر سے کہی ہوگی کیوں کہ ایسے شخص سے کہی جس کو اپنے آپ سے چھوٹا سمجھا کوئی یہ نہ سمجھے کہ غصہ میں ہوش نہیں رہا تھا اور یہ بات بے ہوشی کے اندر منہ سے نکل گئی کیوں کہ اگر وہ مخاطب کو بڑا سمجھتا تو کبھی یہ بات منہ سے نہ نکلتی مشہور ہے کہ غصہ عقلمند ہے چھوٹے پر ہی آتا ہے اور یہ واقعی بات ہے حضرت بڑے کی بات پر ناگواری تو ہو سکتی ہے جب کہ اس سے کوئی بات اپنے خلاف مزاج دیکھیں مگر جوش انتقام جو غضب کی تعریف میں داخل ہے وہ چھوٹے ہی پر آتا ہے بڑے کے مقابلہ میں جو ناگواری ہوتی ہے اس کا نام حزن اور صدمہ ہے باقی غصہ جب آتا ہے اسی پر آتا ہے جس کو اپنے سے چھوٹا سمجھے اور جب کسی کو اپنے سے کم سمجھا تو اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھا اسی کا نام کبر ہے غرض غصہ کبر ہی سے ہوتا ہے نتائج اس کے یہ ہیں اگر ہم میں قدرت انتقام ہے تو بلا انتقام لئے دل ٹھنڈا نہیں ہوتا اور اکثر حالتوں میں ظلم ہو جاتا ہے سزا بہ مقدار عمل پر بس نہیں ہوتی اور اس وقت نفس یہ توجیہ کرتا ہے کہ قصور تو اسی کا ہے ہم تو برائی کے مقابلہ میں برائی کرتے ہیں اس میں کیا حرج ہے خود قرآن میں موجود ہے وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ (برائی کا بدلہ برائی ہے) حالانکہ یہ محض نفس کی تسویل ہے قرآن میں وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ کے ساتھ مِثْلُهَا (اس کی مثل) کی قید بھی ہے کہ اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے جتنی زیادتی اس نے کی ہو اب بتلایئے کہ کیا کوئی ایسا مستقل مزاج ہے جو غصہ میں اتنا ہوش رکھے کہ اس نے اتنی برائی کی ہے اور میں اتنا بدلہ لوں اول تو اسے سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے کہ دوسرے کی طرف سے زیادتی ہے یا

نہیں، غصہ کے وقت دوسرے کی بھلائی بھی برائی معلوم ہونے لگتی ہے پھر اس کی مقدار کا اندازہ رکھنا گو امکانِ عقلی کے درجہ میں تو ہے لیکن امکان عادی سے یقیناً خارج ہے غصہ میں یہ کسی کو ہوش نہیں رہتا کہ کتنی زیادتی ہم پر کی گئی ہے اور ہم جو سزا دیتے ہیں وہ اس کے برابر ہی ہوگی اور اگر واقعی اس میں غلطی نہ کی گئی ہو اور دوسرے نے واقعی زیادتی کی ہو اور صاحب غضب کو اتنی قدرت بھی ہو کہ غصہ سے مغلوب نہ ہو جائے اور سزا بقدر عمل پر بس کرنے کی پوری طاقت ہو تب قرآن شریف کا حکم یہ ہے کہ برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی کے ساتھ لینا جائز ہے اور یہ فتویٰ بھی ہمارے ضعف کی وجہ سے ہے۔

عفو ودرگذر

ورنہ عزیمت تو یہ ہے جو اس کے آگے مذکور ہے فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (پس جس نے معاف کر دیا اور درگذر کی پس اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے) یعنی اعلیٰ درجہ اس وقت بھی یہی ہے کہ درگذر کرے اور اس کو مؤکد کیا ہے اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (اللہ تعالیٰ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) سے گویا تحدید کر دی کہ بدلہ لو تو اس کا اہتمام کر کے لینا کہ ذرا بھی زیادتی نہ ہونے پائے اگر انتقام میں زیادتی ہوئی تو تم بھی ظالم ہوگے اور ظالم حق تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو سننے کے بعد جس کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت ہے وہ ڈر ہی جائے گا اور رخصت پر عمل کرنے کی اسے جرأت ہی نہ ہو گی۔ ایسا نہ ہو کچھ میری طرف سے زیادتی ہو جاوے اور میں محبوب حقیقی کے نظروں سے گر جاؤں بہت مشکل ہے کہ غصہ میں آدمی قابو میں رہے۔ اب سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (برائی اس کی مثل) کی صورت صرف یہی ہے جو اس حکایت میں ہے ایک بزرگ سے ان کے مرید نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ بزرگوں کے شیون مختلف ہوتے ہیں میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں انہوں نے کہا کہ فلاں مسجد میں جاؤ وہاں تین بزرگ مشغول بیٹھے ہیں ایک ایک دھول سب کے مارو اس نے ایسا ہی کیا ایک صاحب کے جو دھول ماری تو وہ اٹھے اور اس کا بھی ہاتھ پکڑ

کے ایک دھول اسی طرح ماردی اور زبان سے کچھ نہ کہا اور جا کر بدستور ذکر میں مشغول ہو گئے یہ ہے مثلھا ایک بات بطور جملہ معترضہ یہ بھی بیان کئے دیتا ہوں کہ یہ ان کا بدلہ لینا اس وجہ سے نہ تھا کہ ان سے ضبط نہ ہوا اور انہوں نے رخصت پر عمل کیا اور عزیمت کو چھوڑ دیا کیوں کہ کاملین کو ضبط نفس پر کامل قدرت ہوتی ہے اور ان سب حضرات کا کامل ہونا ایک شیخ طریقت کی شہادت سے معلوم ہو چکا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ بعض دفعہ بدلہ لے لینا ہی مصلحت ہوتا ہے کیوں کہ بدلہ نہ لینے کی صورت میں دل میں غبار رہ جاتا ہے اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ نہایت ذمیم خلق ہے جس سے اولیاء اللہ بہت ڈرتے ہیں اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ بدلہ نہ لیں تو حق تعالیٰ بدلہ لیتے ہیں اور جب حق تعالیٰ بدلہ لیں گے تو اچھی طرح لیں گے۔ تو وہ حضرات شفقت کرتے ہیں کہ خود بدلہ لے لیتے ہیں۔ اور اس شخص کو خدا تعالیٰ کے غصہ سے بچاتے ہیں۔ یہ مصلحت ہے بعض بزرگوں کے بدلہ لے لینے میں جو میں نے بطور جملہ معترضہ بیان کر دی دوسرے بزرگ کے جو دھول ماری تو انہوں نے اس طرف دیکھا بھی نہیں ان کی نظر اس پر تھی کہ ہر چہ از دوست میرسد نیکوست۔ تیسرے صاحب کو جو دھول ماری تو انہوں نے یہ کیا کہ اٹھ کر اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا اور سہلانے لگا اور دم کیا کہ بھائی تمہارے ہاتھ میں چوٹ تو نہیں لگی وہ اس شان کے تھے۔ یہ بزرگوں کے شیون ہیں جن میں مثلھا کی صورت میں وہ ہے جو پہلے صاحب نے کیا ہم جیسوں کے ساتھ یہ بات پیش آوے تو بدون چار پانچ لگاتے کب مانیں پھر اگر اپنے برابر کے ساتھ ایسا کیا جاوے کہ مثلھا پر اکتفا نہ کی جاوے بلکہ جوش ختم ہونے تک برابر مارے جائیں تب بھی خیر ہے کیوں کہ وہ بھی کچھ بدلہ ضرور لے گا، تو کچھ ادھر کی زیادتی رہے گی اور کچھ ادھر کی۔

بچوں پر ظلم

غضب تو یہ ہے کہ بعض دفعہ چھوٹوں پر بھی بری طرح غصہ کیا جاتا ہے اور وہ بالکل بے بس ہوتے ہیں ان کی طرف سے کچھ بھی بدلہ نہیں ہوسکتا بچوں پر جو ظلم ماں باپ سے یا

میانجی صاحباں سے ہوتا ہے وہ اسی قبیل سے ہے بعضے ماں باپ ایسے قصائی ہوتے ہیں کہ بچوں کو اس طرح مارتے ہیں جیسے کوئی جانوروں کو مارتا ہے بلکہ جیسے کوئی چھت کوٹتا ہو اور جو کوئی کہے تو کہتے ہیں ہمیں اختیار ہے ہم اس کے باپ ہیں یاد رکھئے باپ ہونے سے ملک رقبہ حاصل نہیں ہوتی ورنہ یہ بھی ہوتا کہ باپ بیٹے کو بیچ لیا کرتا باپ کا رتبہ حق تعالیٰ نے بڑا بنایا ہے نہ اس واسطے کہ چھوٹے اس کی ملک ہوں اور اس سے چھوٹوں کو تکلیف پہنچے بلکہ اس واسطے کہ چھوٹوں کی پرورش کرے اور ان کو آرام دے ہاں کبھی اس آرام دینے ہی کی ضرورت سے سزا اور تادیب کی حاجت بھی پڑتی ہے اس کی اجازت ہے اور اَلضَّرُوْرِیُّ یَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَۃِ (ضروری بقدر ضرورت ہی ضروری ہوتا ہے) کے قاعدہ سے اتنی ہی تادیب کی اجازت ہوسکتی ہے جو پرورش اور تربیت میں معین ہو نہ اتنی جو درجہ ایلام تک پہنچ جائے اور ماں باپ سے ایسی زیادتی قطع نظر گناہ ہونے کے انسانیت اور فطرت کے بھی خلاف ہے ماں باپ کو تو حق تعالیٰ نے محض رحمت بنایا ہے ان سے ایسی زیادتی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص انسانیت سے بھی خارج ہے اور میانجی صاحبوں کی تو کچھ پوچھئے ہی نہیں، انہوں نے تو ایک مثل یاد کرالی ہے کہ ہڈی ماں باپ کی اور چمڑی استاذ کی نہ معلوم یہ کوئی قرآن کی آیت ہے یا حدیث ہے یا فقہ میں کہیں لکھا ہے اور لطف یہ ہے کہ بعض دفعہ غصہ تو آتا ہے بیوی پر کیوں کہ گھر میں لڑائی ہوئی تھی اب بیوی پر تو کوئی بس چلا نہیں وہ غصہ باہر بچوں پر اترتا ہے یہ تو عیسائیوں کا کفارہ ہوگیا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی میانجی صاحبان یاد رکھیں کہ قیامت کے دن اس کا دینا ہوگا یہاں بچوں کی چمڑی آپ کی ہے وہاں آپ کی چمڑی بچوں کی ہوگی کیا تماشہ ہوگا کہ وہ بچے جوان کے محکوم تھے علی رؤس الخلائق ان کو پیٹ رہے ہوں گے قطع نظر اس سے ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ زیادہ مارنا تعلیم کے لئے بھی مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ بچے کے قویٰ کمزور ہوجاتے ہیں دوسرے یہ کہ ڈر کے مارے سارا پڑھا لکھا بھی بھول جاتا ہے۔ تیسرے جب بچہ پٹتے پٹتے عادی ہوجاتا ہے تو بے حیا بن جاتا ہے پھر پٹنے سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا اس وقت یہ

مرض لا علاج ہو جاتا ہے اور ساری عمر کے لئے ایک خلق ذمیم یعنی بے حیائی اس کی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہے۔ الغرض غصہ میں کبھی تو ظلم ہوتا ہے جب کہ انتقام کی قدرت ہو اور جب انتقام کی قدرت نہ ہو تو کینہ پیدا ہوتا ہے اس سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں مثلاً حسد پیدا ہوتا ہے پھر اس سے ایذا رسانی کی فکر ہوتی ہے پھر مکر وفریب کی عادت پڑ جاتی ہے یہ سب امراض ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور یہ سب اولاد ہے اسی ایک مرض کی جس کا نام کبر ہے اب تو آپ کو اس کی برائیاں معلوم ہو گئی ہوں گی۔

تکبر کی صورتیں:

سب سے بڑھ کر بات تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی برائی جا بجا بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں اِنَّ اللہ لَا یُحِبُّ کُل مُختَالٍ فخُورٍ (اللہ تعالیٰ تکبر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے) اور اَنَّہٗ لایحب المتکبرین (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں) یہ تین صیغے ہیں مُختَالَ اور فَخُور اور مُستَکبِرِین اور تینوں کی نسبت لَایُحِبُّ (نہیں پسند کرتے) کا لفظ ہے کیا یہ جامع کلام ہے ان تین لفظوں کی شرح یہ ہے کہ کبر کے آثار کبھی تو ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی تہذیب کی وجہ سے دل میں رہتے ہیں تو یہ متکبر ہیں کیوں کہ استکبار کے معنی ہیں بڑا سمجھنا اور یہ دل سے ہوتا ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰـــہَ لَایُحِبُّ الْمُستَکبِرِینَ یعنی جن لوگوں کے دل میں تکبر ہے خواہ وہ ظاہر نہ ہو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ بھی مبغوض ہیں اور کبھی تہذیب کم ہوئی تو کبر کا اثر ظاہر بھی ہو جاتا ہے، مثلاً کوئی آدمی فیشن بناتا اور طرح طرح کی وضع اختیار کرتا ہے جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے لایحب کل مختال ایسا آدمی بعض دفعہ اس دھوکے میں رہتا ہے کہ مجھ میں تکبر نہیں ہے کیوں کہ ان لوگوں نے اسی کا نام تکبر رکھا ہے کہ زبان سے بڑائی کا کلمہ کہا جائے حالانکہ یہ فیشن اور وضع بنانا سب تکبر ہی ہے۔ زبان سے نہ سہی مگر ان کی ہر ہر ادا سے تکبر ٹپکتا ہے بعضوں کی چال تو فیشن میں آکر بالکل ایسی ہو

جاتی ہے جیسے لقا کبوتر اپنی دُم سنبھال سنبھال کر حرکت کرتا ہے ویسی ہی چال یہ لوگ چلتے ہیں کہ قدم قدم پر دیکھتے جاتے ہیں کہ کہیں سے فیشن تو نہیں بگڑ گیا۔ غرض کہ ان افعال کا کرنے والا گو خود ان کو تکبر نہ سمجھے لیکن واقع میں ہیں سب تکبر ہی اور ان کے تکبر ہونے کو کیسا ہی چھپاوے مگر اہل فہم کو معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ سب مختال کے اندر داخل ہیں اور بعضوں کی زبان سے بھی تکبر کے کلمات نکلنے لگتے ہیں، ان کو فخور فرمایا۔ پس مختال تو وہ ہے جس کے دل میں تکبر ہو اور افعال سے بھی ظاہر ہو مگر اقوال سے ظاہر نہ ہو۔ اور فخور وہ ہے جس کی زبان سے بھی ظاہر ہونے لگے۔ تو تین مرتبہ ہوئے ایک متکبرین ایک مختال اور ایک فخور تینوں کے واسطے لفظ لَا یُحِب فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ تکبر کا ظہور ہو یا نہ ہو یعنی زبان سے تکبر ہو یا قلب سے افعال سے سب کو اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُختار فخور (اللہ تعالیٰ متکبر فخر کرنے والے کو محبوب نہیں رکھتے) اور ان اللّٰہ لا یحب الْمُسْتَکْبِرِیْن (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) سے منع فرما دیا۔ ان میں سے ایک درجہ کی بھی اجازت نہیں دی اب یہ سمجھئے کہ اس مقام پر اس پر کسی عذاب کی وعید نہیں فرمائی، صرف لَا یُحِب (نہیں پسند کرتے ہیں) فرما دیا ہے۔ سو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ اس آیت میں نہ سہی دوسری آیتوں میں تکبر پر عذاب کی وعید بھی موجود ہے مثلاً اَلَیْسَ فِی جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ (کیا غرور کرنیوالوں کا دوزخ میں ٹھکانہ نہیں ہے) دوسرے یہ کہ یہ وعید کیا تھوڑی وعید ہے کہ لَا یُحِبُّ فرمایا یہ تھوڑی بات ہے کہ حق تعالیٰ کو ناپسند ہو غور سے دیکھئے تو وعید کی اصل یہی ہے کیوں کہ وعید اسی پر ہوتی ہے، جو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو مرضی کے خلاف ہونا کسی کام کا اور ناپسند ہونا ایک ہی بات تو ہے پس لَا یُحِبُّ اصل ہوگئی وعید کی بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو دشمنی ہے اس شخص سے جو متکبر ہے یا مختال ہے یا فخور ہے کیوں کہ محبت گو لغت کے اعتبار سے عداوت کی ضد ہے نقیض نہیں لیکن محاورات میں جس پر اطلاقات قرآنیہ مبنی ہیں وہ عداوت کی نقیض ہے لَا یُحِبُّ میں محبت کی نفی کر کے اس کی نقیض کا اثبات ہے تو یہ کہنا کہاں صحیح رہا کہ اس پر کوئی وعید نہیں آئی کیا عداوت کا

اثبات وعید نہیں بلکہ یہ تو وعیدوں کا اصل الاصول ہے اگر کسی ایک معین عذاب کی وعید ہوتی وہ وعید کا ایک فرد خاص ہوتا اور اس میں تو کسی فرد کو عذاب کی خصوصیت نہیں رہی بلکہ وہ وعید فرمائی جو جڑ ہے تمام وعیدوں کی یعنی عداوت تو اس سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ اس کی جزاء میں کسی فرد عذاب کی خصوصیت نہیں ہر قسم کا عذاب بلکہ بڑے سے بڑا عذاب اس جرم پر ہو سکتا ہے۔

حب اور بغض

رہی یہ بات کہ لَا یُحِبُّ سے اگر عداوت کا ثابت کرنا مقصود ہے تو پھر بجائے لا یحب کے یَبْغِضُ (بغض رکھتے ہیں) کیوں نہ فرما دیا، تا کہ تصریح ہو جاتی سو اس میں ایک نکتہ ہے جو اسی وقت قلب پر وارد ہوا کہ جو زیادہ تر طالب علموں کے کام کا ہے اور اگر سمجھ میں آ جائے تو سب کے کام کا بھی ہے بات یہ ہے کہ افعال کے تین مرتبہ ہیں ایک محبوب ایک غیر محبوب گو مبغوض بھی نہ ہو، ایک مبغوض یعنی ایک تو کسی کام کا پسند ہونا اور ایک ناپسند ہونا گو نا گوار بھی نہ ہو اور ایک ناگوار ہونا ظاہر ہے کہ تکبر قسم اول کا عمل تو ہے نہیں یعنی محبوب قسمیں اخیرین میں سے کسی ایک قسم کا عمل ہے اور دوسری آیتوں اور نیز حدیثوں پر نظر کرنے کے بعد یہ ظاہر ہے کہ قسم اخیر ہی کا عمل ہے یعنی مبغوض ہے اس لئے کوئی طالب علم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس جگہ لا یحب کے یبغض ہونا چاہیے تھا۔ سو اتنا تو مفسرین نے بھی لکھا ہے کہ بناء علی المحاورات مراد لا یحب سے بغیض ہے مگر یہ کہ اس میں نکتہ کیا ہے سیدھا لفظ یبغض ہی کیوں نہ لایا گیا۔ یہ کہیں نظر سے نہیں گذرا وہ نکتہ اس وقت سمجھ میں آیا جس کو وہ شخص سمجھ سکتا ہے، جو مذاق محبت رکھتا ہو دوسرا کوئی سمجھ نہیں سکتا اور مرتبہ علم میں کوئی سمجھ بھی لے تو اس کو حظ نہیں آ سکتا اس کا پورا حظ وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دل میں محبت کی آگ لگی ہوئی ہو، اس ہلکے لفظ کو اختیار کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ مبغوض ہونا تو بڑی بات ہے عاشق کے لئے تو لَا یُحِبُّ کا لفظ بھی مر جانے کی بات ہے، ہائے وہ بندہ کیسے

زندگی بسر کرتا ہے جس سے خدا تعالٰی کو محبت نہیں، واللہ مر جانے کی بات ہے، دنیا میں آدمی حکام کی اور محبوبین کی نظروں میں محبوب ہونے کے لئے کیا کچھ مصیبتیں اٹھاتا ہے، دیکھئے سپاہی بادشاہ کے حکم سے جانبازی کرتے ہیں اور سر کٹواتے ہیں، صرف اس امید پر کہ بادشاہ ہم سے خوش رہے کسی نمک حلال نوکر کو جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ آقا کو مجھ سے آج کل ہمدردی اور محبت نہیں ہے تو کیسا قلق ہوتا ہے۔ خاص کر اس نوکر کو جس سے آقا کو پہلے محبت رہی ہو۔ اس کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب مجھ سے محبت کچھ کم ہو گئی تو دیکھئے اس پر کیا گذرتی ہے حالانکہ اس سے یہ تھوڑا ہی ثابت ہو گیا ہے کہ مجھ سے آقا کو دشمنی ہو گئی ہے۔ بلکہ صرف اسی مرتبہ کی نوبت آئی ہے جس کے واسطے لفظ لا یحب بولا جاتا ہے مگر یہی درجہ اس کی پریشانی کے لئے کافی ہے تو ایسے شخص کو اگر آقا کسی فعل سے منع کرنا چاہتا ہے تو ایسا لفظ نہیں اختیار کرنا چاہتا جو بغض کا مرادف ہو بلکہ یہی لفظ انتہائی لقط ہے کہ ہم کو یہ کام پسند نہیں اور انتہائی اس واسطے کہ اکثر تو ایسے نوکر کے لئے جس سے محبت کا برتاؤ رہا ہو۔ اس لقط کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ کسی لفظ کی بھی ضرورت نہیں صرف آقا کی نظر کا پھرا ہوا ہونا کافی ہوتا ہے اسی سے اس کا دم فنا ہو جاتا ہے یہ واقعات دن رات نظروں میں ہیں۔ دیکھئے ایک پیش کار ایسا ہو جس سے کلکٹر کو کسی قدر انس ہو وہ اگر ایک دن اجلاس میں صرف اتنی بات نئی دیکھے کہ آج کلکٹر صاحب نے انس سے بات نہیں کی تو سہم کر رہ جاتا ہے۔ اور احباب میں کہتا پھرتا ہے کہ آج صاحب کی نظریں کچھ پھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ خدا خیر کرے معلوم نہیں کیا بات خلاف طبع ہوئی۔ اس صورت میں اگر کلکٹر صاحب زبان سے کہہ دیں کہ ہم کو تمہارا فعل پسند نہیں پھر تو کیا کہنا مر ہی تو جاوے گا۔ اور کبھی بھی اس کام کے پاس نہیں جائے گا اور یہ لفظ کہ ہم کو تمہارا افلانا کام پسند نہیں لا یُحِبُّ ہی کا تو ترجمہ ہے جو حقیقت لغویہ کے اعتبار سے بغض سے کم مرتبہ کا لفظ ہے مگر یہ اتنا اثر کیوں رکھتا ہے بات یہی ہے کہ جس کو تعلق ہے اس کے لئے تو یہی لفظ سب کچھ ہے اور تعلق نہ ہو تو کوئی لفظ بھی موثر نہیں۔ یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ باتیں تو بڑے لوگوں کی ہیں، جن کے دل میں

خدا تعالیٰ کی محبت ہے ان کے واسطے تو یہ لفظ بیشک ایسا ہی ہے مگر ہم جیسے عوام کو اس لفظ سے کیا اثر ہو سکتا ہے۔

اللہ کی محبت

میں کہتا ہوں کہ بندہ کی غذا خواہ کسی قسم کا بندہ ہو، خدا تعالیٰ کی محبت ہے خواہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف لے جاوے، یعنی حق تعالیٰ کا بندہ کے ساتھ محبت کرنا، خواہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف لے جاوے یعنی بندہ کا حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنا دونوں بندہ کی غذائیں ہیں اور ان میں بھی اصل اول ہی ہے اور ثانی اس پر مرتب، کیوں کہ غور سے معلوم ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ بندہ کا محبت کرنا بعد میں ہے اس کے پہلے ہی درجہ ہے کہ اس کے ساتھ محبت ہوئی دیکھ لیجئے صاف موجود ہے وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَن یَّشَاءَ اللّٰهُ (اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں) یہ ثبوت تو آیت سے ہے کہ مشیت حق مقدم ہے مشیت عبد پر اور مشیت عبد میں مشیت محبت بھی داخل ہے وہ بھی موقوف ہوگی مشیت حق پر پس اول حق تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ عبد مجھ سے محبت کرے اور حق تعالیٰ کا عبد کے ساتھ اس کی خیر کا ارادہ کرنا یہی محبت ہے حق تعالیٰ کی عبد کے ساتھ۔ میں ایک ثبوت اور دیتا ہوں اس بات کا کہ بندہ کو خدا تعالیٰ سے محبت ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اول حق تعالیٰ کو اس کے ساتھ محبت ہو وہ ثبوت یہ ہے کہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور معرفت تامہ خدا تعالیٰ کی ہو نہیں سکتی کیوں کہ نہ خدا کو کسی نے دیکھا نہ خدا کے نمونہ کو کیوں کہ نمونہ ہے ہی نہیں وَلَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (کوئی شئے اس کی مثل نہیں ہے) مگر بایں ہمہ بہت آثار سے پتہ چلتا ہے کہ محبت عبد بالحق کا وجود ضرور ہے۔ ایک ادنیٰ سا نمازی مسلمان لیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ تجھے ایک لاکھ روپیہ دیں گے ذرا ایک وقت کی نماز چھوڑ دے تو ہرگز منظور نہ کریگا۔ اس سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں لاکھ روپے سے زیادہ ہے ورنہ لاکھ روپیہ کیوں چھوڑتا کوئی شاید یہ کہے کہ صلحاء مسلمین میں تو یہ بات ہے کہ جو نماز و

دیگر عبادات کے پابند ہیں لیکن جو نماز ہی نہیں پڑھتے ان کی حالت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو محبت حق تعالیٰ کی ہوا بھی نہیں لگی کیوں کہ لاکھ روپے تو دور ہے وہ تو بلا کسی لالچ کے ہی نماز چھوڑے بیٹھے ہیں میں کہتا ہوں ان میں بھی محبت کی ایسی ہے جیسے نماز پڑھنے والوں میں صرف ظہور میں فرق ہے ترک نماز کی عادت نے نماز سے غافل بنا دیا۔ اس لئے نماز کے معاملہ میں تو ان سے محبت کا ظہور نہیں ہوتا مگر اس سے زیادہ کسی دوسرے موقع پر اس کا ظہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً دین کے لئے جان دینے کا موقع آن پڑے تو چاہے مسلمان کیسا ہی بے نمازی اور فاسق اور فاجر کیوں نہ ہو ہرگز تامل نہ کرے گا وہاں تو لاکھ روپیہ تھے یہاں تو جان کی پرواہ نہیں۔ بلکہ بعض واقعات سے تو اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نماز روزہ کرنے والوں سے زیادہ عام مسلمانوں نے جانبازی کی ہے یہ تو سوچنے ہی میں رہے، کہ جان دینا چاہیئے یا نہیں اور انہیں کچھ پرواہ نہیں ہوئی۔ اندھے باؤلے ہو کر کود پڑے۔ نیز ہر شخص کو اپنی اولاد اور بیوی سے کیسی محبت ہوتی ہے لیکن اگر ان میں کوئی خدا اور رسول کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہہ دے تو فاسق سے فاسق مسلمان کو بھی تاب نہیں رہتی اور وہ اپنی اولاد کی گردن اتارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ غرض ان سب حالات کے دیکھنے سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ مسلمان کو حق تعالیٰ کے ساتھ ضرور محبت ہے اور معمولی محبت نہیں بلکہ شدید محبت ہے جو بیوی بچوں سے کہیں زیادہ ہے جس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب کوئی خدا کی شان میں کچھ کہہ دے اس وقت مسلمان کو بچوں کی بھی پرواہ نہیں ہوتی سو اتنی محبت بلا دیکھے اور بلا نمونہ دیکھے اور بلا آواز سنے کیوں کر ہوئی یہ تو ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی نے دیکھا نہیں اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ نمونہ بھی نہیں دیکھا کیوں کہ خدا تعالیٰ کا نمونہ ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ حق تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ تصور میں بھی نہیں آ سکتا جیسا کہ وحی سے بتایا گیا ہے حتیٰ کہ ملحد نے کہا تھا کہ مسلمان جیسا خدا کو مانتے ہیں وہ تو نہ ماننے کے حکم میں ہے کیوں کہ جب اس کا کوئی نظیر ہی نہیں تو اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کیوں کہ تصور نظیر ہی پر موقوف ہے اور جس کا

تصور نہ ہوسکے اس کا ماننا ہی کیا ہے۔ ہائے وہ الو کیا جانے خدا کیا چیز ہے یہ کیا ضرور ہے کہ جس کی نظیر نہ ہو اس کا وجود بھی نہ مانا جائے۔ آفتاب کی نظیر کون سی ہے کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ کسی جگہ دوسرا آفتاب بھی ہے یا کسی نے دیکھا ہے یا کسی زمانہ میں ہوا تھا، اسی طرح جس بات کو دلیل ثابت کرتی ہے اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ ہم نے دیکھا ہی نہیں اس لئے نہیں مانتے البتہ اگر اس پر اعتراض کرنا ہی ہے تو اس طرح کرو کہ دلیل کے کسی مقدمہ کو باطل کرو اور اگر مقدمات باطل نہ ہوسکیں تو نتیجہ کا ثبوت یقینی ہے۔ خیر اس وقت اس ملحد کا جواب دینا مقصود نہیں۔ اس واسطے کلام کو کیوں طول دیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ مَا خَطَرَ بِبَالِكَ فَهُوَ هَالِكٌ اللّٰهُ اَعْلٰى مِنْ ذٰلِكَ (ہر وہ وسوسہ جو تمہارے دل میں گذرتا ہے فنا ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہیں)

اسی کا ترجمہ یہ ہے:

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم
وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ہم

(اے اللہ آپ ہمارے خیال وقیاس گمان وہم سے برتر ہیں اور اس سے بھی جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اور سنا ہے۔)

مجلس تمام گشت وبپایاں رسید عمر
ماہمچناں و دراول و صف تو ماندہ ایم

(دفتر ختم ہوگیا اور عمر آخر کو پہنچی ہم ایسے ہی تیرے وصف اول کے بیان میں ہیں)

اور دوسرا ایک شعر ہے ۔

قلم بشکن سیاہی ریز وکاغذ سوز ودم روکش
حسن ایں قصہ عشق ست ودفتر نمیگنجد

(قلم توڑ سیاہی کو پھینک کاغذ کو جلا اور خاموش رہ، اے حسن یہ عشق کا قصہ ہے دفتر میں

نہیں سما سکتا۔)

ایسی شان ہے حق تعالیٰ کی پھر جو چیز خیال میں بھی نہ آوے اس کی محبت کیسے ہو سکتی ہے حتیٰ کہ بعض اہل ظاہر نے تو کہہ دیا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت بالمعنی الحقیقی نہیں ہو سکتی بس ارادہ طاعت ہی محبت ہے اس لئے مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ ارادہ عقلی سے عبادت کئے جائیں۔ اس پر امام غزالیؒ بہت خفا ہو کر کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی مثال عنین کی سی ہے جو کہتا ہے کہ عورت میں کچھ لذت نہیں۔ سو جب کہ واقعات اور آثار اس بات کے شاہد ہیں کہ قلوب میں محبت خداوندی موجود ہے پھر اس کا کیسے انکار کر دیا جائے آخر ہم جو ایک انسان کی نسبت حکم لگا دیتے ہیں اس کو کسی انسان سے یا کسی چیز سے محبت ہے تو یہ حکم کیسے لگا دیتے ہیں۔ کہ محبت ایک قلبی شئے ہے اس کے باوجود حکم لگا دینا صرف آثار ہی دیکھ کر تو ہوتا ہے۔ پھر جب محبت خداوندی کے آثار موجود ہیں اور ایسے آثار موجود ہیں جو کسی دوسری چیز کی محبت میں نہیں ہو سکتے تو وجود محبت خداوندی کا حکم لگانا غلط کیسے ہو سکتا ہے اور اگر یہ غلط ہے تو حیوانات اور انسانوں میں باہمی محبت کا حکم لگانا بھی غلط ہے کیوں کہ اس کا مبنیٰ بھی آثار ہی ہیں۔ کسی نے دل چیر کر تو دیکھا ہی نہیں۔ اگر دھوپ دیکھ کر کوئی حکم لگا دے کہ آفتاب نکل آیا ہے تو اس کی تغلیط کیسے کی جا سکتی ہے یہ تو بداہت بلکہ حس کا انکار ہے اسی طرح محبت خداوندی کا وجود اہل اللہ میں تو اس طرح پایا گیا ہے کہ ان میں تو اس کے آثار تھے ہی بعض دفعہ ان سے متعدی ہو کر آس پاس تک کو گھیر لیا ہے۔

اثر محبت

حضرت سمنون مُحب کا قصہ ہے کہ یہ کچھ محبت کا بیان کر رہے تھے، کہ ایک چڑیا ان کے قریب آ بیٹھی اور تھوڑی دیر کے بعد ان کی گود میں آ بیٹھی اور تڑپنے لگی، اور مر گئی۔ دیکھئے کس درجہ محبت کا اثر ہے اب جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ بتائیں کہ کاہے کا اثر تھا۔ جس نے جانوروں میں بھی آگ لگا دی۔ وہ انسان میں آگ لگا دے تو کیا بعید ہے۔ غرض اس کا

انکار بالکل مکابرہ ہے ضرور اس کا وجود ہے اور ہر شخص میں ہے پھر اس کا ایک درجہ تو فطرۃً ہر چیز میں موجود ہے مگر انسان اس کا مکلّف ہے کہ اس درجہ کو حاصل کرے جو اس کے اختیار پر رکھا گیا ہے۔ جو لوگ اس سے محروم ہیں کیسے ہی متقی ہوں ان کا تقویٰ ذرا سی بات میں ٹوٹ جاتا ہے بخلاف اہل محبت حضرات کے کہ ان کا تقویٰ بہت مستحکم ہوتا ہے کیوں کہ محبت کا اثر سے اعمال ان کی عادت بن جاتے ہیں۔ پھر عادت سے طبیعت ثانیہ اور اس سے روح بن جاتے ہیں۔ اور جن میں یہ نہیں وہ جہاں رہ گئے وہاں رہ گئے محبت کے ساتھ خدا کا رستہ قریب ہے اور بلا اس کے بہت بعید ہے اسی واسطے عراقی کہتے ہیں ۔

ضمارہ قلندر سزوار بمن نمائی   کہ دراز و دور دیدم رہ رسم پارسائی

(مجھ کو تو طریق عشق میں چلایئے نراز ہد خشک تو بہت دور دراز کا راستہ ہے)

بلا محبت کے بڑے بڑے مجاہدوں سے بھی کبھی تو ایک ضعیف سا اثر ہو جاتا ہے جیسا کہ ادنیٰ درجہ کی محبت والے کو بلا مجاہدہ کے ہوتا ہے اور کبھی اتنا بھی نہیں ہوتا بلکہ ساری عمر اعمال ناقص ہی ادا ہوتے ہیں اس کی نسبت کہا گیا ہے ۔

بزمین چو سجدہ کردم زرمین ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

(جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی تو نے سجدہ ریا کا کر کے مجھ کو بھی خراب کیا)

بہ طواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند   تو برونِ درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

(خانہ کعبہ کے طواف کے لئے گیا تو حرم نے مجھے راستہ نہ دیا۔ اور کہا کہ تو نے باہر کیا کیا۔ جو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے)

یہ تو اعمال کی حالت ہے اور احوال کی حالت یہ ہے کہ جن کو محبت نہیں، وہ بہت جلد گھبرا اٹھتے ہیں ذرا سا ابتلا ہوا اور قدم اکھڑ گئے اور محبت والے کی یہ حالت ہوتی ہے ۔

شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت   سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کو یہ نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ اس پر خنجر آزمائی کریں)

کسی کو تکلیف ہوتی ہوگی ان کو تو مصیبت میں بھی لطف آتا ہے یہ محبت ہی کے آثار ہیں۔ اگر تم میں محبت نہ ہو تو اس کا انکار تو مت کرو اہل محبت کے آثار کو دیکھ کر ماننا پڑے گا کہ محبت الٰہی کا وجود ہے ۔

گر نبودے نالۂ نے را ثمر　　　　جہاں را پر نہ کردے از شکر

(اگر نالۂ نے کا ثمرہ جو طلب ہے جس سے معرفت پیدا ہوتی ہے نہ ہوتا تو دنیا میں ہزاروں عارف بھرے پڑے ہیں کہاں سے آتے۔)

بندگان خدا محبت والے موجود ہیں اگر ان میں محبت نہیں تو دوسرے کی صحبت سے کیوں کر اہل محبت ہو جاتے ہیں یہ طاقت محبت ہی میں ہے کہ آس پاس تک کو لپیٹ لیتی ہے محبت آگ ہے آگ کے اندر جو کوئی جاتا ہے وہ تو جلتا ہی ہے اور جو کوئی آگ کے اردگرد ہوتا ہے گرم وہ بھی ہو جاتا ہے۔ عقل میں اتنی قوت نہیں واللہ یہ قوت محبت ہی میں ہے چنانچہ ایک اہل دل نے دونوں کو آزما کر کہا ہے ۔

آزمودم عقل دور اندیش را　　　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(میں نے عقل دور اندیش کو آزما لیا جب اس سے کام نہ چلا پھر ہم دیوانہ بنے)

آزمودم عقل دور اندیش را　　　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(عقل دور اندیش کو آزمانے کے بعد میں نے دیوانگی اختیار کی ہے)

دیوانہ بنیں گے طعن سہیں گے مصیبتیں جھلیں گے مگر محبت وہ چیز ہے کہ کسی کا اثر نہ ہوگا اور یہی کہیں گے ۔

ما اگر تلاش دگر دیوانہ ایم　　　　مست آں ساقی کہ آں پیمانہ ایم

(اگر ہم مفلس تلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا پرواہ ہے یہی دولت کیا کم ہے کہ محبوب حقیقی

کی محبت سے مست ہیں)

دیکھئے ادنیٰ سی بازاری مرد اور عورت یا ایک امرد کی محبت میں آبرو و غیرت سب فنا ہو جاتی ہے نہ مال کی پرواہ رہے نہ جاہ کی جب ایک نام عشق میں یہ حالت ہے تو حق تعالیٰ کے عشق میں جو واقعی عشق ہے اور سچا عشق ہے کیا حالت ہونا چاہیے جو کچھ بھی ہو جاوے کم ہے کیوں کہ

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

(محبوب حقیقی کا عشق لیلےٰ سے کیا کم ہو اس کی گلیوں میں پھرنا اولیٰ اور بہتر ہے)

آثار محبت

غرض محبت کے آثار جہاں بھی ہوں وہاں کیسے قائل نہ ہوں کہ محبت کا وجود ہے تو یہ قول صحیح نہیں کہ خدا تعالیٰ کی محبت نہیں ہو سکتی۔ دراصل ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی عظمت پر نظر کر کے یہ کہدیا ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ محبت ایک تعلق کا نام ہے جس کے لئے وجود طرفین اور طرفین میں کچھ باہمی مناسبت کی ضرورت ہے اور بندہ اور خدا میں کیا مناسبت کہاں واجب اور کہاں ممکن غالباً یہ اصل ہوگئی ہے متکلمین کے انکار کی مگر اس کا حل یہ ہے کہ بندہ بیشک اس قابل نہیں ہے کہ اس کو واجب کے ساتھ ایک طرف میں رکھا جاوے لیکن محبت کا امکان اس طرح پر ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ بندہ کی محبت اس کے فعل سے نہیں بلکہ اس طرف سے شروع ہوئی حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس کے دل میں میری محبت ہو بس ہوگئی حق تعالیٰ کے ارادہ کے سامنے کوئی چیز ناممکن نہیں اس لئے جس بندہ میں خدا تعالیٰ کی محبت دیکھو سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کو بھی اس کے ساتھ محبت ہے مگر ظہور و خفا کا فرق ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق معشوقاں نہاں ست دستیر　　عشق عاشق بادوصد طبل نفیر

(معشوق کا عشق پوشیدہ اور مخفی ہے عاشق کا عشق ظاہر اور آشکارا ہے)

لیک عشق عاشقان تن زہ کند　　عشق معشوقاں خوش وفربہ کند

(لیکن عاشقوں کا عشق دُبلا کرتا ہے اور معشوق کا عشق موٹا اور فربہ کرتا ہے)

عاشق کی محبت پتہ دیتی ہے کہ حق تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہے مگر وہاں کوئی انفعالی اثر نہیں کیوں کہ واجب الوجود پر کیا اثر ہوتا اسی واسطے اس کو ستر کہا یعنی وجود تو ہے مگر کوئی اثر ظاہر نہیں ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں　　گو بہ نسبت ہمت ہم ایں وہم آں

(جس کو عاشق دیکھو اس کو معشوق سمجھ گو نسبت کے ساتھ یہ بھی ہے اور وہ بھی)

عارفین کے ان اقوال سے تائید ہوگئی ہے کہ بندہ کی محبت درحقیقت خدا تعالیٰ کی محبت ہے اور خدا تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے اہل اللہ جو مظہر شان خداوندی ہیں ان کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اگر تمہیں ان سے محبت ہے تو وہ درحقیقت تمہاری طرف سے محبت ہے ورنہ کیا مجال تھی کہ تم ان کے پاس بھی پھٹک سکتے اگر ان کو تم سے تعلق نہ ہوتا تو قیامت تک تمہیں ان سے تعلق نہ ہوتا بلکہ نفرت ہوتی ع

نفرت فرعون تو میداں از کلیم

(فرعون سے نفرت کرنا کلیم کی طرف سے سمجھتے رہو)

یعنی فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا نفرت تھی خود حضرت کلیم کو اس سے نفرت تھی اگر وہ کشش کرتے تو فرعون کو مجال انکار نہ تھی باقی ان کا کشش نہ کرنا یہ حکمت الہیہ پر مبنی ہے۔ ایک بزرگ سے ان کے مرید نے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ فرمایا تمہیں کیا محبت ہوتی ہم کو ہی تم سے محبت ہے اگر ہم اپنی توجہ ہٹالیں تو کبھی ہمارے پاس نہیں آسکتے چنانچہ مرید کی تنبیہ کے لئے انہوں نے ایک بار توجہ ہٹالی، کئی مہینے تک پاس آنے کی توفیق نہیں ہوئی حالانکہ تھا اسی شہر میں پھر توجہ کی آموجود ہوا فرمایا دیکھا بھی یہ ہے تمہاری محبت کی حقیقت اس پر ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ جب ثابت ہوا کہ تمہاری محبت دراصل ان

مقبولین ہی کی محبت ہے جو تمہارے ساتھ ہے تو اس میں ایک اور بڑی بشارت ہے وہ یہ ہے کہ معلوم ہوا کہ آپ ان کے دل میں رہتے ہیں اور ان کے دل تجلی گاہ حق ہیں تو تمہاری حالت کچھ بھی ہو مگر انشاء اللہ انوار تجلی سے محروم نہ رہو گے اس واسطے کوشش کرو کہ کسی کے دل میں جگہ کرلو اور اس بات کا پتہ کہ محبت انہیں کی طرف سے ہوتی ہے ان کے برتاؤ سے پتہ چلتا ہے اتنی محبت مرید کی طرف سے نہیں ہوتی جتنی ان کی طرف سے ہوتی ہے اہل اللہ اپنے منتسبین پر گویا فدا ہوتے ہیں ہمارے حضرت نے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر اب میں تھانہ بھون جاؤں تو کہاں ٹھہروں پھر خود ہی فرمایا کہ اشرف علی کے ہاں ٹھہروں دیکھئے کسی عزیز قریب کا نام نہیں لیا، لیا تو ایک خادم ہی کا نام لیا یہ شفقت ہوتی ہے بزرگوں کے خدام پر۔
ایک مرتبہ حضرت نے میری اہلیہ کو ایک کپڑا بطور تبرک دیا اس پر ایک خادمہ نے عرض کیا کہ فلانی آپ کی رشتہ دار پوتی ہے اس کے لئے بھی دیجئے فرمایا ہم کسی بیٹی پوتی کو نہیں جانتے ہمارے پوتے وہی ہیں جن کو اللہ کے لئے ہم سے تعلق ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ اولاد اور رشتہ داروں سے اُن کو تعلق نہیں ہوتا ان کو تعلق سب سے ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی ان کے رشتہ داروں سے بدسلوکی کرے تو اول جوش انہیں کو ہوگا کیوں کہ ادائے حقوق ضروری ہے اور اہل اللہ سے بہتر کوئی ادائے حقوق نہیں کرسکتا کیوں کہ یہ حقوق کو شریعت کے موافق ادا کرتے ہیں اور شریعت سے بہتر کوئی حقوق کو نہیں جان سکتا اور وہ جوش بجا ہوتا ہے کیونکہ کسی شخص کے رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی وہی شخص کرسکتا ہے جس کو اس شخص کے ساتھ محبت نہ ہو رشتہ دار تو بڑی چیز ہیں ادنیٰ تعلق جس چیز کو محبوب کے ساتھ ہوتا ہے محبّ کے نزدیک وہ بھی محبوب ہوتی ہے دیکھئے سگ لیلےٰ کے ساتھ مجنون نے کیا برتاؤ کیا اس کو گود میں اٹھالیا کسی نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے تو وہ کہتا ہے۔

پاسبان کوچہ لیلےٰ است ایں (یہ لیلےٰ کے کوچہ کا چوکیدار ہے)

محبت ایسی ہی چیز ہے یہ وجہ اہل اللہ کے اس غصہ کے بجا ہونے کی حضرت شیخ

عبدالقدوسؒ کے ایک بیٹے کے ساتھ بعض خلفاء شیخ نے بدسلوکی کی تو شیخ کو بڑے غصہ کا خط ان کے پاس گیا ان کا غصہ دراصل ان رشتہ داروں کی طرف داری سے نہیں ہوتا بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مدعی محبت کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا اس تصنع سے وہ بھڑک اٹھتے ہیں تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل اللہ کو اولاد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ان کو ہم سے بھی زیادہ تعلق ہوتا ہے چنانچہ ہمارے وطن میں ایک معلّمہ کے پاس ایک لڑکی پڑھنے آئی وہ لڑکی سید کی تھی تو اس معلّمہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور کہا ہماری بچی آئی ہے اس پر اچھی طرح توجہ رکھنا دیکھئے کتنے بعید رشتہ کا یہ خیال ہے غرض اہل اللہ کو عزیز و اقارب سے بھی محبت ہوتی ہے، اور منتسبین سے بھی ہوتی ہے اور انہیں کی محبت کا عکس منتسبین کی محبت میں دکھائی دیتا ہے ان کے ساتھ تمہاری محبت دراصل ان کی محبت تمہارے ساتھ ہے گو اس وجہ سے کوئی ظاہر پرست محبت کا انکار کردے کہ کہاں بندہ اور کہاں خدا۔ بندہ کا کیا منہ ہے کہ خدا سے تعلق جوڑے لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ تعلق بندہ نے نہیں جوڑا بلکہ خدا تعالیٰ نے جوڑا ہے تو اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ غرض خدا کی محبت کا وجود قلوب میں ہے اور ضرور ہے اور خدا کی محبت تو بندہ کی غذا ہے خواہ محبت کو مصدر معروف کہو یا مجہول کہو کوئی صورت بھی محبت خدا بندہ کی حیات روحانی کے لئے شرط ہے جیسے غذا حیات بدنی کے لئے شرط ہے بے غذا کے زندگی نہیں رہ سکتی جب محبت بندہ کی غذا ٹھہری تو اس کی ضد یعنی بغض تو بڑی چیز ہے بلکہ عدم محبت بھی مرنے کے لئے کافی ہے جیسے مرنے کے لئے یہی ضروری نہیں کہ زہر کھالیا جاوے بلکہ غذا کا بند کردینا کافی ہے تو جس چیز کے لئے یہ کہا جائے کہ یہ محبت کی ضد یعنی بغض پیدا کرنے والی ہے تو جیسے مرنے کے لئے یہ کہا جائے کہ یہ محبت کی ضد یعنی بغض پیدا کرنے والی ہے وہ تو سب سے بدتر چیز ہوگی وہ چیز کبر ہے یہ حق تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے۔

تواضع

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ المتکبرین (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) میں اسی کو بیان فرمایا گیا ہے: لَا یُحِبُّ بمعنی یُبْغِض ہے اور نکتہ اس میں وہ ہے جو بیان ہوا کہ اپنی محبوبیت اور بندہ کی محبت پر نظر کر کے یبغض کی ضرورت ہی نہیں لَا یُحِبُّ کو ہی کافی قرار دیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ کبر مبغوض ہے اور بدترین چیز ہے جب یہ ایسا ہے تو اس کا مقابل بہترین اشیاء اور حق تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوگا۔ اور وہ تواضع ہے تواضع فی نفسہ بھی محبوب ہے اور اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ تواضع کبر کا علاج ہے اور کبر کا علاج ضروری ہے کیوں کہ یہ بدترین مرض اور رام الامراض ہے اور یہ مرض عام ہے تو بیان تواضع کا اختیار کرنا مفید عام مضمون ہوا۔ اس واسطے اس حدیث کو اختیار کیا گیا ہے۔ حاصل یہ کہ کبر کا علاج تواضع ہے اب ضروری ہے کہ تواضع کے معنی بیان کئے جائیں۔

تواضع کی حقیقت

میں مختصراً اس کی حقیقت بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔ تواضع کی حقیقت عوام جہلاء میں تو یہ ہے کہ مہمان کی خاطر کی جاوے پان پتا اس کے سامنے رکھا جاوے۔ کھانا کھلایا جاوے نرم زبان سے بولا جائے اس کے لئے دوسرا لفظ خاطر کرنا ہے کہتے ہیں فلاں آدمی بڑی خاطر کا آدمی ہے، اسی کو ذرا پڑھے لکھے مگر جاہل ہی یوں کہہ دیتے ہیں کہ فلانے کے یہاں مہمان کی بڑی تواضع ہوتی ہے۔ بہر حال یہ معنی تو عرفی ہیں اور حقیقی معنی سے یہ معمولی لیاقت کے لوگ بھی واقف نہیں حتیٰ کہ نئے لوگوں میں جو اعلیٰ درجہ کے نئے تعلیم یافتہ ہیں بی اے اور ایم اے والے وہ بھی اس حقیقی معنی سے بے خبر ہیں بلکہ وہ تو لفظ بھی صحیح نہیں بولتے، کیوں کہ اردو زبان کی شائستگی فارسی سے پیدا ہوتی ہے جس سے یہ لوگ بے بہرہ ہیں، بلکہ اردو کا املا تک ان کا غلط ہوتا ہے چنانچہ ایک تعلیم یافتہ سب جج نے ایک فریق کے اظہار

قلمبند کرنے میں اعتراض ف سے لکھا تھا۔ اس فریق نے دیکھ کر اعتراض کیا کہ اعتراض ف سے نہیں ہے کہا ہاں غلطی ہوئی ظ سے ہے تو یہ لوگ الفاظ تک غلط بولتے ہیں تواضع کو توازے بولتے ہیں غرض اس کے صحیح معنی سے یہ لوگ سب کے سب نا آشنا ہیں جن میں بعضے تو ایسے ہیں کہ لفظ سے بھی نا آشنا ہیں اور بعضے لفظ جانتے ہیں مگر معنی سے نا آشنا ہیں اچھی طرح جان لیجئے کہ تواضع لفظ عربی ہے اور جن معنوں میں عوام نے استعمال کیا ہے اُن معنوں میں تو عربی زبان میں یہ لفظ کہیں آیا ہی نہیں اس پر ایک قصہ یاد آ گیا ایک دیہاتی لڑکا تھا اس نے ایک استاد سے کریما شروع کی جب یہ شعر آیا ؂

ولی گر تواضع کنی اختیار شود خلق دنیا ترا دوست دار

(یعنی اے ولی اگر تواضع اختیار کرے تو تمام مخلوق تیرے دوست بن جائے)

استاد نے پوچھا جانتے ہو تواضع کس کو کہتے ہیں کہا جی ہاں یہی پان پتہ دے دینا یہ تو ایک گنوار کی بات ہے پڑھے لکھوں کے نزدیک جو معنی ہیں وہ بھی اسی کے قریب ہیں صرف لفظ دوسرے ہیں ان کے نزدیک تصنع کے معنی ہیں نرمی سے بولنا جھک جھک کر سلام کرنا، جھوٹی باتیں بنانا، حقیقت سے دونوں دور ہیں صاحبو! اس کے معنی حقیقت میں اپنے آپ کو پست سمجھنا ہیں، نہ پست بنانا یہ جھک جھک کر سلام کرنا اور باتیں بنانا بتکلف پست بنانا ہے۔ یعنی بناوٹ ہے نہ حقیقت بلکہ حقیقت میں تو آج کل تواضع تکبر ہے جو تواضع کی ضد ہے اور اس سے تعجب نہ کیجئے کیوں کہ میں ایک امتحان بتاتا ہوں جس کسی کو آپ بہت متواضع دیکھیں جو بار بار جھک جھک کر سلام کرتے ہوں اور بہت ہی منکسر النفس ہوں اور ہر شخص سے آپ اور جناب سے بات کرتے ہوں اور اپنے آپ کو یہ کہتے کہ میں کس قابل ہوں میں تو محض نالائق ہوں تو جس وقت وہ یہ کہیں کہ میں نالائق ہوں اس وقت آپ ذرا کہہ دیجئے ہاں صاحب واقعی آپ تو نالائق ہیں پھر دیکھئے وہ کتنا ناچتے ہیں۔ اور امید تو ہے کہ ساری عمر کیلئے دشمن ہو جائیں گے۔ اگر یہ بناوٹ نہ تھی اور جھوٹ نہیں تھا اور وہ دل سے

یہ الفاظ کہتے تھے تو یہ غضب اور کینہ کیوں ہوا معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو نالائق صرف اس واسطے کہا جاتا ہے تاکہ دوسرا ان کی زیادہ تعریف کرے کہ فلانے بڑے متواضع ہیں۔ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ تو صورت تو تواضع کی ہے مگر حقیقت میں بڑا بننا اور تکبر کرنا مقصود ہے جو تواضع کی ضد ہے اور جو واقعی متواضع ہیں۔ وہ ایسے تواضع کے الفاظ کبھی نہیں کہتے اس لئے ان کی نسبت اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ ان میں تواضع اور اخلاق نہیں ہیں کسی کو منہ ہی نہیں لگاتے صاحبو! ان میں بناوٹ نہیں سچے اخلاق ہیں جھوٹے نہیں ان کا تو حکیمانہ قول یہ ہے کہ اگر کوئی منہ پر تعریف کرے تو اس تعریف سے نہ انکار کرو نہ اس کو منع کرو کیوں کہ اس سے اور زیادہ تعریف کریگا اور دوسرے دیکھنے والے بھی تمہارے معتقد ہو جائیں گے۔ بلکہ خاموش ہو رہو وہ اپنا سا منہ لے کر خود خاموش ہو جاوے گا اور سب سمجھیں گے بے حس آدمی ہے جو تعریف سے کچھ بھی خوشی ظاہر نہیں کرتا بُت بن کر بیٹھ گیا پھر آئندہ نہ کوئی تعریف کرے گا نہ عقیدت مند ہوگا یہ ہے حقیقی تواضع۔

آجکل کا دستور

آجکل ایک اور طریقہ نکلا ہوا ہے پہلے لوگ تو جب کوئی ان کی تعریف کرتا تھا انکسار کے الفاظ کہتے تھے کہ جناب میں اس قابل کہاں ہوں آپ بناتے ہیں من آنم کہ من دانم یہ اگر چہ بناوٹ ہی تھی مگر خیر صورت تو تواضع کی تھی اور اب طریقہ نکلا ہے کہ اپنی تعریف کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ میں اس عنایت کا نہایت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ کو ان القاب سے نوازا مطلب یہ ہے کہ ایسے ہی الفاظ سے مجھے یاد کیا کیجئے اور میں اس قابل ہوں اس میں صورت بھی تواضع نہیں رہی کھلا ہوا تکبر ہے۔ غرض تکبر کھلا ہوا ہو یا ڈھکا ہوا چھپتا نہیں ہے برتاؤ سے حال معلوم ہی ہو جاتا ہے پھر جیسا واقع میں ہوتا ہے ویسا ہی حکم کیا جائے گا اگر واقع دل میں بڑا بننے چاہتے ہو تو چاہے نالائق بنو یا خاکسار بنو تکبر ہی کا حکم ہوگا۔ اور اگر دل میں پستی اور انکسار ہے تو خواہ کوئی لفظ بھی زبان سے نہ کہو اور مدح سن کر

متکبرین کی طرح خاموش ہی بیٹھے رہو تب بھی تکبر نہیں تواضع ہی ہے۔ ہمارے ایک بزرگ استاد تھے ان کی عادت تھی کہ جب کوئی ان کی تعریف منہ پر کرتا تو خاموش محض ہو جاتے اس سے ناواقف دیکھنے والا یوں سمجھتا ہے کہ یہ اپنے آپ کو اس تعریف کا اہل سمجھتے ہیں۔ اور یہ تکبر ہے مگر دوسرے وقت ان کی حالت تھی کہ دیو بند کے قریب اِملیا ایک گاؤں ہے اس میں آموں کی دعوت ہوئی داعی نے سواری تک نہیں بھیجی یہ بزرگ مع رفقاء کے پیدل چلے گئے جب وہاں سے آم کھا کر چلنے لگے تب بھی بلانے والے نے سواری کو نہ پوچھا پیدل ہی چلے، چلتے وقت گھر والوں کے واسطے اس نے آم دیئے۔ ظاہر ہے کہ مولانا کو اوروں سے زیادہ حصہ دیا ہوگا۔ مولانا نے اپنا حصہ لنگی میں باندھ لیا، مولانا دہلی میں شہزادوں کی گودوں میں پلے ہوئے تھے اور بہت نازک بدن تھے۔ بوجھ لے چلنے کی عادت کہاں؟ اس گٹھڑی کو کبھی اس ہاتھ میں لیتے اور کبھی اس ہاتھ میں لیتے بمشکل دیو بند کے قریب پہنچے۔ جب بازار کے قریب پہنچے تو تھک کر اس گٹھڑی کو سر پر رکھ لیا تو بڑا آرام معلوم ہوا، تو فرماتے ہیں کہ میاں پہلے سے یہ ترکیب سمجھ میں نہ آئی بڑے آرام سے آتے سر پر گٹھڑی رکھے ہوئے چلے جاتے ہیں اور دونوں طرف سے سلام ہوتے جاتے ہیں اور مصافحے ہوتے جاتے ہیں اور مولانا بے تکلف چلے جاتے ہیں، مدرسہ تک اسی طرح چلے گئے راستہ میں معتقدین نے لینا بھی چاہا مگر کسی کو نہیں دیا، ہشاش بشاش ذرا طبیعت پر بار نہیں تھا۔ لوگ عموماً وضع کی پابندی کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور اس کو ضروری کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، کوئی عادت تاوقتیکہ خلاف شرع نہ ہو گناہ کیا ہے؟ میں کہتا ہوں اکثر اوضاع کی بناء ترفع پر ہے البتہ اگر کسی میں ترفع نہ ہو اور اس میں یہ بات پیدا ہوگئی ہو، جو مولانا میں تھی، کہ کسی وقت اپنی وضع کے خلاف کام کرنے پر نفس کو ذرا رکاوٹ نہ ہو تو وہ شخص متکبر نہیں اور اس کے عادات بھی بُری نہیں۔ ورنہ پابند وضع یقیناً متکبر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب پانچ پانچ سیر بوجھ ہی لادو۔ مگر کچھ تو کرو اخلاق کی اصلاح کی طرف کسی کو توجہ نہیں۔

صحبت بزرگان

ہماری طرف ایک بزرگ مولانا مظفر حسین صاحب تھے وہ اپنے معمولات کے بہت پابند تھے تہجد سفر میں بھی قضاء نہ کرتے تھے۔ اس وقت ریل نہ تھی لوگ بہلیوں میں سفر کیا کرتے تھے۔ مولانا اس میں بھی تہجد پڑھتے تھے۔ مگر کبھی اس ضرورت کے لئے بہلی کو ٹھہرایا نہیں کیوں کہ اس سے دوسرے رفقاء کا حرج ہوتا، یا کم از کم گاڑی بان کا تو حرج ہوتا اور عارفین کسی کی کلفت کو کبھی گوارا نہیں کرتے بس یہ کرتے کہ گاڑی سے آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے جب گاڑی نزدیک آتی آگے بڑھ جاتے پھر دو رکعت پڑھ لیتے اسی طرح تہجد ختم کرتے۔ بھلا آج تو کوئی شیخ صاحب کر کے دکھا دیں اول تو سفر میں تہجد ہی کون پڑھتا ہے اور کسی کو شوق ہوا تو بس بہلوان کم بخت کی مصیبت ہے کہ گھنٹہ بھر تک گاڑی کو روکے کھڑا رہے۔ تہجد اور راحت رسانی مخلوق دونوں کو جمع کر کے دکھاؤ۔ ان ہی مولانا مظفر حسین صاحب ہی کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ مولانا دہلی سے کرایہ کی ایک بہلی میں چلے گاڑی بان سے دیہاتیوں کی طرح باتیں کرتے رہے تا کہ وہ مانوس ہوں، کیوں کہ رفیق سفر کو مانوس کرنا بھی حق رفاقت ہے پھر اس سے باتوں باتوں میں معلوم ہو گیا کہ یہ بہلی رنڈی کی ہے مولانا کو بڑی وحشت ہوئی، کیوں کہ آپ بڑے متقی تھے۔ ان کا تقویٰ مشہور ہے وہ ایسی گاڑی میں کیوں کر سوار ہو سکتے ہیں۔ جو حرام کمائی سے تیار کی گئی ہو۔ مگر کمال یہ ہے کہ آپ نے اترنے میں جلدی نہیں کی، سنتے ہی فوراً نہیں اتر پڑے اس خیال سے کہ گاڑی بان کی دل شکنی نہ ہو۔ تھوڑی دور جا کر پیشاب کے بہانے سے اترے پھر اس سے کہا کہ اب تو پیدل چلنے کو جی چاہتا ہے، گاڑی بان سمجھ گیا، اور عرض کیا کہ میں سمجھ گیا ہوں، اب بہتر ہے کہ مجھ کو رخصت فرمایئے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا میرے کرایہ کے سبب ممکن ہے کہ کوئی کرایہ لوٹ گیا ہو تو یہ خسارہ مجھ کو گوارا نہیں، اسی طرح کاندھلہ تک بہلی لائے اور خود پیادہ تشریف

لائے یہاں پہنچ کر پورا کرایہ دیکر رخصت کیا یہ کمال یہ باتیں بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں۔ حضرت صحبت میں رہ کر دین آتا ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا، ضابطہ کا دین تو کتاب سے آسکتا ہے مگر حقیقی دین بلا کسی کی جوتیاں سیدھی کیئے، بلکہ بلا جوتیاں کھائے نہیں آسکتا، دین کسی کی خوشامد نہیں کرتا، دین ان ہی نخروں سے آتا ہے، اب جس کا جی چاہے لے اور جس کا جی چاہے نہ لے اکبر ایک اچھے شاعر تھے ان کا کلام حکیمانہ ہوتا ہے ان کا مصرعہ ہے۔

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہ بات بالکل سچ ہے اہل اللہ میں ایک کمال یہ ہوتا ہے کہ تقویٰ کے ساتھ کسی کی دل شکنی نہیں کرتے ان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی ہاں اگر کوئی اصلاح کی استدعا کرے تو اس کی ضرورت سے تنبیہ اور پوری سیاست کرتے ہیں کیوں کہ بلا اس کے اصلاح نہیں ہوسکتی یہ ایسا ہے جیسے فصّاد زخم کا علاج کرتا ہے، کہ جہاں چیرنے کی ضرورت ہے اگر وہاں وہ زخم کرے تو باعث ضرر ہے اور ایسے زخم کی صورت میں فصاد کو رحمدل نہ کہا جائے گا۔ بلکہ ظالم کہیں گے اس لئے جہاں اصلاح میں سیاست کی ضرورت ہو۔ وہاں اہل اللہ پوری سیاست کرتے ہیں مگر سیاست میں بھی امکان بھر نرمی کا پہلو نہیں چھوڑتے۔ ان ہی بزرگوں کا یعنی مولانا مظفر حسین صاحب کا قصہ ہے انہوں نے کہا کہ ایک پہلوان مسجد میں آیا۔ اور غسل کرنا چاہتا تھا، موذن نے اس کو ڈانٹا اور کہا نماز کے نہ روزے کے مسجد میں نہانے کے لئے آجاتے ہیں ان بزرگ نے ڈانٹنے والے کو منع کیا۔ اور خود اس کے نہانے کے پانی بھرنا شروع کردیا۔ اور اس سے کہا ماشاءاللہ تم تو بڑے پہلوان معلوم ہوتے ہو ویسے تو زور بہت کرتے ہو۔ ذرا نفس کے مقابلہ میں بھی تو زور کیا کرو، نفس کو دبایا کرو۔ اور ہمت کرکے نماز پڑھا کرو پہلوانی تو یہ ہے بس وہ شخص پانی پانی ہوگیا۔ اور بہت شرمایا، اسی وقت سے نماز کا پابند ہوگیا۔ اسی طرح ان ہی مولوی صاحب کا قصہ ہے کہ انہوں نے ایک رئیس سے کہا کہ تم

نماز کیوں نہیں پڑھتے انہوں نے کہا کہ نماز تو پڑھ لیں مگر وضو کی پخ ایسی ہے کہ ہمارے بس کی نہیں بار بار واڑ کو اتار کر کون چڑھائے یہ رئیس واڑہی چڑھانے کے عادی تھے مولوی صاحب نے کہا آپ بے وضو نماز پڑھ لیا کریں، مگر پابندی کے ساتھ پڑھیئے۔ رئیس نے کہا کہ بے وضو نماز پڑھنے سے گناہ تو نہ ہوگا۔ فرمایا آپ بے فکر رہیں اگر گناہ ہوگا تو مجھے ہوگا۔ آپ تو میرے کہنے سے تو پڑھیں گے اب کیا تھا مجبوراً نماز شروع کرنا پڑی اور مولوی صاحب کی یہ برکت تھی کہ اول ہی وقت یہ بات خیال میں آئی کہ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ بدون وضو نماز نہیں ہوتی یہ تو ان کی شفقت تھی کہ مجھ کو راہ پر لگادیا اور قطع حجت کے لئے یہ گنجائش دے دی تو بے وضو پڑھنے کی نوبت نہیں آئی اور مولوی صاحب کو بھی یہی مقصود تھا اور ان رئیس کے فہم پر اعتماد تھا تو وہ گنجائش صرف صورۃً تھی حقیقتاً نہ تھی پھر جب بار بار واڑہی ہی چڑھانے میں دقت معلوم ہوئی، واڑہی بھی چھوڑ دی بس اہل اللہ میں اس قدر شفقت ہوتی ہے کہ خلق خدا کو اولاد کے برابر اور بھائیوں کے برابر سمجھتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھو کہ غیروں سے ہرگز سختی نہ کرو ہاں جس پر تمہاری حکومت ہو اس کے ساتھ سیاست سے کام لو ہر جگہ سختی نہ کرو یہ شفقت ہی کا اثر ہے کہ اسلام اس قدر پھیلا۔

حقانیتِ اسلام

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کے متعلق ارشاد ہے: وَلَو كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (یعنی اگر آپ بدگو اور سخت ہوتے تو کوئی بھی آپ کے پاس نہ پھٹکتا سب اِدہر اُدہر بھاگ جاتے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ آپ کے پاس مسلمانوں کا بہت اجتماع تھا تو معلوم ہوا کہ آپ بدگو اور سخت نہ تھے جیسا کہ تاریخ سے بخوبی ثابت ہے یہ وجہ ہے اجتماع کی اور حیرت ہے کہ آجکل بعض لوگ تاریخ کو بھی نہیں دیکھتے اور بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اس کا جواب مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے خوب دیا تھا کہ شمشیر کے لئے شمشیر زن کہاں سے آئے تھے اگر وہ شمشیر زن بھی

بزورشمشیر آئے تھے تو یہ سلسلہ تسلسل کو مستلزم ہے لامحالہ کہیں کہنا پڑے گا کہ شمشیرزن میں اسلام بلا زورشمشیر آیا تھا، جب کچھ لوگوں میں اسلام بلا زورشمشیر آیا تو اوروں میں اس طرح آنے سے کون چیز مانع ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ اسلام بزورشمشیر نہیں پھیلا اسلام تو اصلاح کے لئے ہے۔ اور تلوار رفع شر کے لئے ہے نہ کہ اصلاح کے لئے جہاد سے اشاعت اسلام مقصود نہیں، بلکہ حفاظت اسلام مقصود ہے۔ لوگ ان دونوں میں فرق نہیں سمجھتے اس کے لئے خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں جن لوگوں کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بزورشمشیر اسلام پھیلایا ان کے حالات دیکھئے تو معلوم ہوگا۔ کہ اسلام تلوار سے پھیلا یا یا اپنی پاکیزہ تعلیم سے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے سردار تھے، ایک جگہ جنگ میں عیسائیوں سے عارضی صلح ہوئی ایام صلح میں لشکر اسلام کے سپاہی کے ہاتھ سے ان کے بادشاہ کی تصویر کی آنکھ پھوٹ گئی عیسائیوں کو سخت ناگوار ہوا حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اس وقت تو مسلمانوں کا پلہ ہرطرح سے غالب تھا یہ ممکن تھا کہ سماعت بھی نہ کرتے بلکہ اس تصویر کو بھی اکھاڑ کر پھینک دیتے مگر اسلامی تعلیم کا اثر دیکھئے کہ انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور کہا کہ ہم نے قصداً ایسا نہیں کیا اور ہم اس کا بدلہ دینے کو تیار ہیں حضرت ابوعبیدہؓ کھڑے ہوگئے کہ اس تصویر کے بدلے تم میری آنکھ پھوڑلو بس فوراً ہی مخالفوں کی گردنیں جھک گئیں۔ یہ اخلاق تھے جنہوں نے اسلام کو پھیلایا اور آنکھیں بند کرکے تو جس کا جی چاہے کہہ لے میں کہتا ہوں کہ تلوار کے زور سے اگر اسلام پھیلایا بھی جائے اور بزورکسی کو مسلمان بھی کیا جائے تو اس کا اسلام ایسا ہونا چاہئیے، کہ تلوار ہٹتے ہی ندارد ہوجائے وہ کون چیز تھی جو تلوار ہٹنے کے بعد بھی اسلام کو قلوب میں برقرار رکھتی تھی وہ اسلام کی حقانیت ہی تھی۔ کہ ایک دفعہ کلمہ پڑھنے کے بعد جان جاتی ہے مگر اسلام نہیں چھوٹ سکتا اور پھیلانے کا ذریعہ اخلاق تھے جس کا نمونہ مولانا مظفرحسین صاحب کے بعض واقعات سے معلوم ہوا ہے۔ انہی بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ راستہ میں ایک بڈھے کو دیکھا کہ بوجھ سر پر لئے ہوئے آرہا ہے اور تھک گیا ہے۔ آپ سے نہ رہا گیا اس سے کہہ سن کر اس کا بوجھ اپنے سر پر

رکھ لیا۔ حالانکہ خود بھی جوان نہ تھے اس نے کہا بھی کہ میاں جی تم بھی بڈھے ہی ہو کہا کہ میں اول تو تجھ سے کم بڈھا ہوں دوسرے تازہ دم ہوں اس کا بوجھ لئے دور تک چلنے گئے۔ اور اس سے باتیں کرتے رہے اس نے کہا کہ میں مولوی مظفر حسین سے ملنے کا بہت مشتاق ہوں سنا ہے کہ وہ آجکل ادہر آئے ہوئے ہیں انہوں نے کہا کہ ہاں میں ان سے ملا دوں گا یہاں تک کہ جب اس کے گاؤں میں پہنچ گئے وہاں پہنچ کر پھر اس نے کہا کہ بھائی یاد رکھو مجھ کو مولوی مظفر حسین سے ضرور ملائیو اس وقت فرمایا کہ مظفر حسین تو میں ہی ہوں وہ نہایت شرمندہ ہوا اور ان کے قدموں میں لوٹنے لگا مولانا نے کہا کہ بھائی شرمندگی کی کیا بات ہے ایک مسلمان کا کام کر دیا تو کیا ہو گیا اور انہی مولانا کی حکایت ہے جو بالکل اس کی مصداق ہے۔

شنیدم کہ مردان راہِ خدا دل　　دشمنان ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام　　کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

(یعنی میں نے سنا ہے کہ مردان راہِ خدا نے دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ نہیں کیا ہے، تجھ کو یہ مرتبہ کب حاصل ہو سکتا ہے اس لئے کہ دوستوں کے ساتھ بھی تیری لڑائی اور ان سے مخالفت ہے)

ایک قصبہ ہے بیڈولی کسی سفر میں مولانا وہاں پہنچے اور سرائے میں ٹھہرے وہاں ایک مہاجن بھی مع اپنے لڑکے کے ٹھہرا ہوا تھا لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے اس نے مولانا سے سب پتہ وغیرہ پوچھا جیسے آپس میں مسافر پوچھتے ہیں کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جائیں گے مولانا نے فرمایا کہ میں صبح کو فلاں جگہ جاؤں گا چنانچہ مولانا شب کو تہجد پڑھ کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے اس بنیئے کی جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا تو لڑکے کے ہاتھ میں کڑے ندارد حضرت مولانا نہایت غریبانہ حالت سے دیکھ رہے ہیں، بنیئے نے خیال کیا کہ ضرور وہی غریب سا آدمی جو یہاں ٹھہرا ہوا تھا کڑے اتار کر لے گیا اس نے پتہ

تو مولانا سے پوچھ ہی لیا تھا بس اٹھ کر سیدھے اس کی طرف کو ہو لئے مولانا جا ہی رہے تھے
بنیئے نے آواز دی حضرت نے فرمایا کہ بھائی کیوں کیا ہے اس نے پاس جا کر ایک گھونسا لگایا
اور کہا کپڑے لے کر چلے آئے اور کہتے کیا ہے چلو تھانہ کو اس پر حضرت نے جی میں کہا کہ
توں کیوں ایسی حالت میں رہتا ہے جو اس کا تیری طرف ایسا خیال ہوا تیرا علاج یہی ہے
پھر حضرت نے فرمایا کہ بھائی چل چنانچہ چلتے چلتے جھنجانہ کے قریب آئے تھانہ آبادی کے
باہر تھا تھانہ دار مولانا کا معتقد تھا جوں ہی حضرت مولانا کو دور سے دیکھا سروقد تعظیم کے لئے
کھڑا ہو گیا اب تو بنیا گھبرایا اور سمجھا یہ کوئی بڑے آدمی ہیں مولانا نے فرمایا ڈرومت میں تجھے
کچھ نہ کہنے دوں گا چنانچہ تھانیدار نے جب اس کی خبر لینی چاہی تو مولانا نے کہا اگر اس سے
کچھ بھی کہو گے تو مجھے سخت تکلیف ہوگی اور بنیئے سے کہہ دیا جا بھاگ جا بھاگ جا۔ پھر مولانا
فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس واقعہ سے بڑا نفع ہوا جب لوگ مجھے مصافحہ کرتے ہیں اور ہاتھ
چومتے ہیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ مظفر حسین اللہ پاک کا تجھ پر بڑا فضل ہے کہ تجھے ان
لوگوں کی نظر میں معزز بنا دیا ہے ورنہ تیری حیثیت تو وہی ہے جو اس بنیئے کی نظر میں تھی یہ ہیں
اخلاق اہل اللہ کے اور یہ ہیں تواضع کہ دل دشمناں ہم نکردند تنگ (دشمنوں کے دل کو بھی
رنجیدہ نہیں کیا) کتاب میں تو پڑھا ہی ہوگا مگر یہ اس کی نظیریں اس زمانہ تک موجود ہیں۔

عزت کی قیمت

اب تو کسی کو ایک سخت لفظ کہہ دینے سے توہین کی نالش ہوتی ہے کہ میری ہتک عزت
کی گئی۔ ایک لاکھ روپیہ معاوضہ دلایا جائے آجکل ان چیزوں کی بھی قیمت مقرر ہوئی جو تقوم
نہیں بس بات یہ ہے کہ ہر طرح روپیہ کی کمائی چاہیئے روپیہ ایسا مقصود بالذات ہوا ہے کہ ہر
چیز کا عوض بن سکتا ہے عزت تو بے بہا چیز ہے کیوں کہ وہ عظمت خداوندی کی ایک جھلک
ہے اس کو بھی اہل اللہ ہی سمجھ سکتے کہ عزت کی قیمت کیا چیز ہے مگر آجکل یہ مذاق ہو گیا ہے کہ
مال کو عزت کی قیمت اور عوض بناتے ہیں ایک مذاق تو یہ ہے اور اہل تحقیق کا دوسرا مذاق ہے

ہے انہوں نے ایک اور چیز کو اس کا عوض سمجھا وہ عوض یہ ہے کہ اس سے صفت تواضع کی تکمیل ہوگئی اور اس میں یہ فائدہ سمجھے کہ پھر ان کو ہاتھ واتھ چومنے سے عجب نہ ہوگا۔ یہ کس قدر گراں بہا چیز ہاتھ آئی یہ نعمت ملنا کس قدر رحمتِ خداوندی ہے اور جب مال عزت کی قیمت بن سکتا ہے تو رحمت خدا اس کی قیمت کیوں نہیں بن سکتی رحمتِ خدا تو بڑی چیز ہے بس دونوں مذاقوں میں فرق یہ ہے کہ آپ لوگ تو مال ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ وہ رحمتِ خدا کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کی عزت تو ایسی ہے کہ مال کی کوئی مقدار بھی اس کا عوض نہیں بن سکتی اور رحمتِ خدا اتنی بڑی ہے کہ قلیل جزو بھی بڑی سی بڑی عزت کا عوض بن سکتا ہے۔ اس لئے انہوں نے اس کو کافی معاوضہ سمجھا۔ اس واسطے اور کوئی تدارک نہیں کی بلکہ اور کوئی تدارک کرتے ہوئے یہ خوف تھا کہ وہ معاوضہ نہ جاتا رہے تو اب اسکی مثال ایسی ہوگی کہ ایک بچہ کے ایک پتھر ماریں پھر اس کو راضی کرنے کے لئے ایک پیسہ اور ایک اشرفی اس کے سامنے رکھیں اور اس سے کہہ دیں ان دونوں میں سے ایک لے لیں تو میں اب پوچھتا ہوں کہ اس کی عقلمندی کس صورت میں ہے۔ جس شخص نے کبھی اشرفی نہیں دیکھی وہ تو یہ رائے دیگا کہ پیسہ لے لو کیونکہ پیسہ کام کی چیز ہے اس کی جلیبی آسکتی ہے اور اشرفی اور ٹھیکرا اس کے نزدیک برابر ہے اور جس نے اشرفی دیکھی ہے وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ پیسہ لے لے۔ وہ تو یہی کہے گا کہ ایسے ایسے صدہا پیسے اور بھی دے کر اشرفی مل جائے تو مت چھوڑنا سو آج لوگوں کی نظر پیسے پر ہے کیوں کہ پیسہ دیکھا ہے۔ اشرفی کبھی دیکھی ہی نہیں جب گریں گے پیسہ ہی پر گریں گے۔ صاحبو! رحمت خدا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے لوگوں نے سلطنتیں چھوڑ دیں پیسہ اور روپیہ کیا چیز ہے ایک خلق حسن کا حاصل ہونا بندگانِ خدا کے نزدیک دنیا اور مافیہا سے بھی زیادہ قیمتی ہے ان کو ایک گھونسا کھانے کے بعد یہ عوض مل گیا تو کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کو کھو دیتے اور اس سے بدلہ لے لیتے بلکہ وہ اس کے ممنون احسان ہوئے ہوں گے دنیا کچھ کہا کرے ان کی نظر حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کو اچھی لگے وہی ان کے نزدیک اچھا ہے ورنہ کچھ بھی نہیں

خلاصہ یہ ہے کہ تواضع ایک صفت حسن ہے اور نہایت ضروری کیوں مقابل کبر کا ہے اس کو جس طرح ممکن ہو حاصل کرنا چاہئے مبتدی کے لئے اس کی تحصیل کا طریقہ یہی ہے کہ بہ تکلف وہ افعال کئے جاویں جو عرف کے خلاف ہوں بازار سے سودا خود خرید لایا کرو آج کل یہ بھی امیری کا جزد ہو گیا ہے کہ اپاہج بنے بیٹھے رہو اور تکلیف اٹھاؤ مگر خود سودا خریدنے بازار نہ جاؤ اور امیر تو امیر معمولی آدمی بھی اس کے عادی ہو گئے ہیں جس کے نتائج سے خود بھی نالاں ہیں۔ اور زیر باری کے مارے مرے جاتے ہیں اور کہتے ہیں خرچ پورا نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے مال حرام لینا پڑتا ہے۔ صاحبو! یہ کیا خرافات ہے چھوڑو ان تکبر کی رسموں کو یہ عادت خود شریعت کے بھی خلاف ہے بازار میں جانا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے خود قرآن شریف میں موجود ہے: مَالِهٰذا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ (اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے) اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار جایا کرتے تھے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بازار جانے پر اعتراض کرنا مسلمانوں کا کام نہیں، کیوں کہ اس کو حق تعالیٰ نے مقولہ کفار کا بتلایا ہے اور کفار کی سی عادتیں اختیار کرنا اور ان کی باتیں کہنا معمولی بات نہیں کیوں کہ آدمی کو جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے اسی کی بات پر تقلید کیا کرتا ہے اور حدیث شریف میں آچکا ہے کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہو چنانچہ ارشاد ہے: المرء مع من احب تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس کے افعال کی تقلید کی جائے گی قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا۔ اب آپ سوچ لیجئے کہ یہ معمولی بات ہے یا خطرناک ہے۔

خدا کا حق

صاحبو! اس کو معمولی بات نہ سمجھئے گو دیکھنے میں یہ ذرا سی بات ہو لیکن بہت بڑی بات ہے علاوہ تقلید کفار کے اس کا دوسرا منشا کبر ہے جس کی نسبت حق تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں: اَلْعَظْمَةُ اِزَارِىْ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِىْ مَنْ نَازَعَنِىْ فِيْهِمَا قَصَمْتُه (عظمت

میراتہ بنداور بڑائی میری چادر ہے جوکوئی ان دونوں کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا) یعنی عظمت اور بڑائی میری خاص صفت ہے جوکوئی اس میں میرا شریک بننا چاہے گا، میں اس کی گردن توڑ ڈالوگا مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کا قصہ ہے کہ حجام خط بنانے کو آیا تو مولانا اس وقت چارپائی پر پائنتی کی طرف بیٹھے تھے مولانا نے سرہانے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بھائی بیٹھ جا اس نے سرہانے بیٹھنے سے انکار کیا مولانا نے فرمایا تو تو کھڑا ہے تیرے ساتھ سب جگہوں کی برابر نسبت ہے پھر تو خالی جگہ میں نہیں بیٹھتا اور میں بیٹھا ہوا ہوں مجھے کیا ضرورت ہے کہ بیٹھا ہوا اٹھوں حجام نے عرض کیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ سرہانے بیٹھوں مولانا نے فرمایا کہ پھر بھائی تو مجھے سرہانے بیٹھا دیکھے اس وقت آ کر خط بنا دیجئو آخر کار لوگوں نے کہا کہ بھائی تو حجامت بنا بھی دے یہ تو اٹھیں گے نہیں اب تو یہ حالت ہے کہ سرہانے بٹھانا کیسا اگر حجام السلام علیکم بھی کہے تو جوتیاں پڑے حجام کو سرہانے بٹھانا تو بڑوں کا کام ہے ہر شخص سے اتنا نہیں ہوسکتا مگر جن باتوں میں شریعت نے سب کو برابر رکھا ہے ان میں حدود شرعیہ کے اندر رہنا چاہئے۔ جیسا سلام و مصافحہ وغیرہ کہ ان امور میں شریعت نے چھوٹے بڑے میں تفصیل نہیں کی ان میں اپنی طرف سے فرق کرنا گویا شریعت میں اصلاح دینا ہے جس کا اصل منشا تکبر ہے۔ مثلاً جماعت میں چھوٹوں کے ساتھ کھڑے ہونے سے عار کرنا بعض لوگ مسجد میں نماز اس لئے نہیں پڑھتے کہ گھٹیا لوگوں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا۔ یہ کیا خرافات ہے ان کو چاہئے کہ پھر اس دنیا میں نہ رہیں جس میں گھٹیا لوگ آباد ہیں اور قیامت کے دن اس جنت میں بھی نہ جاویں جس میں گھٹیا لوگ ''غرباء'' جاویں گے بلکہ امراء سے زیادہ جاویں گے کچھ حد ہے اس خودداری کی آج کل ایسا مذاق بگڑا ہے کہ ایک حکیم صاحب کے بچے نے ان کی گود میں ہم لوگوں کے آنے کے وقت کہا السلام علیکم تو اس پر اس کو سرزنش کی گئی کہ آداب عرض کہا کرو اس کا مقابلہ تو دیکھئے جی تو چاہتا ہے کہ یوں کہو کہ خدا کی مار ہو اس تعلیم کرنے

والے پر، مگر خیر کے بجائے اس کے یہ کہتا ہوں کہ خدا کی سنوار ہو، اللہ اصلاح کرے
شریعت نے صیغہ سلام میں چھوٹے بڑے میں کچھ تفصیل نہیں رکھی ہاں لہجے میں فرق
ہونا چاہئے یہ تو قیر کبیر میں داخل ہے جس کی تعلیم شریعت میں ہے جس کی ایک جزئی یہ بھی
ہے کہ چھوٹے بڑے کے سامنے دبی ہوئی آواز سے اور نیاز مندانہ لہجے سے بولے اور کچھ
سلام ہی پر موقوف نہیں ہر قسم کے کلام میں اس کا خیال رکھے پس جب کوئی تم سے عمر میں یا
رتبہ میں چھوٹا ابتداء بالسلام کرتا ہے اور اپنے رتبہ کے موافق نیاز مندانہ لہجہ سے سلام کرتا ہے
تو یہ فرق حفظ مراتب کے لئے کافی ہے اتنے فرق کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ اس
سے آگے بڑھنا تکبر ہے۔ اب حجام چھوٹا بنتا ہے اور نیاز مندی سے سلام کرتا ہے تب بھی اس
پر اعتراض ہے واللہ تکبر نے قلوب کو چرلیا آج کل کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے
ہمارے سامنے ایسے رہیں جیسے جماد محض خدا نے تو ان کو انسان بنایا اور یہ ان کو جماد بنانا
چاہتے ہیں یہ تو حق تعالٰی کے کام میں اصلاح دینا ہے حجام تو آپ کی اصلاح سے گھٹیا ہو یا نہ
ہو مگر آپ اس اصلاح سے ضرور گھٹیا ہو جاویں گے اور عند اللہ شر الخلائق قرار دیئے جاویں
گے۔ حجام کو سرہانے نہ بٹھایا نہ سہی پائنتی ہی بٹھاؤ مگر جس بات میں شریعت نے فرق نہیں کیا
تو اس میں تو فرق نہ کرو بلکہ ہر جگہ چھوٹوں کو سراہنے بٹھانا مناسب بھی نہیں کیوں کہ اس
میں ان کا بھی نقصان ہوگا ان میں تکبر پیدا ہو جاوے گا اس سے ان کا دین بھی غارت ہوگا۔
اور دنیا کا بھی نقصان ہوگا کہ کہیں سرہانے بیٹھنے سے پٹ نہ جاویں ہاں اگر اس کا اطمینان ہو
کہ وہ سرہانے بیٹھنے سے متکبر نہ ہو جاویں گے تو مضائقہ نہیں غرض تکبر ایسا مرض ہے جس
کے علاج سے غفلت نہ چاہئے یہ مرض صرف جہلا اور عوام ہی میں نہیں بلکہ اچھے اچھے ثقہ
لوگوں میں بھی موجود ہے اور اس کا علاج تواضع ہے اور اس مرض اور علاج کی ہر وقت نگرانی
کرنا چاہئے بعض باتیں بہت خفیف ہوتی ہیں مگر منشاء ان کا یہی ام الامراض یعنی کبر ہوتا ہے
اس وقت اس کے معالجہ کے لئے کوئی صورت تواضع کی بالقصد اختیار کرنا چاہئے۔

تدابیر اصلاح

میں ہر شخص کے لئے تواضع کی تدابیر کہاں تک بتاؤں علاج مشترک یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی محقق مبصر کے سپرد کردو اور اس کو تمام حالات کی اطلاع کیا کرو اور وہ جس موقع ومحل میں جو تدبیر کرے اس کو اختیار کرو اس طرح تواضع حاصل کرو یہ کبر ایسی چیز نہیں ہے جس سے غفلت کی جائے اہل اللہ نے اس کے علاج کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں مولانا اسماعیل صاحب مسجد میں سو جاتے مسافروں کے پیر دبایا کرتے تھے صرف اس واسطے کہ تواضع اور تذلل پیدا ہو۔ایک دفعہ مولانا سفر میں لشکر سے نکل کر شہر کی کسی مسجد میں جا ٹھہرے مؤذن عام طور سے مسافروں سے جلا کرتے ہی ہیں۔ان کو بھی منع کیا مولانا نے اس کا کہنا نہ مانا اس نے دھکے دے کر ان کو نکال دیا مولانا تھوڑی دیر میں پھر اسی مسجد میں آ گئے اس نے پھر نکال دیا کئی دفعہ ایسا ہی ہوا آخر اس نے تنگ ہو کر کہا اچھا بھائی بیٹھ تھوڑی دیر میں لشکر سے دو سوار مولانا کو ڈھونڈتے ہوئے آئے اب تو مؤذن کے ہوش خطا ہوئے اور سمجھا کہ اب پٹوں گا یہ کوئی بڑے آدمی ہیں مولانا نے کہا کہ ڈرمت تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا میں جاتا ہوں تجھے کھانا بھی بھجوادوں گا وہ پیروں میں گر گیا اور معافی چاہی پھر پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا فرمایا یہ میں نے اپنا علاج کیا مجھے کسی وجہ سے خیال ہو گیا تھا کہ لوگ مجھ کو بڑا سمجھتے ہیں اس کبر کا یہ علاج کیا کہ دھکے کھائے یہ اس مادہ فاسد کا مسہل ہو گیا اہل اللہ اس طرح اس کا علاج کرتے ہیں۔وہ اس کو امراض جسمانی کی طرح بلکہ اس سے بھی اشد سمجھتے ہیں۔دیکھئے جو لوگ محتاط ہیں اور حفظ صحت کے شوقین ہیں وہ بلا ضرورت بھی ہر فصل میں جاڑے بخار کا علاج بطور حفظ ماتقدم کیا کرتے ہیں۔اسی طرح اہل اللہ نے ادنیٰ مظنہ کے موقع پر کبر کا علاج ضرور کر لیا ہے۔تاکہ نوبت اس کے وقوع کی آوے ہی نہیں۔حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ کمر پر مشک لادے ہوئے مسلمانوں کو پانی پلاتے پھرتے تھے پوچھا گیا کہ اے امیر المومنین یہ کیا ہے کہا کچھ لوگ بطور وفد آئے تھے

میری مدح کی اس سے نفس میں انبساط پیدا ہوا اس کا میں نے یہ علاج کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کُرتا پہنا وہ اچھا معلوم ہوا تو آپ نے اس کی آستین بالشت بھر کاٹ دیں تا کہ عیب پڑ جائے اور بدنما ہو جائے یہ وہ حضرات ہیں جن سے زیادہ کامل النفس کوئی نہیں ہوسکتا ان کو اتنا اہتمام اس مرض کا تھا۔ اس بھروسہ پر نہ رہتے تھے کہ ہم نے تہذیب نفس کر لی ہے اور ایک دم بھی غوائل نفس سے غفلت نہ کرتے تھے ہم کس خیال میں کہ ذرا ذکر شغل کر لیا اور مطمئن ہو گئے کہ اب ہم نفس وشیطان کے قید میں نہیں آسکتے یاد رکھو کہ جس وقت آدمی اپنے آپ کو اچھا لگتا ہے اس وقت خدا کو بُرا لگتا ہے۔ یہ حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کی نسبت پورا اعتماد ہے کہ جنت میں ضرور جائیں گے مگر پھر بھی ان کی یہ حالت ہے کہ غوائل نفس سے غافل نہیں تھے تابماچہ رسد (ہماری تو کیا حقیقت) اگر ہم مان بھی لیں کہ کسی نے تہذیب نفس کامل ہی کر لی تب بھی اس کو بے فکر ہو جانا کیا معنی تہذیب کامل ہو جانے کے وقت وہ بے شک تندرست ہے پھر کیا تندرست ہمیشہ کے لئے تندرست رہا کرتا ہے۔ کیا ہم کو تندرستی کے بعد بیماری نہیں آتی کیا ممکن نہیں کہ کسی وقت کامل کو بھی تکبر کا مرض پیدا ہو جائے جیسے ہم کو تندرستی کے بعد بیماری آجاتی ہے اور یہ علیٰ سبیل التنزیل کہا جاتا ہے۔ ورنہ ہم تندرست ہی کون سے ہوئے تھے۔ ہمیشہ بیمار ہی رہے اور بیماری بھی ایک نہیں ہے مرض کے اندر مرض مرض کے اندر مرض بھرے پڑے ہیں۔ ہم تو سچ مچ گندر گند ہیں ان امراض کی شرح کہاں تک کی جاوے۔ بس اس کی اصلاح کی تدبیر یہی ہے کہ اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دو۔ وہ تفصیل جانتا ہے ہر موقع ومحل پر مناسب تدبیر بتادے گا۔ آپ کو تفصیل وغیرہ یاد رکھنے کے بارے سے سبکدوشی رہے گی۔ اگر کسی وجہ سے یہ میسر نہ ہو تو اس فن کی کتابیں ہی دیکھو اور متواضعین کی حکایت پڑھتے ہی رہو۔ یہ ہے ابتدائی علاج۔ اس حدیث میں بصورت اخبار اس کی تعلیم دی گئی ہے اس طرح پر کہ اس پر ایک وعدہ بھی کیا گیا ہے: مَنْ تواضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ یعنی جو کوئی تواضع اختیار کرے اس کو حق تعالیٰ رفعت عطا فرمائیں گے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ تواضع عندالشرع کوئی مطلوب چیز

نہیں ۔ اگر کسی کو رفعت کی خواہش ہے تو وہی اس کو اختیار کرے بلکہ اس کا واقعی نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ رہا تواضع کا مطلوب اور مامور بہ ہونا وہ بجائے خود ثابت شدہ چیز ہے۔ ثمرات کا بیان اس واسطے کیا جا تا رہا ہے کہ اس سے زیادہ شوق پیدا ہو مطلب یہ کہ قطع نظر اس کے ضروری ہونے سے اگر رفعت چاہتے ہو تو وہ بھی اسی سے پیدا ہوگی کسی شاعر نے کہا ہے۔

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو　　کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

(اگر تجھ کو شہرت کی ہوس ہے تو گوشہ نشینی اختیار کر اس لئے کہ گوشہ گیری نے عنقا کے نام کو مشہور کر دیا)

پس اگر رفعت کی تحصیل کی خواہش ہے تو اس کی تدبیر بھی تکبر نہیں ہے۔ جیسا کہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اس کی تدبیر بھی یہی ہے تواضع اختیار کرو۔ مگر اللہ کی قید بھی یاد رہے۔ کہ اللہ کے واسطے تواضع اختیار کرو (نہ بقصد شہرت) رفعت دے گا۔ یہ حدیث کا وعدہ ہے اور حدیث میں دنیا و آخرت کی بھی قید نہیں ہے ۔ معلوم ہوا کہ دونوں جگہ رفعت نصیب ہوگی ذوق نے خوب کہا ہے۔

دیکھ چھوٹو کو ہے اللہ بڑائی دیتا　　آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

اللہ تعالیٰ تواضع کرنے والے کو دنیا میں بھی بڑائی دیتا ہے اور آخرت میں تو ہے ہی چنانچہ دنیا میں تعریف ہوتی ہے کہ فلاں شخص بڑے منکسر المزاج ہیں اپنے آپ کو کھینچتے نہیں، ہر شخص سے ملے جاتے ہیں ۔ اور جب اس میں بناوٹ نہیں دیکھتے تو اس کی محبت اور وقعت قلوب میں ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ بڑے سے بڑے حاکم اور بادشاہ کی بھی نہیں ہو سکتی کوئی اس کا مخالف نہیں رہتا ہر شخص کو اس کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے۔ پھر ایسے شخص کی زندگی کیسی اچھی زندگی ہوگی ۔ چونکہ اس مضمون کی عام ضرورت تھی اس واسطے بیان کیا گیا (یہاں پہنچ کر عصر کی اذان ہوئی تو سکوت کیا اور فرمایا میں بیان کو دو منٹ میں ختم کرتا ہوں) بعد اذان فرمایا میں بیان ختم کر چکا صرف نام رکھنا باقی ہے۔ اس وقت تحصیل رفعت کا طریقہ بیان ہوا

ہے۔اور مقام کا نام قنوج ہے تو وعظ کا نام رفعت قنوج ہونا چاہئے تھا۔مگر لفظی رعایت کے لئے رفعت کا ترجمہ اوج کر دیا جائے تو اُوج قنوج کا نام مناسب ہے۔اور راز اس نام میں یہ بھی ہے کہ قنوج اس وقت بہت پستی کی حالت میں ہے۔حالانکہ کسی وقت بہت بڑی جگہ تھی۔اور اس پستی کی تمام تر وجہ ناانصافی ہے اور ناانصافی کی وجہ کبر ہے اور ظاہر ہے کہ علاج بالضد ہوا کرتا ہے۔کبر کی ضد تواضع ہے۔جس کا آج بیان ہوا کبر کا اختیار کرنا باعث ہوا پستی کا تو اس کے ضد کا اختیار کرنا باعث ہوگا رفعت کا تو اس بیان پر عمل کرنا باعث ہے اوج ورفعت کا زمانہ کے عقلاء ترقی کی دھوم مچاتے ہیں۔اور اس کی صورتیں سکھلاتے ہیں۔مگر ترقی کی جڑ نہیں سکھلاتے وہ جڑ تواضع ہے جس پر اس وقت مفصل بحث ہوئی لہذا اوج قنوج نام رکھا جاتا ہے اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ فہم دین اور عمل کی توفیق عطا فرمادیں۔

خلاصہ وعظ

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ (حدیث) (جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو بلندی ورفعت عطا فرماتے ہیں۔) امراض بہت ہیں جن کی تفصیل دشوار ہے۔مگر ام الامراض کبر ہے اس کا علاج اس حدیث میں ہے یہ حدیث اس واسطے اختیار کی گئی ہے کہ یہ مرض عام ہے ہر قسم کے لوگوں میں حتیٰ کہ اہلِ علم میں بھی یہاں تک کہ بعض اپنے جہل پر قرآن وحدیث سے شہادت لاتے ہیں۔ مثلاً قُلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ آپ کہتے کیا عالم اور غیر عالم برابر ہوسکتے ہیں) ان کو وہ آیات واحادیث بھی یاد کرنی چاہئے جو عالم بے عمل کی مذمت میں وارد ہیں۔علاوہ براں میں کسی عامی کو بھی حقیر سمجھنا چہ معنی۔ تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد (یار کس کو چاہتا ہے اور اس کا میل کس کی طرف ہوجاتا ہے)

شبہ: کیا خدائے تعالیٰ کے یہاں بھی کوئی قاعدہ اور قانون مقرر نہیں اس طرح تو نیکوکار اور بدکار سب برابر ہوجاتے ہیں اور وعدہ وعید کوئی چیز نہ رہا حالانکہ نصوص اس کے

خلاف ہے۔ جواب: وعدہ اور وعید صحیح ہیں لیکن اعمال اگرچہ آپ کے ارادہ پر ہیں تاہم ارادہ کا پلٹ دینا حق تعالیٰ اختیار میں ہے۔ اور یہی خوف کی وجہ ہے وعدہ اور وعید پر یقین چاہئے اور قدرت ارادہ سے خوف (جیسا کہ ایک پابند قانون حاکم کے سامنے جانے سے خوف ہوتا ہے۔ ناز و انداز انکشاف وعظمت خداوندی نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ہمارے اعمال حق تعالیٰ کے سامنے کیا ہیں۔ علاوہ ازیں ناز مکتسب چیز پر ہوتا ہے اور ہمارے اعمال کسی درجہ میں مکتسب سہی مگر درحقیقت علت ان کی مشیت حق ہے ایک بزرگ نے ذکر اللہ کرنا چاہا مگر نہ کر سکے یاد آیا کہ جوانی میں ایک کلمہ بے ہودہ زبان سے نکلا تھا۔ یہ اس کی سزا ہے۔

حضرت جنیدؒ بغدادی کا ایک مرید ایک امرد پر نظر کرنے سے قرآن مجید بھول گیا جس کو علم پر ناز ہو وہ اس آیت کو یاد کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہے: وَلَئن شِئنا لنذ هَبَنَّ بِالَّذی اوحینا الیکَ ثُمَّ لا تجدلك به علینا و کیلاً الّا رحمةَ من ربك انَّ فضلهُ کان علیكَ کبیراً (یعنی اگر ہم چاہیں تو وہ تمام علوم جو آپکو دیے ہیں دفعۃً سلب کرلیں پھر آپ کا کوئی کارساز نہیں ہوسکتا بس رحمت خدا ہی ساتھ دے سکتی ہے اللہ کا فضل آپ پر بڑا ہے) غرض مختلف طریقوں سے تکبر قلوب میں موجود ہے اور یہ مرض ام الامراض ہے تمام عیوب اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً غصہ حتیٰ کہ بعض وقت زبان سے ظاہر ہونے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ بعض آدمی کہنے لگ جاتے ہیں۔ تو جانتا نہیں کہ میں کون ہوں ایک ایسے ہی شخص کے جواب میں ایک بزرگ نے کہا کہ جانتا ہوں: اوّلك نُطفةٌ قَذِرَة وَآخِرُكَ جیفةٌ قذرة، وانت بینَ ذٰلك تُحملُ العذرة (تو تو ایک پلید نطفہ تھا اور انجام کار ایک گندہ مردار ہو جائے گا۔ اس کے درمیان یہ حالت ہے کہ نجاست کو پیٹ میں لئے پھرتا ہے) اور یہ واقعی بات ہے غلیظ سے کسی کا پیٹ بھی خالی نہیں حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ اس کو مستور کردیا ہے۔ مرض گندہ ذہنی میں اس مستوری کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

تفریع برگندہ ذہنی

دین کے حقیقت شناس دو گروہ ہیں۔فقہاءاور صوفیہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس مریض سے جماعت کو ایذا ہو وہ نماز علیحدہ پڑھ لے تکثیر جماعت مہتم بالشان ہے اسی کی ضرورت سے امام کی صفات میں یہاں تک لکھا ہے کہ خوبصورت بیوی والا بھی گونہ ترجیح کے قابل ہے۔اور مقتدی کو لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت ہے۔حضرت عمرؓ نے ایک مجذوبہ کو طواف سے منع کر دیا تھا۔حق تعالیٰ نے حیات میں پردہ ڈھکا ہے اور بعد موت بھی جنازہ کی تجہیز و تکفین میں تعجیل اور خوشبو لگانے میں یہی حکمتیں ہیں۔ایک نفع اس تعجیل میں یہ بھی ہے کہ مردے سے نفرت نہ ہو۔کہ وہ ایصال ثواب سے مانع ہو جاوے۔اس سے یہ بات بھی نکلی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کے دماغوں کی حفاظت کی ہے تو انکو جہنم میں کیسے چھوڑ دیں گے۔اگر ہم کو اپنی گندہ حالت یاد رہے تو کبھی تکبر نہ آئے اگر ویسے یاد نہ رہے تو ایک سہل مراقبہ روزمرہ کا یہ ہے کہ پاخانہ میں بیٹھ کر اپنی حالت کو دیکھا کیجئے۔اس وقت کی ہیئت میں غور کیا کیجئے۔اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم کون ہیں۔(اگر چہ بعض لوگ پاخانہ میں دلچسپی کا سامان لیجاتے ہیں یعنی اخبار دیکھتے ہیں خیر ان کی سزا یہی ہے کہ پاخانہ میں بندر ہیں) آپ بجائے اس شغل دلچسپی کے اپنی حالت کا مراقبہ کیا کیجئے کہ یہ کیا ہیئت ہے اور ٹانگوں کے بیچ میں سے کیا نکل رہا ہے یہ بات ہے تو بے ہودہ مگر کارآمد اس قدر ہے کہ حق تعالیٰ نے الوہیت مسیح کی نفی پر آیت کانا یأکلان الطّعام (وہ دونوں کھانا کھاتے تھے میں اسی استدلال کیطرف اشارہ کیا ہے غرض اپنی اس حالت کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ جو شخص دن میں دو تین مرتبہ نجاست میں مبتلا ہوتا ہے وہ کیا بڑا ہے اگر پانی پیدا نہ ہوا ہوتا تو ہر وقت سنے ہی رہتے۔(اگر چہ سنا رہنا بھی بعضے بھدی مذاق والوں کے نزدیک عیب نہیں رہا جیسا فیشن والوں میں مشاہدہ ہے کہ کاغذ سے استنجا کرتے ہیں جس سے صفائی نہیں ہو سکتی۔اور ان کی پتلونیں سنی ہوئی لتی ہیں پھر ٹپ میں بیٹھ کر نہاتے ہیں۔

اور وہ نجاست منہ تک میں جاتی ہے۔ طریقہء سنت چھوڑنے کی سزا یہی ہے پس جب ہمارے اندر یہ گندگیاں بھری ہوئی ہیں تو کیا بڑائی اور کس بات پر غصہ آوے اور غصہ خود بھی بُری چیز ہے غصہ کے نتائج یہ ہیں کہ اگر قدرت انتقام ہوتو ظلم ورنہ کینہ اور حسد اور ایذ ارسانی پھر مکر وفریب غرض یہ غصہ کبر کی فرع ہے تو کبر کا قبح اس سے زیادہ ظاہر ہوگیا۔ اسی کبر کے باب میں اورقرآن شریف میں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْر (اللہ تعالیٰ متکبر شیخی باز کو پسند نہیں کرتے) اور اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند فرماتے) یہ تین لفظ اس واسطے ہیں کہ کبر قلبی کبھی تہذیب کی وجہ سے مخفی رہتا ہے۔ اس کے واسطے لفظ مستکبرین ہے۔ اور تہذیب کی کمی سے اس کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ پھر اگر زبان سے ظہور ہوتو اس کی نسبت لفظ فخور ہے اور اگر صرف افعال سے ہو۔ اس کے لئے مختال ہے فیشن بنانا بھی مختال میں داخل ہے اس تکبر پر وعیدیں بہت ہیں۔ مگر اس آیت میں لایحب آیا ہے۔ یہ بھی کچھ کم نہیں بلکہ سب سے زیادہ ہے کیوں کہ تمام وعیدوں کی انتہاء اسی پر ہوتی ہے۔ اور اس میں بجائے یبغض کے لایحب فرمایا گیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ جملہ کاموں میں تین مرتبے ہیں پسند ہونا اور پسند نہ ہونا اور گو برابر بھی نہ سمجھا جائے اور برابر سمجھنا ظاہر ہے کہ کبر قسم اول کا عمل تو یہ ہے نہیں اور قسمین اخیرین میں سے بھی اخیر کا ہے مگر اس کے واسطے بجائے یبغض کے درمیانی قسم کا لفظ لا یحب فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ محبِ خدا کو تیسری قسم کے لفظ سنانے کی نوبت بھی نہیں آسکتی۔ درمیانی لفظ بھی اس کے مرجانے کے لئے کافی ہے دیکھئے حکام کی نظر پھری ہوئی دیکھ کر اہل کاروں پر کیا گذر جاتی ہے۔ اور محبّ خدا ہر مسلمان ہے خواہ وہ کیسا ہی عاصی اور گناہ گار کیوں نہ ہو۔ اس محبت کا ظہور عوام سے بھی جانبازی کے وقت ہوتا ہے کہ خواص سے بھی زیادہ کام کرجاتے ہیں تو مسلمان کے لئے لَایحب انتہائے لفظ ہے کیا بلاغت ہے اور ہر مسلمان کو جو میں نے محب خدا کہا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اول حق تعالیٰ کو عبد سے محبت ہوتی ہے، پھر اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ عبد کو حق تعالیٰ سے محبت ہو جاتی ہے اور اس اولیت کی دو دلیلیں ہوتی ہے۔ ایک نقلی ایک عقلی

نقلی تو یہ ارشاد وماتشاؤن الا ان یشاء اللہ (تم نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ چاہیں) تو اول ادھر سے توجہ ہوئی اور عقلی اس طرح کہ محبت موقوف ہے معرفت تامہ حق تعالیٰ کی ہو نہیں سکتی کیوں کہ وہ مرئی نہیں نہ اس کا کوئی نمونہ ہے۔ لیس کمثلہ شیئی (اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے) اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ انسان میں محبت خدا ضرور ہے تو ضرور وہ بارادہ وتوجہ باری تعالیٰ ہوئی۔ یہاں سے اہل ظاہر کا بھی جواب ہوگیا۔ انہوں نے محبت خدا کا انکار کیا ہے بدلیل مذکور یعنی وہ مرئی نہیں نہ اس کا کوئی مماثل ومشابہ ہے نیز اس واسطے کہ محبت نام ہے خاص تعلق کا جو موقوف ہے طرفین کی مناسبت پر اور ممکن اور واجب میں مناسبت نہیں تو ان کی محبت کیسے ہوسکتی ہے۔ جواب یہ ہوا کہ محبت محال جب ہی ہے کہ بندہ کی طرف سے مانی جاوے اور جب کہ حق تعالیٰ کی طرف سے مانی جاوے تو محال نہیں تو قدرت کے سامنے کوئی چیز محال نہیں اور حق تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے۔ اہل اللہ سے محبت بھی انہی کی طرف سے شروع ہوتی ہے اس کا شاہد یہ ہے کہ مرید کو اتنا تعلق نہیں ہوتا جتنا ان کو ہوتا ہے غرض محبت حق بندہ کی غذا ہے تو اس کی ضد یعنی بغض تو بہت دور ہے بندہ کے مرجانے کے لئے تو عدم محبت ہی کافی ہے جو ترجمہ ہے لایحب کا جیسے مرنے کے لئے یہی ضروری نہیں کہ زہر کھایا جاوئے بلکہ منع غذا بھی قاتل ہے یہ بیان ہے لایحب کے انتہائی لفظ ہونے کا پس جب کہ کبر مبغوض ہوا تو اس کی ضد یعنی تواضع محبوب اور محمود ہوئی نیز تواضع علاج بھی ہے کبر کا اس وجہ سے بھی ضروری ہے مگر تواضع کے معنی سے لوگ علی العموم ناواقف ہیں۔ جہلا تو خاطر داری کو کہتے ہیں اور نئے تعلیم یافتہ اکثر تو لفظ تک بھی صحیح نہیں جانتے اور جو جانتے بھی ہیں وہ تصنع اور جھک جھک کر سلام کرنے کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تصنع تواضع نہیں بلکہ درحقیقت تکبر ہے جو ضد ہے تواضع کی تواضع کے حقیقی معنی پستی اور انکساری اختیار کرنا نہ صرف ظاہراً بلکہ قلب سے اسی لئے متواضعین جھک جھک کر سلام نہیں کرتے بلکہ کوئی ان کی مدح کرے تو اس پر بھی انکار نہیں کرتے تا کہ وہ خود ان کو بے حس یا مغرور سمجھ کر خاموش ہوجائے نہ نئے مذاق کی طرح کہ مدح کرنے پر شکریہ کیا جاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ

ایسے ہی مدح کیا کرو اور اسی کا مستحق ہوں مولانا محمد یعقوب صاحب کا یہی معمول تھا کہ مادح کے مدح پر خاموش ہو جاتے گویا متکبر ہیں کہ مدح پر انکار نہیں مگر تکبر کا نام ونشان نہ تھا ایک بار آموں کو دعوت میں سے سر پر رکھ کر بے تکلف لے آئے مگراب تکبر کا نام وضع داری رکھا ہے جو حدود شرعیہ کے اندر مستحسن ہے لیکن اکثر اوضاع کی بناء اس وقت کبر پر ہے تاوقتیکہ مولانا کی طرح اصلاح نہ کر لی گئی ہو مگر آجکل خود اصلاح اخلاق ہی طرف توجہ نہیں ہے۔ حالانکہ بزرگوں نے اس کا بڑا اہتمام کیا ہے مولانا مظفر حسین صاحب کرایہ کی بہلی میں سے صرف اسلئے اتر پڑے کہ وہ رنڈی کی تھی لیکن دل شکنی کے خیال سے اس کو واپس نہ کیا اور کرایہ دیا یہ ہے حقیقی دین۔ باقی کتابوں سے صرف ضابطہ دین کا آتا ہے اور ایسا حقیقی دین کسی کی جوتیاں سیدھی کرنے بلکہ جوتیاں کھانے آتا ہے چنانچہ اہل اللہ تمام اخلاق کی تکمیل کرتے ہیں تقویٰ کے ساتھ دل شکنی بھی نہیں کرتے نیز نرمی کے ساتھ کام لیتے ہیں مگر جب کہ اصلاح بغیر سختی کے نہ ہو سکے۔ اس وقت سختی بھی کرتے ہیں۔ ان ہی مولانا مظفر حسین صاحب نے نرمی سے ایک پہلوان کو نمازی بنا دیا۔ ان ہی بزرگ نے ایک رئیس کو بے وضو نماز کی صورۃ اجازت دی مگر وہ ان کی برکت سے باوضو پڑھنے لگا تو غیروں پر سختی نہ کرنا چاہئے۔ ہاں جس پر حکومت ہو اس پر بضرورت مضائقہ نہیں یہی اخلاق ہے جن سے اسلام پھیلا ہے نہ بزور شمشیر، کیوں کہ شمشیر زنی کے لئے شمشیر زن کہاں سے آئے تھے اسی اخلاق سے۔ واقعات اس کے شاہد ہیں جن سے اسلام پھیلا۔ ان کی یہ حالت تھی کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فر بادشاہ کی تصویر کی آنکھ کے بدلے صلح کی بناء پر اپنی آنکھ پھوڑ ڈالنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حالانکہ کفار پر غالب تھے بس اس اخلاق سے اسلام پھیلا ہے نیز شمشیر سے رفع شر ظاہر ہوتا ہے۔ نہ کہ اصلاح قلبی اور اسلام نے اصلاح کی ہے نیز اگر اسلام بزور شمشیر کسی سے قبول بھی کروالیا جائے تو اس کو بقا کس چیز سے ہو سکتی ہے سوائے حقانیت کے وہ حقانیت اخلاق ہی سے قلب میں گھستی ہے ان ہی مولانا کی تواضع کی یہ حالت تھی کہ ایک بڈھے کا بوجھ اپنے سر پر رکھ کر گاؤں تک پہنچا دیا۔ اور ایک بنیئے کی سختی پر

صبر کرلیا جس نے ایک شبہ میں سختی کی تھی۔اور باوجود قدرتِ انتقام کے کچھ بھی نہ کہا بلکہ خوش ہوئے کہ اب مجھ میں مصافحہ میں ہاتھ چومے جانے کے وقت عجب پیدا نہ ہوگا۔اسی سختی کو یاد کرلوں گا۔غرض تواضع کی ایک صفت حسنہ ہے جو کبر کا مقابل ہے اس کی تحصیل کی تدبیر کرنی چاہیے۔بازار سے خود سودا خرید لیا کرو۔اور نفس کو عار ہو تو سر پر لادو۔امیروں کی طرح اپاہج مت بنو تاکہ تکبر نہ پیدا ہو۔اور اس سے دنیوی ضرر بھی تو ہے چنانچہ تکبر کے آثار میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خرچ بڑھتا ہے۔اور مال حرام کمائی کی ضرورت پڑتی ہے جو دنیا میں بھی مضر ہے اور تواضع کی جو تدبیر اوپر بتلائی گئی کہ بازار سے سودا لے آیا کریں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس پر اعتراض کفار کا کام ہے۔قال اللّٰہُ تعالیٰ وقالو اما لِهٰذا الرَّسولِ يا كُلُ الَطَعامَ وَيَمْشى فى الَاَسواقِ (یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے)۔اور ان باتوں میں کفار کی تقلید کرنا صرف صورت معاشرت ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ محبت کی دلیل ہے۔اور موجب حدیث المرء مع من احب قیامت میں کفار کے ساتھ ہونے کا اندیشہ ہے غرض کبر کے احتمال سے بھی بچے خواہ وہ ظاہر میں چھوٹی سی بات ہو بعضے چھوٹی بات کا منشاء بھی کبر ہوتا ہے۔مولانا محمد مظہر صاحب خط بنوانے کے لئے پائنتی سے سرہانے کو نہ بیٹھے آخر حجام نے اس طرح بنایا اگر ہم سے یہ نہ ہو سکے تو حدود شرعیہ کے اندر رہنا چاہیے۔اور کبر کے سبب ان باتوں میں تو فرق نہ کرنا چاہیے جن میں شریعت نے چھوٹے بڑے کو برابر رکھا ہے۔جیسے لفظ سلام یا جماعت ہاں لہجے میں فرق ہونا چاہئے کہ چھوٹے نیازمندی کے لہجہ سے سلام کریں۔اور بڑے ان کو حقیر نہ سمجھے لیکن ان کی مصلحت سے ان کو ان کی حد سے بھی نہ بڑھاویں۔چنانچہ چھوٹوں کو بعض وقت سرہانے بٹھانے میں ان کی دنیاوی اور دینی مضرت ہے۔دنیوی تو یہ کہ کہیں پٹ نہ جائیں گے اور دینی یہ کہ وہ متکبر ہو جائیں گے۔غرض تکبر نہایت سخت مرض ہے اور علاج اس کا تواضع ہے۔تواضع کی تفصیل تدابیر کی ہمت نہ ہو تو یہ مشترک علاج کرلے اہل اللہ نے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں۔مولانا محمد

اسماعیل صاحب شہید مسافروں کے پیر دباتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مسجد میں باوجود دھکے کھانے کے پڑے رہے اور فرمایا کہ یہ مادۂ کبر کا مسہل تھا۔ اور مبتلا کو تو علاج ضروری ہی ہے غیر مبتلا کو بھی بطور حفظ صحت کبر کا علاج چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے اسی کے لئے مشک بھر کے پانی پلایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی لئے کرتہ کی آستین پھاڑ دی اور حدیث مَن تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رفعہُ اللہ میں بجائے صیغہ امر کے طور پر اخبار و وعدہ حکم کیا گیا ہے کیوں کہ ایسے وعدہ سے ہمت ہوتی ہے اور رفعت موعودہ تواضع کا لازمی نتیجہ ہے سو اگر کسی کو رفعت ہی مطلوب ہو اس کے حصول کے لئے بھی تواضع چاہئے۔ مگر للہ کی قید بھی یاد رہے۔ اور حدیث میں وعدہ رفعت کے ساتھ دنیا یا آخرت کی قید نہیں اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں جگہ رفعت ہوگی۔ اور مشاہدہ بھی ہے کہ متواضع سے ہر شخص کو محبت ہوتی ہے اور اس کا کوئی مخالف نہیں ہوتا تو اس کی زندگی بہت اچھی ہوتی ہے۔

الوعظ المسمی به

دستور سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

این	کہاں ہوا	سہارنپور دار الطلبہ۔
متیٰ	کب ہوا	۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ
کم	کتنی دیر ہوا	۔
کیف	کس طرح ہوا	کھڑے ہوکر
ماذا	کیا مضمون تھا	استغناء و تواضع کا اکتساب اور تکبر و تذلل سے اجتناب
من ضبط	کس نے لکھا	مولوی اسعد اللہ صاحب مدرس مظاہر علوم سہارنپور
المستمعون	سامعین کی تعداد	سو ۱۰۰
الاشتات	متفرقات	اہل علم زیادہ تھے۔

خطبۂ ماثورہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ۔۔۔ أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ"

تمہید

یہ ایک مختصر و جامع حدیث ہے جس میں جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دو مضمون ارشاد فرمائے ہیں یعنی بصیغۂ ترغیب دو باتوں کا امر ہے اور دو باتوں سے جو امرین مذکورین کی ضد ہیں، نہی ہے۔ ہر چند کہ اس حدیث شریف کا بیان اس سفر میں ایک جگہ ہو چکا ہے لیکن چونکہ اس مرض میں جس کا علاج اس حدیث میں مذکور ہے ابتلاء عام ہے۔ اس لئے ہر موضع اور ہر مقام پر اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کو بیان کیا جائے کیونکہ شاذ و نادر ہی کوئی خدا کا بندہ ایسا ہوگا کہ اس وبائے عام میں مبتلا نہ ہوا اور اس مرض سے محفوظ ہو۔ صرف زاہد متقی متورع خالص مخلص مخلَص اس مرض جانکاہ سے سالم رہ سکتا ہے ورنہ کس کی مجال ہے کہ اس سے بچا رہے بغالب احوال ہر شخص کم و بیش اس مرض روحانی میں ضرور مبتلا ہے اس لئے اس کے بیان کی بار بار حاجت ہے اور اس کی ضرورت تا اختتام عمر ختم نہ ہوگی

کیونکہ جب امراض عمر بھر ساتھ نہ چھوڑیں گے تو اُن کے معالجات کی بھی عمر بھر ہی ضرورت و حاجت ہوگی۔

اور چونکہ ایک بیان وتقریر کے مکرر ہونے کے مختلف اسباب ومختلف وجوہ ہوا کرتے ہیں اسلیئے اس کو تکرار محض نہ کہا جائے گا اور اگر چشم حقیقت میں سے دیکھا جاوے تو تکرار بھی مضر نہیں، غرض یہاں اول تو تکرار ہی نہیں اور اگر تسلیم بھی کرلیں تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ عبث وہ تکرار ہے جس میں کچھ نفع متصور نہ ہو کسی قسم کا نیا فائدہ حاصل نہ ہو اور یہ تکرار ایسا نہیں ہے کیونکہ اس سے تاکید مزید حاصل ہوتی ہے تکرار علی اللسان سے تقرر فی القلب ہوتا ہے۔

آیات کا تکرار

قرآن شریف میں غور وتامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر مقامات پر تھوڑے تفاوت سے بعض آیات کو مکرر بیان فرمایا ہے اور بعض مواضع میں تو مضمون واحد کو بعبارتہ مکرر نقل فرمادیا ہے اور حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس کی علت بھی بیان فرمائی ہے کہ مضامین کو کیوں مکرر بیان کیا جاتا ہے ولقد صرفنا فی ھذا القرآن لیذکروا یعنی تاکہ تم اس سے عبرت حاصل کرو اس کو قلب میں جگہ دو اس کو اپنا پیشوا اور رہنما بناؤ نصیحت حاصل کرو اوامر کو بجالاؤ نواہی سے پرہیز کرو۔

البتہ یہ طرز مصنفین کا نہیں ہے ان کو تو ایک مضمون کے مکرر بیان کرنے سے عار آتی ہے وہ تکرار سے اپنی شان تصنیف کی ہتک سمجھتے ہیں اسی لئے جدید اور نئے مضامین تجویز کرتے ہیں نئی نئی عبارتوں میں مطالب ادا کرتے ہیں ایک مضمون کو دوبارہ کبھی نہیں بیان کرتے اور کسی مقام پر سہواً وعمداً ایسا ہو جاوے تو اس طبقہ میں وہ موجب اعتراض ہوتا ہے چونکہ مقصود مصنفین کا امر آخر ہوتا ہے اس لئے تصنیف کا طرز قرآن کے طرز سے مختلف ہو گیا مصنفین کا مقصود محض ضبط مسائل ہے یہ مقصود نہیں کہ مخاطب کے ذہن میں یہ مضامین جم

جائیں اور ظاہر ہے کہ تکرار اس مقصد کے ضرور منافی ہے اور حق تعالیٰ کا مقصود تنزیل قرآن سے محض ضبط مسائل یا واقعات کا جمع کرنا نہیں ہے، بلکہ اُن کا مقصود بندوں کی اصلاح ہے اور اصلاح جب ہی ہوتی ہے کہ مخاطب کے ذہن میں نصیحت کے مضامین خوب جم جائیں اور بعضی باتیں ذہن میں ایک دفعہ کہنے سے نہیں جمتی بلکہ بار بار کہنے سے جمتی ہے اس لئے قرآن میں تکرار واقع ہوا۔ اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ حق تعالیٰ نے جو بعض تکرار فرمایا ہے یا احادیث میں مکرر جملے واقع ہوئے ہیں اس کا منشاء محض عطوفت وشفقت ہے کہ مخاطب کے ذہن میں مضمون اچھی طرح جم جائے دل میں بالکل اُتر جائے کوئی خدشہ نہ رہے۔ مصنفین اس شفقت سے کالے کوسوں دور ہوتے ہیں ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی اس لئے وہ تکرار سے بچتے ہیں اور فی الحقیقت قرآن وحدیث کا یہ تکرار محض صورۃً ہی ہے کیونکہ جب اس سے مزید تاکید حاصل ہوگئی تو ایک نیا نفع حاصل ہوا اور جس کلام سے نیا فائدہ حاصل ہو وہ تکرار محض سے منزہ ہے گویا اس میں دو پہلو ہیں ایک تاسیس کا کہ وہ باعتبار زیادت تاکید و زیادت نفع کے ہے۔ دوسرا تاکید کا کیونکہ یہ مضمون لفظاً تو مضمون اول ہی ہے لہٰذا یہ صورت جامعہ تاکید محض وتاسیس محض دونوں سے اولیٰ ہے کیونکہ یہ دونوں باتوں کیلئے جامع ہے اور ظاہر ہے کہ مجموعۂ امرین امر واحد سے اولیٰ وانفع ہوتا ہے۔

اور اگر اس تکرار صوری میں مضامین بھی کچھ بدل جائیں، اور مطالب و مآرب بھی مختلف ہو جاویں تب تو وہ تکرار صوری بھی نہیں رہتا۔ اس وقت میرے بیان کی یہی شان ہوگی کہ متن مضمون تو وہی ہوگا جو پہلے بیان ہو چکا ہے مگر اس کی شرح وتفصیل میں مضامین سابقہ کا بعینہٖ اعادہ نہ ہوگا بلکہ طرز بیان بھی جدا ہوگا اور انشاء اللہ مضامین میں بھی بہت سے نئے ہوں گے پس یہ تکرار محض سے اس طرح بھی نکل گیا گو مضامین سابقہ کے بعینہٖ اعادہ سے بھی تکرار محض نہ ہوتا کیونکہ اس وقت تاکید محض کا فائدہ حاصل ہوتا مگر اب تو بالکل ہی تکرار نہ رہا صرف آیت یا حدیث کی تلاوت کا تکرار رہ جاتا ہے جو کسی درجہ میں بھی موجب جرح نہیں کیونکہ یہ تو محض چند الفاظ وکلمات وحروف کا تکرار ہے مضمون کا تکرار نہیں لہٰذا بیان

سابق اس بیان لاحق کیلئے مانع نہ ہوا۔ نیز میں سفر دور و دراز کی وجہ سے مضمحل بھی ہو رہا ہوں بدن پر تکان بہت ہے اس حدیث کے بیان کرنے میں آسانی وسہولت بھی ہوگئی کچھ تکلف نہ کرنا پڑا اور نہ بتکلف سوچنا کہ کس مضمون کو بیان کروں کونسی آیت یا حدیث کے متعلق وعظ کہوں لیکن باوجود اتحاد حدیث کے مضمون بالکل نیا ہوگا وہ پہلا وعظ بھی قلمبند ہو چکا ہے بعد طبع کے موازنہ و مقابلہ سے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے مضامین اس کے مضامین سے بالکل جدا و ممتاز ہیں صرف تلاوت حدیث ہی کا تکرار ہے جو کہ علاوہ فوائد مذکورہ کے موجب خیر و برکت بھی ہے۔ غرض اس حدیث شریف میں امراض عامہ کو بتایا گیا ہے اور ان کے معالجہ کی تعلیم فرمائی گئی ہے۔

امراض ظاہری و باطنی

خلاصہ یہ ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بظاہر تو ایک ہی بات کی ترغیب فرمائی ہے لیکن اگر فکر سے کام لیا جاوے اور عقل پر زور دیا جاوے تو دو باتوں کی ترغیب معلوم ہوتی ہے اسی طرح مقابلہ میں بظاہر ایک امر سے ترہیب معلوم ہوتی ہے لیکن نظر تعمق و خوض سے دو امر مرہوب عنہ معلوم ہوتے ہیں۔ امر ترغیبی ایک تو تواضع میں مصرح ہے اور دوسری کا انکشاف للہ کی قید سے ہوتا ہے۔ پس من تواضع سے تو تواضع کا محمود و مرغوب ہونا اور اس کا واجب العمل اور مامور بہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور للہ سے اس میں اخلاص کی طلب معلوم ہوتی ہے۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع کو للہ سے مقید فرمایا ہے اس قید کے اجتماع وارتفاع کے احتمال سے دو قسمیں پیدا ہوگئیں اول تواضع للہ ثانی تواضع لغیر اللہ اور تواضع کی اس قسم ثانی یعنی تواضع لغیر اللہ میں جو لفظ غیر ہے اس سے اس کے لغوی معنی مراد نہیں ہے اور نہ مصطلح مناطقہ وفلاسفہ مراد ہے لغوی معنی بھی اسی اصطلاحی معنی کے قریب قریب ہیں یعنی یہ کہ دو چیزوں کے مفہوم میں تباین ہو مصداق میں تفارق مانع عن الحمل ہو بلکہ غیر

سے مراد وہ غیر ہے جو اصطلاح متکلمین میں مستعمل ہے یعنی جو لفظ غیر کی صفات الٰہیہ کی بحث میں واقع ہوا ہے کہ صفات لاعین ولا غیر ہیں جو اس غیر کے معنی ہیں اور وہ معنی مذکور کے علاوہ ہیں کیونکہ اگر یہاں غیر سے لغوی یا منطقی معنی مراد لئے جاویں تو صریح الاستحالہ ہے بداہۃً قول بارتفاع النقیضین ہے بلکہ یہاں وہ غیر مراد ہے جو نصوص شرعیہ وآثار نبویہ میں واقع ہوا ہے اور وہی محاورات مشہورہ واطلاقات عرفیہ میں مستعمل ہوتا ہے۔

چنانچہ ہماری زبان اردو ہی میں بولتے ہیں کہ آپ تو بہت تکلف فرماتے ہیں اس کی کیا حاجت ہے، ہم اور آپ غیر تو نہیں ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہم میں اور آپ میں تغائر ذاتی نہیں ہے اتحاد مصداق ہے ہمارا آپ کا ایک دوسرے پر حمل ہوسکتا ہے بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ ہم بے تعلق نہیں ہیں ہم سے تمہارا قوی تعلق ہے۔ محاورات میں غیر کے معنی یہی مراد ہوتے ہیں اور یہی صفات کے لا غیر کہنے میں مراد ہیں یعنی ذات سے بے تعلق نہیں پھر اسی تعلق سے عینیت کی نفی فلاسفہ کے مذہب کی نفی کے لئے کی گئی۔ اسی طرح تواضع لغیر اللہ میں بھی غیر کے یہی معنی مراد ہیں یعنی ایسی تواضع جس میں حق تعالیٰ جلا جلالہ وعم نوالہ سے تعلق نہ ہو اس کی ذات بابرکات سے علاقہ نہ ہو بلکہ اغیار مقصود ہوں حق تعالیٰ شانہ کا اس میں لحاظ نہ ہو وعلی ہذا القیاس تواضع للہ میں بھی یہی گنجائش اور وسعت ہے کہ تواضع للہ بلا واسطہ ہو جیسے صوم وصلوٰۃ وحج وغیرہ من الفرائض والواجبات والسنن یا تواضع للہ بواسطہ ہو یعنی گو مخلوق کیلئے خفض جناح کیا جاوے لیکن حق تعالیٰ کے واسطے حق تعالیٰ کے امر کی وجہ سے تاکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ورضا حاصل ہو اس کا سبب حق تعالیٰ شانہ کی ذات والاصفات سے تعلق ہو اس کا محرک کوئی غیر نہ ہو تو وہ بھی حکماً تواضع للہ ہی ہے اگرچہ بظاہر تواضع لغیر اللہ ہے جیسے والدین کے ساتھ تواضع، استاد کے ساتھ تواضع، مرشد و پیر کے ساتھ تواضع ہے اور اپنے ہر بزرگ سناً یا عقلاً کے ساتھ تواضع کرنا اس کے سامنے اپنے کو پست بنانا خفض جناح ونرمی سے کام لینا یہ سب تواضع للہ کے افراد ہیں۔

تکبر وتذلل سے اجتناب

اور والدین و استاد و مرشد وغیرہ تو بڑے اور بزرگ ہونے کی وجہ سے قابل التعظیم واجب التکریم ہیں ہی حق تعالیٰ نے تو جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عام مسلمانوں کے ساتھ بھی خفض جناح اور تواضع کا حکم فرمایا ہے وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ یعنی افادہ میں بھی تواضع مطلوب ہے جیسے استفادہ میں تواضع مرغوب ہے۔ افادہ اور استفادہ دونوں میں اس کی احتیاج ہے یہ تواضع بھی لغیر اللہ نہیں اس میں بھی حق تعالیٰ سے تعلق ہے اس سے بھی اس کی رضا مطلوب ہے اس کا باعث بھی وہی ذات ہے اور تواضع للہ اور تواضع لغیر اللہ ہونے کا معیار یہ ہے کہ تواضع کا محرک ومحرض اگر امر شرعی ہے تو وہ تواضع للہ ہے اور اگر امر آخر ہے تو وہ تواضع لغیر اللہ ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے للہ کی قید سے تواضع لغیر اللہ سے نہی فرمادی اور تواضع للہ کا مامور بہ ہونا بتادیا۔

یہاں میں طلبہ کو اس پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس حدیث شریف میں بظاہر امر نہیں معلوم ہوتا محض شرط وجزاء میں لزوم کا حکم ہے اور وہ موضوع للامر نہیں مگر تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں امر موجود ہے لیکن وہ امر مضمر ومستتر ہے۔ کنایۃً ثابت ہوتا ہے والکنایہ ابلغ من التصریح۔ یعنی حدیث شریف سے تواضع للہ کا مرغوب فیہ ہونا مستنبط ہوتا ہے جیسا کہ اس کی ضد تواضع لغیر اللہ کا مرغوب عنہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور کسی شئی کا مرغوب فیہ ہونا مستلزم ہے اس کے مأمور بہ ہونے کو جیسے کسی شئی کا مرغوب عنہ ہونا اس کے منہی عنہ ہونے کو مستلزم ہے البتہ اس سے نہی وامر کے درجے ورتبے کی تعیین نہیں ہوئی سو وہ اور دلائل وبراہین سے معلوم ہوجائے گی اور عدم تعیین مضرت رساں بھی نہیں ہے کیونکہ مقصود بہر حال حاصل ہے یعنی ترغیب وترہیب۔

رہا یہ کہ جب مقصود امر کرنا تھا تو اسکے لئے صیغۂ امر کیوں نہ اختیار کیا گیا ترغیب کا

صیغہ کیوں اختیار کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مقاصد کے اختلاف سے ایک ہی شے کیلئے مختلف عبارات اور مختلف عنوانات اختیار کئے جاتے ہیں چنانچہ کسی جگہ پر مقصود اظہار شفقت ہوتا ہے کسی مقام پر مقصود ترغیب ہوتی ہے۔ علی ہذا مختلف مواقع پر مختلف مقاصد ہوتے ہیں مختلف حکمتیں اس پر مرتب ہوتی ہیں کسی امر کے بیان کیلئے گاہے صیغہ امر استعمال کرتے ہیں گاہے ضد سے نہی کرتے ہیں کبھی مجموعہ امرین کا بیان ہوتا ہے اسی طرح کسی امر کی نہی کیلئے یا تو صراحۃً ممانعت ہوتی ہے یا اس کی ضد کی طلب سے اس کا منہی عنہ ہونا بتلا دیا جاتا ہے یا مجموعہ امرین کو ذکر کرتے ہیں۔ اوران عنوانات کے تفنن سے معلم واستاد کی شفقت وعنایت کا حال معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عنان توجہ ہماری جانب منعطف ہے وہ چاہتا ہے کہ ہم کسی طرح کسی عنوان سے بات کو سمجھ جائیں اور سب سے بڑے ہمارے شفیق معلم جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کا مقصود یہ تھا کہ مخاطبین کسی طرح سمجھ جائیں اس لئے کسی جگہ ایک بات کو شفقت کے عنوان سے فرمادیا کہیں عنوان امر سے آمادہ کیا کبھی ترغیب سے اشارہ فرمایا حالانکہ مآل سب کا واحد ہے ع عباراتنا شتی وحسنك واحد

تواضع واستغناء کی حقیقت

پس اسی اصل پر یہاں امر بالتواضع کو بصیغہ ترغیب بیان فرمایا گو ترغیب بذاتہ وصیغتہ امر نہیں ہے لیکن مرغوب فیہ کے مامور بہ ہونے کے لئے مستلزم ضرور ہے پس امر حکماً ہے۔

حاصل یہ کہ اس جگہ ایک امر حکمی تو مقید یعنی تواضع میں ارشاد فرمایا ہے دوسرا امر حکمی قید میں ارشاد فرمایا ہے جو للہ ہے تواضع کو للہ کی قید سے مقید کرنا مشعر ہے کہ مقصود یہ ہے کہ مقید یعنی تواضع میں قید کی رعایت کرو اس کا لحاظ رکھو یعنی للّٰہیت کو ہاتھ سے نہ جانے دو گو وہ تواضع بظاہر لغیر اللہ ہی ہو لیکن اس میں بھی اخلاص لوجہ اللہ وللّٰہیت کی شان پائی جانی چاہیے اس سے قطع نظر نہ کرنا چاہیے، اہل محاورہ اس عنوان سے جو حدیث میں اختیار کیا گیا ہے ان

معانی کو خوب جانتے ہیں روزمرہ کی بول چال میں نظر کرنے سے یہ مطالب خوب سمجھ میں آتے ہیں اہل لسان کو کسی قسم کا خدشہ اور کوئی خلجان اس کے سمجھنے میں نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس عنوان سے بالکل صحیح مطلب ترغیب کا سمجھتے ہیں پس یہاں پر تواضع کا مع لحاظ للّٰہیت کے امر ہوا ہے اور امر بالشئی مستلزم ہوا کرتا ہے نہی عن ضدہ کو یعنی جس شئے کا حکم ہوتا ہے اس کے خلاف سے نہی ہوتی ہے۔

پھر جس درجہ کا وہ امر ہے اسی درجہ کی اس کے مقابل میں نہی ہوگی۔ مثلاً اگر امر وجوب کیلئے ہے تو اس کی ضد اور اس کا خلاف حرام یا مکروہ تحریمی ہوگا اور ان دونوں میں یہ فرق لفظی فرق ہے ادباً واحتیاطاً اس کو کراہتِ تحریمہ سے تعبیر کردیتے ہیں ورنہ درجہ معنون میں اتحاد بالذات ہے دونوں میں کچھ معتدبہ فرق نہیں ہے اور اگر امر استحبابی ہے تو اس کی ضد کیلئے کراہت تنزیہی کا ثبوت ہوگا یا اس سے بھی کم یعنی محض غیر اولیٰ ہونا معلوم ہوگا، چنانچہ تواضع کا امر مستلزم ہے کہ اس کی ضد سے نہی ہوا اور جس درجہ میں تواضع کا امر ہے اسی درجہ میں اس کی ضد کی ممانعت ہوگی اور تواضع کی ضد سے تکبر تو امر بالتواضع سے جیسے تواضع کا مرغوب فیہ اور مامور بہ ہونا معلوم ہوتا ہے ایسے ہی اس سے تکبر کا مرغوب عنہ ومنہی عنہ ہونا مستنبط ہوتا ہے اسی طرح جیسے قید للہ سے شان للّٰہیت واخلاص کا تواضع میں مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے ایسے ہی اسی درجہ میں تواضع لغیر اللہ سے جو کہ تواضع للہ کی ضد ہے ممانعت معلوم ہوتی ہے اور تواضع لغیر اللہ سے ممانعت کا حاصل یہ ہے کہ استغناء عن غیر اللہ مطلوب ہے اور استغناء عن غیر اللہ ایک طویل لفظ ہے لہٰذا میں اس کو مختصر کر کے اس کے مرادف کے ساتھ تعبیر کرتا ہوں یعنی تذلل کی ممانعت ہے۔ پس حق تعالیٰ کیلئے تواضع اور خفض جناح اختیار کرنا حسب وعدہ رفعہ اللہ موجب عزت باعث حرمت اور سبب وقعت ہے اور تواضع لغیر اللہ باعث ذلت موجب ہتک شان و بے حرمتی ہے جس کو تذلیل سے تعبیر کیا جاتا ہے البتہ جہاں شرعی مصلحت ہو وہاں تذلل کی اجازت ہے کیونکہ وہ فی الحقیقۃ تذلل نہیں بلکہ صورت تذلل ہے اور حقیقت میں باعث عزت ہے کیونکہ شرعی مصلحت سے اس میں لوجہ اللہ

کی شان موجود ہے اور جو کام لوجہ اللہ ہو اس سے ذلت نہیں ہوا کرتی بلکہ خدا کے یہاں عزت بڑھتی ہے گو دنیا کچھ ہی کہے۔ حاصل یہ ہے کہ حدیث میں تواضع واستغناء عن غیر اللہ کی ترغیب اور امر ہے اور تکبر اور تذلل سے تنفیر اور نہی ہے بس وہ دونوں مامور بہ ہیں اور یہ دونوں منہی عنہ ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع کا امر فرمانا اور تکبر سے نہی فرمانا مقصود تھا مگر اس خیال سے کہ کوئی شخص اپنی کج فہمی سے تذلل کو مامور بہ و مرغوب بہ سمجھ لے، للہ کی قید کا اضافہ کیا گیا تاکہ تواضع کا مامور بہ ہونا اور تذلل کا کہ وہ تواضع لغیر اللہ ہے منہی عنہ ہونا ظاہر ہو جاوے اسی طرح صرف استغناء کی امر سے یہ اندیشہ تھا کہ لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو کہیں عوام افتخار کو بھی استغناء سمجھنے لگیں تکبر کو بھی استغناء عن غیر اللہ میں داخل کر لیں اس لیے امر استغناء کے ساتھ امر تواضع کو بھی جمع کر دیا اور وجہ اس اندیشہ خلط کی یہ ہے کہ اخلاق حمیدہ واوصاف حسنہ بعض دفعہ اخلاق ذمیمہ وخصال رذیلہ سے مشتبہ ہو جاتے ہیں وجہ یہ کہ بعض جگہ دونوں کی صورت یکساں ہوتی ہے چنانچہ تواضع اور تذلل کی صورت ایک ہی استغناء اور تکبر بظاہر یکساں نظر آتے ہیں اس لئے بعض لوگ تذلل کو تواضع سمجھنے لگتے ہیں تکبر کو استغناء تصور کر لیتے ہیں اتحاد صوری تغایر ذاتی پر پانی پھر دیتا ہے اور اس کا ادنی اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی جانب حسن ظن بڑھتا جاتا ہے اور دوسروں کی طرف سے سوء ظن ترقی پر ہوتا ہے اپنے تو تذلل کو بھی تواضع خیال کرتے ہیں اور دوسرے کی تواضع بھی تذلل پر محمول ہوتی ہے اسی طرح اپنا تو تکبر وافتخار بھی استغناء عن غیر اللہ معلوم ہوتا ہے اور دوسرے کا استغناء بھی افتخار وتکبر سمجھا جاتا ہے۔

اخلاق حمیدہ وذمیمہ

حاصل یہ کہ اخلاق حمیدہ واخلاق ذمیمہ کے اشتباہ سے دو غلطیاں ہوتی ہیں ایک تو اپنے نفس کے متعلق کہ اپنے اوصاف رذیلہ کو خصال حمیدہ اور اخلاق ذمیمہ کو اخلاق حسنہ

خیال کر لیتا ہے دوسری غلطی اوروں کے متعلق ہوتی ہے کہ ان کے امور حسنہ کو امور سیئہ سمجھتا ہے ان کی حسنات کو سیئات خیال کرتا ہے حالانکہ غلطی اور خطا کا احتمال وجود دونوں جانب میں مشترک ہے مگر اس کی کیا وجہ کہ اپنی تو ہر بات بھلی ہو اور دوسرے کی ہر بات بری۔ مثلاً بخل واقتصاد ان دونوں کی صورت ایک ہے اس لئے کبھی تو انسان بخل کو میانہ روی واقتصاد سمجھتا ہے کبھی اقتصاد و میانہ روی کو بخل سمجھ جاتا ہے اسی طرح اسراف وسخا میں التباس ہو جاتا ہے اس لئے کبھی فضول خرچی واسراف کو سخاوت و جود تصور کرتا ہے کبھی سخا کو بھی اسراف خیال کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ کتب تصوف میں احادیث سے اخذ کر کے اس بحث کو مفصلاً مطولاً بیان کیا گیا ہے۔

مگر باوجود اس قدر تفصیل کے پھر بھی اشتباہ ہونے کی وجہ کیا ہے سو زیادہ وجہ یہ ہے کہ علم اخلاق و معاشرت وتصوف کی کوئی کتاب درس میں داخل نہیں اور مطالعہ کی نوبت بھی بہت کم آتی ہے نیز محض مطالعہ سے حقیقت کا انکشاف بھی نہیں ہوتا۔ صحبت کی ضرورت ہوتی ہے جس کا اہتمام ہی مفقود ہے اور اگر فرض بھی کرلیا جاوے کہ کوئی شخص اپنی ذہانت و ذکاوت سے حقیقت تک پہنچ بھی جاوے مگر پھر اس کو اپنی حالت پر منطبق کرنا بہت مشکل ہوتا ہے انطباق کا حال بغیر معلم و مرشد کے نہیں معلوم ہو سکتا بعض اوقات اپنی حالت کے متعلق سخت حیرت ہوتی ہے کہ یہ بخل ہے یا اقتصاد ہے سخا وجود ہے یا فضول خرچی واسراف اکثر تو یہی ہوتا ہے کہ اپنی ذات سے حسن ظن کر کے بخل کو اقتصاد سمجھتے ہیں اور اسراف کو سخاوت کیونکہ ہوائے نفسانی غالب ہے شہوت کا غلبہ ہے اتباع نفس محیط ہے اپنے ساتھ حسن ظن ہے مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے اقتصاد کو بخل سمجھتے ہیں اور سخاوت کو بھی اسراف پر محمول کرتے ہیں، تحدث بالنعمۃ کو ریاء سمجھتے ہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اپنی اوصاف حمیدہ کو اخلاق ذمیمہ سمجھیں۔ زیادہ تو قسم اول ہی کے افراد ہوتے ہیں باقی قسم دوم کے جو لوگ ہیں کہ اپنے اخلاق حمیدہ کو بھی اخلاق ذمیمہ سمجھتے ہیں گو ان کی شان میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَا آتَوا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ ان اصحاب

کو اپنے نفس پر کبھی حسن ظن نہیں ہوتا کبھی اپنے کو متصف بصفات حمیدہ نہیں سمجھتے ہمیشہ یہ خوف واندیشہ رہتا ہے کہ شاید کچھ بھی مقبول نہ ہو مگر اس خوف کا بھی ایک درجہ ہے وہ یہ کہ خوف صرف اتنا ہونا چاہیے کہ جس سے انسان معاصی سے بچ سکے یہ درجہ تو محمود اور مامور بہ ہے اور ایک درجہ خوف خشیت کا وہ ہے جو مؤدی الی الیاس ہو جاتا ہے یہ درجہ مذموم ومنہی عنہ ہے یعنی ایسا شخص نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے حج کرتا ہے زکوٰۃ دیتا ہے ذکر اللہ میں مشغول رہتا ہے مگر غلبہ خشیت سے یہ سمجھتا ہے کہ مقبول نہیں۔ ابتداء میں تو صرف خوف کے علامات و امارات اس کے بشرے سے ظاہر ہوتے ہیں مگر آخر میں یاس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور سب کچھ چھوڑ بیٹھتا ہے اس کی ابتدائی حالت تو بظاہر محمود معلوم ہوتی ہے کہ اس کو اپنے نفس سے سوء ظن ہے مگر انتہاء میں اس کے آثار مذموم ہو جاتے ہیں اپنے ساتھ سوء ظن بیشک مفید ومحمود ہے لیکن جب تک اپنی حد تک رہے جب اپنی حد سے متجاوز ہو جائے گا مذموم ہو جائے گا۔ ہر شئے میں یہی ضابطہ ہے کہ جب تک وہ اپنی حد اور درجہ میں رہے گی محمود ہوگی اور جب متجاوز عن الحد ہوگی مذموم ہوگی اس غلو فی الخوف سے ابلیس شیطان کمبخت راہی پاتا ہے اور عابد وزاہد سے کہتا ہے کہ جب تیرے اعمال مقبول ہی نہیں اور طاعت عبادت سب مردود ہے تو اس عبادت اور مشقت سے کیا فائدہ، اس اٹھک بیٹھک کا کیا نتیجہ، بھوکے مرنے سے کیا حاصل، مال دینے سے کیا نفع، سفر سے کیا سود، شیطان کے ان مکائد سے رہی سہی آس بھی یاس سے بدل جاتی ہے اور اس کا انجام تعطل ہوتا ہے۔

طہارت ظاہری و باطنی

اور اس غلو فی الخوف کے ساتھ ایک اور سبب بھی تعطل کا یاد آ گیا یعنی جیسے ان لوگوں کو یاس معطل کر دیتی ہے اسی طرح بعض لوگ غلبۂ وہم کی وجہ سے معطل ہو جاتے ہیں چنانچہ بعض لوگ۔ بیماری ومرض کی حالت میں نماز چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ احتلام کی وجہ سے ناپاک ہیں اور اولی کے زعم میں تیمّم سے ان کی طہارت ہوتی نہیں کیونکہ بدون غسل کے صرف تیمّم

سے طہارت میں شک رہتا ہے پھر تیمم بھی کرنا چاہیں تو مٹی میں شک ہوتا ہے کہ پاک ہے یا ناپاک ہے حالانکہ بعض آثار کے اعتبار سے پانی سے تیمم بڑھا ہوا ہے کیونکہ پانی سے اولاً ظاہر پاک ہوتا ہے اور ثانیاً باطن بھی پاک وصاف ہو جاتا ہے کیونکہ وضو سے خطائیں بھی جاتی رہتی ہیں ہر ہر عضو سے گناہ نکل جاتے ہیں اور تیمم میں اولاً وبالذات ہی باطن پاک ہوتا ہے اور ثانیاً اعضاء ظاہری سے بھی نجاست حکمیہ دور ہو جاتی ہے کیونکہ مٹی کے استعمال سے اپنی خاکساری مستحضر ہو جاتی ہے فنا کا منظر سامنے آجاتا ہے کہ ایک دن ہم مٹی میں مل جائیں گے پس تیمم میں بالذات باطن کی طہارت ہے اور پانی میں بالذات ظاہر کی طہارت ہے اور ظاہر ہے کہ باطن ظاہر سے بڑھا ہوا ہے۔ پس تیمم کی طہارت پر شک کرنا اول نمبر کی نادانی ہے تمام تر وجہ یہ ہے کہ مسائل شرعیہ تو معلوم ہیں نہیں اپنی عقل واجتہاد سے کام لیتے ہیں اور جو احکام جانتے ہیں وہ ذرہ برابر بھی اپنی رائے سے حس وحرکت نہیں کرتے کچھ بھی چوں و چرا نہیں کرتے۔ حدیث میں تصریح ہے کہ جو شخص قیام پر قادر نہ ہو بیٹھ کر فریضۂ صلوٰۃ کو ادا کرے۔ جو قعود پر قادر نہ ہو حالت اضطجاع میں نماز ادا کرے یہ بھی نہ ہو سکے اشارہ سے ادا کرے غرض اسی حالت میں نماز پڑھ لے جب خدا کا حکم ہے کہ ایسی حالت میں نماز ادا کرو اور ہم اس کے بندے ہیں پھر شکوک پیدا کرنا اور بے فائدہ شبہات وخلجانات میں پڑنا کیا معنی جس کا سبب حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے بعض لوگ انہیں بے بنیاد وہموں کی وجہ سے نماز وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی آثار وثمرات ہیں تجاوز عن الحد کے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اپنے نفس سے سوءِ ظن نہ رکھو اپنے کو بزرگ سمجھو، نہیں سوءِ ظن ضرور رکھو مگر اس کی بھی حد ہے اتنی بدگمانی نہ ہونی چاہیے جو کفران تک مؤدی ہو جاوے خوف و خشیت بھی ایک صفت محمود ہے مگر اسی شرط سے کہ اپنی حد میں رہے جیسے تفریط مضر ہے اسی طرح افراط بھی موجب مفاسد ہے جو خوف اپنی حد شرعی سے زیادہ ہوگا وہ واجب الاحتراز اور منہی عنہ ہوگا اس کی مذمت میں کچھ شبہ نہیں وہ بیشک قابل الترک ہے خوف محمود کے درجہ کی تعیین جناب فخر کائنات باعث موجودات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرما دی

ہے چنانچہ ایک دعا میں فرماتے ہیں ۔اسئلك من خشيتك ماتحول به بيننا وبين معاصيك یعنی اے اللہ میں آپ کا اتنا خوف طلب کرتا ہوں جو مجھے معاصی سے روک دے، اس قید سے صاف صاف معلوم ہوا کہ خوف اسی درجہ تک مطلوب ہے جو ارتکاب معاصی سے مانع ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خوف کا ہر درجہ مقصود بالذات نہیں بلکہ خشیت مقصودہ صرف وہی ہے جس سے ترک آثام و ذنوب پر قادر ہو اپنے دامن عصمت وعفت کو صغائر و کبائر سے آلودہ نہ ہونے دے، دنس معصیت سے محفوظ رکھے اور وہ خوف مقصود نہیں جو یاس پیدا کردے جس کا اثر بجز تعطل کے کچھ نہیں بلکہ اس خوف کا ثمرہ بھی کفر ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے اولاً یاس پیدا ہوتی ہے پھر اعمال وطاعات کے فضول ہونے کا خیال ہوتا ہے اور یاس خود کفر ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّهٗ لَا يَيْئَسُ مِنْ رُوحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ ۔ نص صریح ہے کہ یاس کفر ہے۔

یاس کے آثار کا ایک واقعہ یاد آگیا ایک شخص میرے ہم نام کانپور میں وکالت کیا کرتے تھے فارغ اوقات میں احیاء العلوم بھی دیکھا کرتے تھے ایک مرتبہ کتاب الخوف کو دیکھا تو ان پر تعطل کے آثار ظاہر ہونے لگے حضرت امامؒ نے سوءِ خاتمہ کے متعلق ذرا تیز مضمون لکھا ہے نیز حضرت امام جس مضمون کو بیان کرتے ہیں زوردار الفاظ میں بیان کرتے ہیں اسی لئے اس کتاب کا مطالعہ عوام کا کام نہیں محققین کا کام ہے۔ غرض وہ میرے پاس کتاب لائے اور کہا کہ بس اس حالت میں صوم وصلوٰۃ سے کیا فائدہ اور وہ عبارت نکال کر پڑھنا شروع کی مگر خوف کی وجہ سے ان کے منہ سے الفاظ تک نہیں نکلتے تھے بالکل حواس باختہ ہو رہے تھے۔ غرض میں نے اس مضمون کی سہل اور نرم الفاظ میں تقریر کی، سن کر بہت خوش ہوئے اور ایک گونہ تسلی ہوئی۔ فرمانے لگے کہ اس مضمون کو تحریر فرما دیجئے تا کہ اس کو مکرر سہ کرر دیکھوں اور جو شبہ پید ہو اس سے رفع کروں چنانچہ میں نے مختصراً لکھ بھی دیا تھا اور وہ تقریر خاتمہ بالخیر کے نام سے طبع بھی ہو چکی ہے اسی مناسبت سے اس کا نام خاتمہ بالخیر رکھا ہے۔

شیطان کی چالیں

خلاصہ یہ کہ آج کل ہمارے اندر دو غلطیاں ہیں ایک غلطی کا منشاء تو حسن ظن میں غلو ہے اور دوسری غلطی سوء ظن کے غلو سے پیدا ہوتی ہے اول غلطی اکثر عوام کو پیش آتی ہے اور یہ غلطی اول غلطی سے بھی بدرجہاء دشوار وسخت ہے اس میں اکثر خوف رجاء پر مستولی ہو جاتا ہے پھر اس کے شبہات کا رفع ہونا ایک مشکل اور مہتم بالشان کام ہو جاتا ہے اس مرض کا مریض اپنی استغناء کو تکبر سمجھتا ہے اپنی تواضع کو تذلل سمجھتا ہے اپنے جود وکرم کو اسراف خیال کرتا ہے اپنی ہر حمیدہ خصلت کو ذمیمہ پر محمول کرتا ہے، یہ سب قصہ اس شیطان ملعون کی وجہ سے ہوتا ہے یہ کمبخت اپنے حملہ سے کہیں باز نہیں آتا اپنی چال سے کہیں نہیں رکتا، ہر شخص کو اس کے رنگ میں مارتا ہے۔ خواص کو خواص کے رنگ میں دھوکہ دیتا ہے عوام کو عوام کے رنگ میں فریب دیتا ہے۔ اہل اتقاء کو صورت اتقاء میں اپنے مکر سے زیر کرتا ہے اور فساق کو صورت فسق سے مغلوب کرتا ہے اور گو محققین اہل اللہ پر اس کا مکر نہیں چل سکتا وہ اس کی رگ وریشہ سے واقف ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ لیکن پھر بھی یہ اپنی کرنی سے نہیں چوکتا خواہ اثر ہو یا نہ ہو۔ یہ کمبخت یہی چاہتا ہے کہ میری دام فریب سے کوئی فرد بشر نہ نکلے ہر شخص میری مکر کا شکار ہو جائے۔

ناوک نے ترے صید نہ چھوڑا زمانہ میں   تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

وار ہر شخص پر کرتا ہے لیکن معصومین ومحفوظین حق تعالیٰ کے افضال وانعامات کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں اور اس کے دام تزویر میں نہیں پھنستے اور یہ خود بھی جانتا ہے قطعاً اس کو معلوم ہے کہ معصومین ومحفوظین پر میرے اغواء واضلال کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا چنانچہ اس نے خود ہی کہا تھا لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ کہ اے رب العلمین تیرے سب بندوں کو بہکاؤں گا اور راہ حق سے دور کروں گا بجز ان کے جو مخلص ہیں جن پر

تیرے خاص خاص انعامات ہیں یعنی ان کو گمراہ نہ کرسکوں گا پس یہ استثناء اثر کے اعتبار سے ہے یعنی شیطان علیہ اللعنۃ کے اغواء واضلال کا اثر عبادِ مخلصین پر نہیں ہوسکتا یہ مطلب نہیں کہ یہ ان کے بہکانے کی کوشش بھی نہیں کرتا کوشش تو ان پر بھی کرتا ہے مگر ان پر بس نہیں چلتا۔

چنانچہ یہ مطلب ہے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلٰی الخ کہ اس میں حق تعالیٰ نے کاملین پر سلطان کے غلبہ کی نفی کی ہے ارادہ اضلال وسعی کی نفی نہیں کی، ارادہ ان کے گمراہ کرنے کا بھی کرتا ہے مگر اپنا سامنہ لے کر رہ جاتا ہے اس لیے اس نے اپنی عزت قائم رکھنے کیلئے پہلے ہی سے استثناء کردیا تھا کہ میں تیرے عبادِ مخلصین کو نہ بہکاؤں گا اور اس کا یہ کہنا کہ عبادِ مخلصین کو نہ بہکاؤں گا اس میں بھی ایک قسم کی شیخی ہے گویا ان پر احسان کرکے اس نے چھوڑ دیا ہے یہ کمبخت احسان کرکے کس کو چھوڑنے والا تھا وہ خود اس کے بہکانے میں نہیں آتے یہ کیا نہ بہکاتا بلکہ ان کو بہکا ہی نہیں سکتا یعنی اس کے بہکانے کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا اور یہی اس کی مراد بھی تھی ورنہ یہ کمبخت اپنے حملوں سے کہیں باز نہیں رہتا۔ باوجودیکہ انبیاء کی عصمت جانتا ہے مگر اپنی چالوں سے وہاں بھی نہیں چوکا گو ناکام رہا مگر ہمت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ مگر خدا تعالیٰ کی حفاظت ہے کہ اہل اللہ کاملین اس کے قابو میں نہیں آتے البتہ ہم جیسوں پر پوری امید باندھ کر حملہ کی ہمت کرتا ہے مثل مشہور ہے کہ ایک شخص کا ہمزاد اس کے تابع تھا ایک دن وہ جارہا تھا سامنے سے ایک قصائی جو اس کا دشمن تھا ملا اس نے ہمزاد سے کہا کہ اس کو مار ڈال ہمزاد نے کہا کہ اس کے پاس تو چھریاں ہیں ہاں یہ بنیا جو مرمروں کا تھیلہ لئے جارہا ہے کہو تو اس کی گردن مروڑ دوں اس نے کہا یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں اصل کام تو چھریوں والے کا ہے، اسی طرح یہ شیطان بھی بنیوں سے یعنی عوام سے نہیں ڈرتا چھریوں والوں سے یعنی خواص اہل اللہ سے ڈرتا ہے مگر باوجود ڈرنے کے ان کے اغواء واضلال کی کوشش میں بھی مصروف رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ بڑا بلند ہمت باوجودیکہ یقیناً وقطعاً جانتا ہے کہ انبیاء کی عصمت میں اور اولیاء کی

حفاظت میں میرے اغواء کا برائے نام بھی اثر نہیں ہوسکتا مگر ہمت سے پھر بھی باز نہیں آتا قصد کرتا ہے گو منہ کی کھاتا ہے مگر اپنے عزم پر جما ہوا ہے اور اس کی یہ ہمت گو اپنے متعلق کے اعتبار سے بری اور واجب الترک ہے۔ لیکن اگر نفس ہمت وعزم کو دیکھا جائے تو اس قابل ہے کہ اس سے سبق لیا جائے اور مصرف کو بدل کر اس سے کام لیا جائے مگر اس نے اس ہمت کو برے کام میں خرچ کیا ہے تم نیک کام میں خرچ کرو۔

یہ قصہ مشہور ہے کہ حضرت جنیدؒ نے ایک شخص کو سولی پر چڑھا ہوا دیکھا دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے اور کیا قصہ ہے لوگوں نے کہا یہ ایک بڑا نامی گرامی چور ہے اول مرتبہ گرفتار ہوا تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر باز نہیں آیا دوبارہ گرفتار ہوا تو پیر کاٹا گیا پھر بھی چوری کرتا رہا غرض دست و پا کٹنے کے بعد بھی چوری سے باز نہ آیا تو اس کو سولی دینے کا حکم ہوا اور دار پر لٹکا دیا گیا کہ اور لوگ خوف کریں اور اس سے عبرت حاصل کریں حضرت جنیدؒ نے آگے بڑھ کر اس کے قدم چوم لئے لوگوں نے کہا حضرت یہ کیا کیا یہ فاسق بدکار اس قابل ہے کہ آپ اس کے پیر چومیں۔ فرمایا میں اس کے فسق کے پیر نہیں چومتا ہوں بلکہ اس کی ہمت و استقلال کے پیر چومتا ہوں جو استقلال اس کو عصیاں و نافرمانی میں تھا افسوس ہم کو طاعات میں بھی وہ استقلال نصیب نہیں اگر حق تعالیٰ ہم کو طاعت و عبادت میں یہ استقلال عطا فرماویں تو ہمارا یہ حال ہو جاوے۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

عبرت کا حصول

اہل اللہ حکیم ہوتے ہیں جو شئے اچھی دیکھتے ہیں اُسے اختیار کر لیتے ہیں جو بری ہوتی ہے اُسے چھوڑ دیتے ہیں اور جو دونوں سے مخلوط ہو اس میں سے اچھی کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ بُری سے اجتناب کرتے ہیں۔ خذ ما صفا ودع ما كدر پر اُن کا پورا عمل ہوتا ہے غرض بمصداق كلمة الحكمة ضالة المؤمن ۔ اچھی اچھی چیزوں کو خواہ کہیں ہوں

حاصل کر لیتے ہیں۔

نگویند از سر بازیچہ حرفے　　　　کزاں پندے نہ گیرد صاحب ہوش

کتب ادب میں لکھا ہے کہ ایک حکیم نے دعویٰ کیا کہ میں نے ہر چیز سے کوئی نہ کوئی اچھی چیز اخذ کر لی ہے لوگوں نے پوچھا کہ کتے سے آپ نے کیا اچھی چیز اخذ کی ہے کہا اپنے محسن کا احسان بہت مانتا ہے۔ پوچھا گیا کہ بلی سے کیا اخذ کیا۔ کہا شکار کیلئے داؤ خوب لگاتی ہے اور یہ طبع سلیم اور عقل کامل کا کام ہے کہ حیوانات سے بھی سبق لیلے۔ کسی اور بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ یزید کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے فرمایا شاعر اچھا تھا۔ اہل اللہ کی نظر بُرائی پر جاتی ہی نہیں اُن کے پیش نظر ہمیشہ محاسن ہوتے ہیں کسی کے معایب کا خیال بھی نہیں آتا۔ اور بات یہ ہے کہ جس شخص کو کام کرنا ہوتا ہے وہ ہمیشہ محاسن پر نظر کرتا ہے۔ مساوی ومعایب پر اس کی نظر نہیں جاتی البتہ جس شخص کو کچھ کام نہ کرنا ہو وہ بے شک برائیوں کو جانچے گا قبائح پر نظر ڈالے گا۔ پس ہر شخص کو لازم ہے کہ ہر امر سے عبرت حاصل کرے ہر بات سے نصیحت نکالے۔ ایک شخص نے خوب کہا ہے کہ جب برا آدمی تمہاری نصیحت ووعظ سے اپنی برائی سے باز نہیں آتا تو تم اپنی بھلائی کو کیوں چھوڑو۔ یعنی جب فاسق کو برائی پر اس قدر اصرار ہے تو تم کو نیکی پر اس سے زیادہ اصرار کیوں نہ ہو وہ اپنی ہٹ سے برائی کو نہیں چھوڑتا تو تم بھلائی کو کس طرح ترک کرتے ہو وہ شیطان کی محبت کو نہیں چھوڑتا تو تم رحمٰن کی محبت کو کس طرح چھوڑتے ہو۔

غرض یہ کہ شیطان کمبخت رہزنی ضرور کرتا ہے اور اس میں اس کی ہمت قابل داد ہے لیکن حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اس کے داؤ سے محفوظ رکھتا ہے مگر یہ پھر بھی رہزنی سے باز نہیں آتا۔ البتہ رہزنی مختلف طرق سے ہوتی ہے عوام کی نظر میں تو اخلاق ذمیمہ کو اخلاق حمیدہ کر کے دکھلاتا ہے اور خواص کی نظر میں اخلاق حمیدہ کو اخلاق ذمیمہ کر کے دکھا دیتا ہے جس کا سبب غلو فی الخشیۃ ہے۔

نظر و فکر کی ضرورت

بس جن خواص پر خشیت کا حال حد سے زیادہ غالب ہو جاتا ہے بعض اوقات اخلاق حمیدہ ان پر ملتبس ہو جاتے ہیں کہ ان کو اخلاق ذمیمہ سمجھنے لگتے ہیں اور فی الواقع اس میں شک نہیں کہ اخلاق حمیدہ و اخلاق ذمیمہ میں التباس سے محفوظ رہنا ہے بھی بہت مشکل کیونکہ بعض دفعہ دونوں کی صورت یکساں ہوتی ہے یہ دونوں بحر زخار ناپیدا کنار ہیں کہ انسان کے نفس کے اندر جاری ہیں اور ملے جلے چل رہے ہیں ظاہر میں دونوں ملے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں دونوں کے درمیان ایک قوی فاصل ہے جو اختلاط حقیقی سے مانع ہے اس فاصل کو کاملین ادراک کرتے ہیں چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؎

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں　　　درمیان شاخ برزخ لا یبغیاں

اس شعر میں اشارہ ہے آیت مرج البحرین یلتقیان بینهما برزخ لا یبغیان کی طرف بحر تلخ سے مراد اخلاق رذیلہ ہیں اور بحر شیریں سے مراد اخلاق حمیدہ۔ مطلب یہ کہ دونوں دریا ساتھ ساتھ انسان کے اندر چل رہے ہیں مگر درمیان میں ایک برزخ اور فاصل بھی ایسا موجود ہے جس سے کسی ایک کی مجال نہیں کہ دوسرے میں خلط ہو جائے۔

اور مولانا مرحومؒ نے ان اشعار میں آیت کریمہ کی تفسیر نہیں کی تاکہ من قال برائه الخ کا مصداق ہو جائے بلکہ محض تشبیہ مقصود ہے کہ انسان کے نفس میں بھی اخلاق ذمیمہ اور اخلاق حمیدہ کا اجتماع ایسا ہی ہے جیسے محسوسات میں بحر تلخ و بحر شیریں کا اجتماع ہوا کرتا ہے اور جیسے کہ حسی دریاؤں کے متعلق بینهما برزخ لا یبغیان میں ارشاد ہے اسی طرح ان معنوی دریاؤں کے درمیان بھی ایک برزخ موجود ہے جو کاملین کو نظر آتا ہے ناقصین کو نظر نہیں آتا ان کو دونوں مخلوط نظر آتے ہیں اس خلط سے محفوظ رہنے کیلئے نظر و فکر کی ضرورت ہے۔ اخلاق کی کتابوں میں غور کرنے سے اس کا حال معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ ہم لوگ ناواقف ہیں حتیٰ کہ درس میں بھی کوئی اخلاقی کتاب داخل نہیں اور غیر درسی کتاب کا مطالعہ

کرتے نہیں اس لئے ہمیشہ خلط میں پھنسے رہتے ہیں اور بعضے لوگ جو کتب تصوف کا بعد الفراغۃ یا قبل الفراغ مطالعہ کرتے بھی ہیں اُن کے لئے بھی امراض واحوال کا اپنے نفس پر منطبق کرنا مشکل ہوتا ہے یہ انطباق بھی دوسرا ہی کرسکتا ہے اپنے آپ کو اپنے عیوب کم نظر آتے ہیں۔اس لئے اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اخلاقی کتابوں میں سے کوئی کتاب ضرور درس میں داخل کی جاوے

مرشد کامل کی رہبری

اسی طرح یہ امر بھی قابل توجہ وضروری العمل ہے کہ تعلیم کے بعد کسی شیخ و بزرگ کی صحبت بھی اختیار کرنا چاہیئے باوجود اس کے کہ یہ امر بہت مہتم بالشان ہے لیکن لوگ اس سے اس درجہ غافل ہیں کہ اس کو امر فضول سمجھتے ہیں اور بعضے لوگ جو کسی درجہ میں ضروری بھی سمجھتے ہیں وہ بھی محض برائے نام یعنی چار ہی دن کیلئے آتے ہیں اگر ان سے پوچھئے کہ کس واسطے تشریف لائے ہو فرمائیں گے اصلاح نفس کیلئے کتنی مدت قیام ہوگا جواب میں ارشاد ہوتا ہے چار دن یعنی اصلاح نفس کے حرفوں کے برابر بھی تو دن تجویز نہیں کرتے بلکہ دو دو حرفوں کے مقابلہ میں ایک ایک دن مقرر کرتے ہیں نہ معلوم اصلاح نفس کو کچھ کھیل سمجھ رکھا ہے یا محض آمد ورفت ہی کا نام اصلاح نفس رکھ لیا ہے کہ بعض آٹھ دن کیلئے آتے ہیں بعض نے بہت ہی ہمت کی تو مہینہ دو مہینہ کو آ گئے بھلا تمام عمر کے کہنہ اور جبلی امراض اوران کے معالجہ کیلئے چار دن یا ایک ہفتہ یا ایک دو مہینہ تجویز ہوتے ہیں نہ معلوم یہ کس عقل کا مقتضا ہے۔ دیکھئے کوئی شخص اگر چار سال سے تپ دق میں مبتلا ہو اور طبیب کے پاس علاج کرانے جائے اور کہے کہ چار دن میں چار سال کے مرض کا علاج ہو جائے تو طبیب کیا اس بات کی سماعت کرے گا یا اس کی جانب التفات وتوجہ کرے گا ہرگز نہیں بلکہ بات بھی نہ کرے گا کہے گا اس کو خلل دماغ ہے کہ چار برس کے مرض کا چار دن میں علاج کرانا چاہتا ہے۔ جب اطباء ظاہری سے اُن امراض ظاہری میں جو قلیل عرصہ سے صحت کو خراب کر رہے ہیں ایسے

شخص کے علاج کرنے کی توقع نہیں تو اطباء روحانی تمہارے ان امراض باطنی کا جو عمر بھر سے تمہاری صحت روحانی خراب کرر ہے ہیں کس طرح چار دن میں علاج کردیں گے حیرت ہے کہ تعلیم الفاظ میں تو آٹھ آٹھ دس دس سال خرچ کردیتے ہیں اور اصلاح نفس و معالجہ روحانی کے واسطے ایک سال رہنا بھی دشوار اور مشکل معلوم ہوتا ہے حالانکہ علم الفاظ آلہ اور مقدمہ ہے اور اصلاح نفس مطلوب بذاتہ و مقصود ہے اور ظاہر ہے کہ مقصود ہمیشہ مقدمات و مبادی سے اولیٰ و افضل ہوا کرتا ہے قیاس کا تو مقتضی یہ تھا کہ اگر تعلیم رسمی میں ایک سال صرف ہوا ہے تو تعلیم مقصود میں چار سال تو خرچ ہوں لیکن یہاں اس کے عکس کی بھی نوبت نہیں آتی کہ آٹھ سال میں اگر تعلیم سے فارغ ہوں تو دو ہی سال اصلاح نفس و مجاہدہ و ریاضت میں صرف کریں بلکہ بعض حضرات تو اصلاح نفس کے لفظوں کے برابر آٹھ روز مقرر کرتے ہیں کہ بس ایک ہفتہ میں مشیخت کی گٹھڑی ہاتھ آئے گی اور بعض اشخاص چالیس روز معین فرماتے ہیں کہ ایک چلہ میں تکمیل ہوجائے گی نہ معلوم یہ زچہ عورت ہیں کہ چالیس روز میں چلہ نہا کر پاک صاف بن جائیں گے تمام امراض سے صحت بھی ہوجاوے گی اور بچہ بھی مل جاوے گا وہ بچہ کیا ہے مجاہدہ و ریاضت کا اثر اور نتیجہ یعنی نسبت مع اللہ افسوس اس گوہر نایاب کی کیسی بے قدری کی جارہی ہے۔ اے صاحبو! اس کے حاصل کرنے کے لئے کم از کم اتنی مدت تو تجویز کی ہوتی جس میں رضاعت و خطام وغیرہ کا طریقہ تو معلوم ہوجاتا لیکن اتنی فرصت کہاں بس چالیس روز میں شیخ کامل ہونا چاہتے ہیں۔ بعض صاحب چھ ماہ اصلاح نفس کیلئے وقف کردیتے ہیں جو کہ ادنیٰ مدت حمل ہے یعنی چھ ماہ میں بچہ یعنی وہی نسبت مع اللہ ضرور ہوجانا چاہیے کیا مطلب کہ چھ ماہ میں پیری و رہبری کی سند مل جانی چاہیئے۔

میں کہتا ہوں کہ اچھا چھ ماہ میں حمل ٹھہر بھی گیا لیکن اگر وہ پیٹ کے اندر مر گیا تو اب بتلاؤ اسے کون جناوے تم تو حمل ٹھہرنے کے بعد چھ ماہ میں چل دیئے اب وہ مردہ بچہ اندر سے کیونکر نکلے گا پس وہ تو اپنی سمیت سے تم کو ہلاک ہی کرے گا۔ ان سب واقعات سے

معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح نفس کا تو نام بدنام ہی کرنے کے واسطے لیا جاتا ہے اصل مقصود محض ریاء وسمعہ نمود وشہرت ہوتی ہے کہ وطن جا کر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جناب عالی مولوی مولانا بھی ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ درویش و شیخ بھی بن گئے ورنہ حقیقت میں آجکل جو اصلاح نفس یا تربیت باطن زبان سے کہا جاتا ہے ان لفظوں کا کچھ بھی مدلول نہیں محض بے معنی الفاظ ہوتے ہیں۔

ایک شخص میرے پاس پانی پت سے آئے فرمایا میں قاری صاحب سے تجوید پڑھتا ہوں آجکل قاری صاحب دو مہینے کے واسطے باندھ گئے ہیں میں بیکار تھا لہٰذا اصلاح نفس کیلئے آیا ہوں دیکھے ایسا فضول اور زائد کام سمجھا کہ آؤ آجکل بیکار ہیں اسے ہی کر لو۔ تفریح بھی ہو جائے گی افسوس میں نے کہا مجھ کو معاف فرمایئے میں اس کام کو انجام نہیں دے سکتا جناب کو یکسوئی نہ ہوگی کبھی یہاں کا خیال ہوگا کبھی وہاں کی فکر ہوگی کشمکش میں اصلاح نفس نہیں ہوا کرتی دوسرے اتنی مدت میں ہو بھی کیا سکتا ہے۔

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

بھائی تم تو اپنی طرف سے اس مہتم بالشان امر کیلئے ایک وسیع وقت نکالو گو شیخ کی توجہ اور حق تعالیٰ شانہ کے فضل وکرم سے تھوڑے ہی دنوں میں کام ہو جائے مطلب بر آئے لیکن تمہارا عزم تو وسیع ہونا چاہئے اپنی طرف سے تو کوتاہی نہ کرو جب انسان کوئی کام کرنا چاہے تو اول اس کو معلوم کر لینا چاہئے کہ اس کام کیلئے کس قدر وقت کی ضرورت ہے اور کتنی مقدار زمانہ کی اس کام کیلئے کافی ہے لیکن چونکہ یہاں کام کرنا مقصود ہی نہیں ہوتا محض نام ہی مطلوب ہوتا ہے اس لئے دل بھی نہیں لگتا اور زیادہ مدت بھی نہیں دی جاتی۔

الحاصل اخلاق حمیدہ واخلاق ذمیمہ کے التباس کے سبب انسان کبھی ایسی پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جس سے خلاصی محال معلوم ہونے لگتی ہے پھر کبھی تو اس پریشانی میں صرف ایمان کا اندیشہ ہوتا ہے اور گاہے جان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ اللہ اکبر اکثر لوگوں نے خودکشی کر لی ہے اسی صدمہ ورنج میں جان دیدی ہے لہٰذا ضرورت ہے ایک شیخ کامل ومبصر کی کہ

اخلاق ذمیمہ کو اخلاق ذمیمہ بتاوے اور ان کے معالجہ میں کوشاں ہو اور اخلاق حمیدہ کو اخلاق حمیدہ بتاوے اور ان کے بقاء و دوام کی کوشش کرے دودھ کا دودھ علیحدہ کر دے اور چھاچھ کی چھاچھ کوئی امر مشتبہ و ملتبس نہ رہے روز روشن کی طرح سب معاملہ صاف ہو جائے۔

غور کیجئے مثلاً ایک شخص مرض دق میں مبتلا ہو اور اپنے کو مریض نہیں سمجھتا بلکہ صحیح خیال کرتا ہے جس طرح یہ شخص ایک بڑی غلطی میں مبتلا ہے اسی طرح اس کے مقابل بھی اس سے زیادہ غلطی میں گرفتار ہے یعنی جو شخص کہ اچھا خاصہ ہو لیکن ایک دن جو گرمی میں زیادہ پسینہ آ گیا اور حرارت شمس کی وجہ سے بدن گرم ہو گیا تو وہ یہ سمجھ گیا کہ مجھے بخار چڑھ گیا لگا ہائے ہو کرنے قبل از مرگ واویلا شروع کر دیا گھر آتے ہی بیوی پر غصہ شروع کر دیا مردار تو ادھر اُدھر پھرتی ہے میں بخار میں مر رہا ہوں میرا برا حال ہے کوئی دم کا مہمان ہوں اُس نے کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ تم کو تو بخار و خار خاک بھی نہیں محض وہم ہے اس کا کیا علاج۔ جواب میں کہا تیرا کیا ہے اگر مر جاؤں گا تو اور خصم ڈھونڈ لے گی میں اپنی جان سے جاؤں گا۔ تو ظاہر ہے کہ اس شخص کی غلطی پہلے شخص سے بھی زیادہ ہے اور اس کا رفع ہونا بہت مشکل ہے بعض اکابر نے فرمایا ہے ان تمارضتم تمرضوا کسی شاعر نے کہا ہے ؎

مزن فال بد کاورد حال بد

بدگمانی سے احتراز

فال بد کی ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ اس میں کچھ اثر ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کے ساتھ سوء ظن و بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ اب اللہ میاں کوئی بلا ضرور بھیجیں گے وانا عند ظن عبدی بی جب اس نے خدا تعالیٰ سے بدگمانی کی وہ بھی بعض دفعہ اس کی سزا میں ویسا ہی کر دیتے ہیں جیسا اس نے گمان کیا تھا۔ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دہلی میں مومن خان شاعر تراویح میں قرآن شریف سننے آیا کرتے تھے ایک ڈوم بھی قرآن شریف سننے آیا کرتا تھا۔ اس نے کہا خان صاحب جس روز

وہ سورت آوے جس کا نام نہیں لیا کرتے جو مردوں پر پڑھی جاتی ہے تو مجھے بتا دینا میں اسے نہیں سنوں گا یعنی سورۂ یٰسین۔ عوام جہلاء سورۂ یٰسین کا نام سننے سے بھی ڈرتے ہیں اس کو موت کی علامت سمجھتے ہیں۔ خان صاحب شاعر آدمی تھے آپ کو مذاق سوجھا اپنی چلبلی اور شوخ طبیعت سے نہ رک سکے گو وہ بڑے متقی و متورع شخص تھے خدا معلوم سچ یا جھوٹ کہہ دیا کہ وہ تو رات پڑھی بھی گئی اس کو تو تو نے سن لیا اُن کی ہنسی ہوگئی اور اس کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرنے لگا ہوش اڑ گئے حواس باختہ ہوگیا روح تحلیل ہونے لگی۔

لکھ کر ہمارا نام زمین پر مٹا دیا　　　اُن کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

غرض وہ دوسرے یا تیسرے روز مر گیا۔ غرض صحت کو بیماری سمجھنا بھی غلطی ہے اس غلطی میں جان کا بھی اندیشہ ایمان کا بھی خطرہ روحانی نقصان بھی جسمانی زیان بھی اس قسم کی غلطیوں سے لوگوں نے خودکشی کرلی ہے ایسے وقت میں اگر مرشد کامل رہبری نہ کرے تو انسان بجز جان دینے کے اور کچھ چارہ ہی نہیں دیکھتا۔

جان اور ایمان کے لفظ پر محض لفظی مناسبت سے مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا میں مکہ شریف سے واپس آرہا تھا بمبئی میں کمو سیٹھ کے مسافر خانہ میں قیام ہوا وہاں کے لوگوں کو میرے آنے کی اطلاع ہوئی اور سب نے وعظ کی درخواست کی میں نے کہا مجھے معاف کرو میں یہاں وعظ نہیں بیان کروں گا کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ناحق کہوں گا تو ایمان کا اندیشہ یا حق کہوں گا تو جان کا اندیشہ لہٰذا میں جان و ایمان کو خطرہ میں نہیں ڈالتا۔ اور بمبئی میں وعظ نہیں کہتا مجھے جان و ایمان دونوں محبوب ہیں اور شرعاً دونوں کی حفاظت ضروری ہے، البتہ تم کو اگر ایسا ہی شوق ہے تو یہیں مسافر خانہ میں کہہ دوں گا جس کا دل چاہے آکر سن لے چنانچہ وہیں مسافر خانہ میں بیان کیا اتفاقاً مجمع بہت ہی زیادہ ہوگیا تھا۔

جان وایمان کی حفاظت

غرض جان جیسے طبعاً وعقلاً عزیز ہے اسی طرح شرعاً بھی واجب الحفظ ہے کیونکہ حق

تعالیٰ کی نعمت ہے نیز ارشاد ہے لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ اگر جان ہماری چیز ہوتی تو ہم کو اس میں تصرف کرنے سے منع نہ کیا جاتا۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ کہ اپنی جان کی حفاظت کرو۔ مصائب نوائب سے بچو اپنے نفوس کو قتل مت کرو جان بوجھ کر مصیبت میں نہ پھنسو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا اِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا جب نفس اور بدن کا ہم پر حق ہے تو اس کی حفاظت کیوں ضروری نہ ہوگی انسان جان اور زندگی ہی کے ذریعہ سے مدارج کمالات کو طے کرتا ہے ہر دنیوی و دینی طبعی و شرعی ترقی اسی پر موقوف ہے تمام افعال و اعمال کا موقوف علیہ یہی ہے تو اس کی حفاظت کیسی کچھ ضروری ہوگی۔ اسی طرح وہ پریشانی بھی ممنوع ہے جس سے اعضاء ظاہری و باطنی قلب وغیرہ پر کچھ برا اثر ہو ان کی حفاظت بھی ضروری ہے کیونکہ یہ اعضاء مقدمہ و آلہ ہیں روح اور جان کے جیسے مقصود اصلی مرغوب ہوتا ہے اسی طرح اس کے مقدمات بھی محبوب ہوتے ہیں مقدمات کا احترام اور ان کی نگہداشت مقصود ہی کی نگہداشت ہے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں کسی شخص نے تسبیح دیکھی کہا حضرت آپ کو تسبیح کی کیا حاجت ہے یہ تو مبتدیوں کے واسطے موزوں ہیں فرمایا اسی کی بدولت تو ہم کو یہ دولت ملی ہے اسی کی وجہ سے تو آج واصل الی اللہ ہوئے ہیں اور اسی کو چھوڑ دیں ایسے رفیق کو نہیں چھوڑا جا سکتا یہ تو کفران اور ناشکری ہے کہ جس چیز کی وجہ سے نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو اس سے ہی اعراض کیا جائے اسی طرح یہ اعضاء اور نفس مطلوب بالذات یعنی قرب حق کیلئے آلہ ہیں لہٰذا ان کی حرمت و عزت بھی ضروری ہے خوب کہا ہے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است ۔۔۔ افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ۔۔۔ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

غرض چونکہ وہ نفس اور اعضاء وسیلہ اور ذریعہ ہیں مقصود کیلئے اس لئے ان کی حفاظت گو آلہ ہی کے درجہ میں سہی لیکن ضروری تو ہے اور ایمان کی حفاظت میں تو کسی قسم کا شبہ وشک ہو ہی نہیں سکتا اس کی حفاظت تو جان سے بھی بدرجہا زیادہ و اولیٰ ہے کیونکہ یہ تو خود مقصود

ہے اس کی حفاظت مقصود کے درجہ میں ہوگی اور ظاہر ہے کہ مقصود ہمیشہ مقدمات سے ہر اعتبار سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اب سمجھ لیجئے کہ اس غلطی سے جو پریشانی ہوگی وہ کس قدر زیادہ سخت ہے حق تعالیٰ شانہ محفوظ رکھیں اور اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ جمعیت شرعاً بھی مطلوب ہے اور پریشانی سے جس پر یہ مضرتیں مرتب ہوں بچنا ضرور ہے شریعت مقدسہ میں اس کی تعلیم اہتمام سے دی گئی ہے۔ چنانچہ جو شخص محزون و غمگین ہو اس کی تعزیت مامور بہ ہے جس کے معنی تسلی دینے کے ہیں یعنی اس کو دلاسا دیا جائے اس کی جمعیت خاطر میں کوشش کی جائے احادیث میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی پریشانی دور کی جاوے اس کی حاجت رفع کر دی جاوے نیز جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی وطمانیت ہی کیلئے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک طویل عریض خط لکھا ہے وہ خط حصن حصین میں منقول ہے۔

مصائب سے نجات

اور خود حق تعالیٰ جل جلالہ عم نوالہ فرماتے ہیں وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کو مژدہ سنا دیجئے جو صابر ہیں اور مصیبت وسختی کے وقت حق تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں انا للہ پڑھتے ہیں۔ اس میں حق تعالیٰ نے رنج وغم اور پریشانی دور کرنے کا ایک طریقہ بتلایا ہے جس کا عنقریب بیان آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو مسلمانوں کی پریشانی گوارا نہیں جبھی تو اس کے دفع کا طریقہ بتلایا ہے اور وہ طریقہ تسلی وتشفی میں دو وجہ سے موثر ہے ایک تو اس وجہ سے کہ وہ ذکر ہے اور پریشانی کے وقت خدا کی یاد میں لگ جانا پریشانی کے دفع کرنے میں کافی ووافی ہو جاتا ہے۔ جس میں کچھ انا للہ کی تخصیص نہیں بلکہ ہر ذکر میں یہی خاصہ ہے جیسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سبحان اللہ استغفر اللہ۔ لا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وغیرہ لیکن مصیبت و پریشانی کے وقت کے ساتھ انا للہ کو ایک خاص تعلق ہے

وہ یہ کہ اس میں علاوہ ذکر کے مضمون بھی ایسا ہے کہ اس کا استحضار پریشانی کا استیصال کر دینے والا ہے کیونکہ حاصل آیت کا یہ ہے کہ غم میں دو باتوں کا لحاظ رکھے ایک تو انا للہ کہ ہم ہر اعتبار سے خدائے قادر کے مملوک بندے ہیں وہ ہم میں جس طرح چاہے تصرف کرے اسے اختیار ہے دوسرے انا للہ راجعون کہ ہم سب کا مرجع و مآل وہی ایک ذات ہے۔ انا للہ میں تو اس امر کی تعلیم ہے کہ اپنے واسطے اپنی عقل ورائے سے کچھ تجویز نہ کرلے پس اس پر جمار ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں وہ جو چاہے کرے اس کے فعل میں چوں و چرا کا کسی کو حق نہیں اور جب یہ حالت راسخ ہو جائے گی تو کبھی بھی رنج نہ ہوگا پریشانی کا نام بھی نہ آئے گا پریشانی تو جب ہی ہوتی ہے کہ ہم خود اپنے لئے کچھ تجویز کر لیتے ہیں مثلاً یہ کہ ہمارا مال ہمیشہ ہمارے پاس رہے، ہماری اولاد ہمیشہ زندہ رہے، ہم ہمیشہ تندرست رہیں، ہمیشہ برسرِ ملازمت رہیں، کبھی برخاست نہ ہوں وغیرہ وغیرہ اور اس کے خلاف ہونے پر غم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہائے یہ کیوں ہوا وہ کیوں ہوا ہائے میری تو ساری امیدیں خاک میں مل گئیں ہیں تو کیا سوچ رہا تھا اور ہو کیا گیا صاحبو! قصر آمال کو اتنا بلند ہی کیوں کرتے ہو کہ اس کے انہدام سے مر جاؤ۔ حق تعالیٰ کے جناب میں تو تفویض محض ہونا چاہئے اور جن لوگوں کو یہ دولت حاصل ہے ان سے راحت اور سامان راحت کا حال پوچھو۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فوضت فاسترحت یعنی جب تک سارے کاموں کو اپنے ذمہ رکھا پریشان وحیران رہا اور جب سے سب امور کو حق تعالیٰ شانہ کے سپرد کر دیا ہے راحت اور آرام میں ہوں۔ کسی بزرگ نے حضرت بہلولؒ سے دریافت کیا کیا حال ہے کیسے ہو فرمایا اس شخص کی کیا حالت پوچھتے ہو جس کی خواہش کے مطابق تمام نظام عالم چل رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص تو خوش وخرم ہی رہے گا۔ سائل نے کہا ذرا اس کی شرح فرمایئے مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ فرمایا میں نے اپنے ارادہ کو حق تعالیٰ شانہ کے ارادہ میں فنا کر دیا۔ اب جو اس کا ارادہ ہے وہی بعینہٖ میرا ارادہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو کام کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کے موافق ہوتا ہے پس جب میں نے اپنے ارادہ کو

اس کے ارادہ میں فنا کردیا تو جس طرح ہر واقعہ ارادہ حق کے موافق ہے اسی طرح میرے ارادہ کے موافق بھی ہے۔ اس لیے میں ہمیشہ خوشحال فارغ البال رہتا ہوں۔

حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ عالم ارواح میں سب کو جمع کرکے پوچھا گیا کیا چاہتے ہو کسی نے کچھ مانگا کسی نے کچھ مانگا حتی دارت النوبة الی هذا اللاشئی احمد فقلت یارب ارید ان لا ارید واختاران لا اختار فاعطانی مالا عین رأت ومالا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر من اهل هذا العصر اور کلمہ استرجاع یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہم کو کوئی تجویز نہ کرنا چاہیے بلکہ تمام امور خدا تعالیٰ کے سپرد کردینے چاہئیں اور ہم کو تجویز کا حق ہی کیا ہے جب ہم خدا تعالیٰ کے محکوم اور غلام ہیں بھلا غلام کو بھی کسی تجویز کا حق ہوتا ہے آقا کے سامنے پس کسی شق کی تعیین کرنا ہمارے لئے مضر ہے ہم سے محض تسلیم مطلوب ہے۔

آگے دوسرا جملہ ہے اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن اس میں بہت ہی کام کی چیز مذکور ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ جب انا للہ کے سمجھ لینے سے غم تو رفو چکر ہو گیا طبیعت سے رنج دور ہو گیا۔ اب حق تعالیٰ صرف غم ہی دور کرنے پر بس نہیں فرماتے بلکہ ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ تم خدا کے پاس جانے والے ہو اس وقت تم کو دارالجزاء و دارالثواب میں صبر کی وجہ سے درجہ ملے گا ترقی دی جائے گی ثواب جزیل کے امیدوار رہو اور ثواب کی امید وہ چیز ہے کہ انسان اگرچہ صاحب حال بھی نہ ہو جس سے غم غالب نہیں آسکتا لیکن وہ پھر بھی اپنا کیمیائی اثر دکھا کر رہتی ہے۔ اس کا نفع ضرور بالضرور ہوتا ہے آدمی ثواب کی امید میں تمام پریشانیوں سے قطع نظر کر لیتا ہے کوئی مشکل اس کو مشکل نہیں معلوم ہوتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیاوی منافع کی امید پر لوگ مصائب کو مصائب نہیں سمجھتے بے تکلف مشقتیں برداشت کرتے ہیں زحمتیں جھیلتے ہیں۔ دیکھئے ملازمین ایک ماہ تک کار ملازمت کو انجام دیتے ہیں محض اس امید پر کہ ختم ماہ پر تنخواہ ملے گی مزدور دن بھر ڈلیا ڈھوتا ہے کہ شام کو مزدوری ملے گی قلیوں کو دیکھ لیجئے کہ مسافر کی صورت دیکھتے ہی آگھیرتے ہیں اور زبردستی اسباب سر پر رکھ

لیتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ چار پیسے مل جائیں گے ورنہ بظاہر تو سر پر بوجھ لئے ہوتے ہیں مصیبت میں گرفتار ہیں لیکن پیسوں کی امید اس مشقت پر غالب آجاتی ہے اور اس کو اس بارگراں کے تحمل پر راضی کردیتی ہے اسی طرح اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کے استحضار سے ثواب کی توقع ہوجاتی ہے تو یہ رنج ونج سب کافور ہوجاتا ہے اور ثواب کی توقع اس رنج پر غالب آنے سے یہ اثر ہوتا ہے کہ جان کو پریشانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

وساوس کا اثر

غرض حق تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ اس کی مخلوق پریشان نہ ہو جہاں تک ہو دارین میں راحت و آرام سے رہیں جو شخص صراط مستقیم پر چلے گا یعنی شریعت مقدسہ مطہرہ پر عمل کرے گا وہ ہرگز ہرگز ابدالاباد تک پریشان وسرگرداں نہ ہوگا ایسے ہی جناب فخر دارین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی مطلوب ہے کہ آپ کا کوئی امتی حیران وپریشان نہ ہو لیکن اگر کوئی شخص خواہ مخواہ پریشانی میں گھسے مصیبت میں پھنسے تو اس کا کیا علاج ؟ مثل مشہور ہے خود کردہ را علاج نیست ۔ اسی طرح باطنی معاملات میں بعض دفعہ سالک کو وساوس اور توہمات سے پریشانی ہوتی ہے مثلاً کفر کے خیالات آنے لگتے ہیں جس سے یہ اپنے آپ کو کافر سمجھنے لگتا ہے حالانکہ یہ غلطی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا ہے ان اللہ تجاوز عن امتی ماوسوست بہ صدورھا پس کفر کے وسوسہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا بلکہ مومن کامل رہتا ہے اس غلطی میں مبتلا ہونے والوں کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کا دھوپ میں یا چولھے کے پاس بیٹھنے سے ہاتھ گرم ہوجائے بس اس کی روح نکلنے لگے کہ اب جان گئی اور مصیبت آئی اب بچنا دشوار ہے جھٹ پٹ حکیم صاحب کے پاس جاوے کہ میں سخت مرض میں مبتلا ہوں علاج کردیجئے حکیم صاحب نے نبض دیکھی کہا ارے میاں تم تو اچھے خاصے تندرست ہو تم کو بیمار کس نے کہا ہے یہ تو محض تمہارا وہم ہے کہا واہ صاحب میں تو سخت مریض ہوں بخار چڑھا ہوا ہے مجھے تو خدا کے واسطے جلاب ومسہل دو تا کہ مادہ کا خروج

ہو جائے حکیم صاحب نے کہا تم کو تو یہ حرارت عارضی ہے خود جاتی رہے گی کچھ فکر کی بات نہیں لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو گو مرض نہیں لیکن خود وہم کیا تھوڑا مرض ہے اور اس وہم کا منشاء محض ناواقفیت ہے اسی طرح سالک ناواقف کو وساوس سے وہم اور وہم سے غم پیدا ہو جاتا ہے جو کہ گور میں جا سلاتا ہے۔ صاحبو! وسوسہ کا علاج تو صرف بےفکر اور بے التفات ہو کر مسرور و خوش ہونا ہے نہ کہ غم لو لے کر بیٹھ جانا جتنا فکر کرو گے اتنا ہی غم بڑھتا جائے گا۔ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے وساوس و خطرات کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا اوجدتموہ قالوا نعم قال ذاک صریح الایمان۔ سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسہ کے غم کا کیا عجیب علاج فرمایا کہ وہ تو پریشان آئے تھے آپ نے بشارت کمالِ ایمان کی سنا کر مسرور واپس کر دیا۔ عارفین وصوفیہ کرام نے اس سے مستنبط کیا ہے کہ وسوسہ کا علاج مسرور ہونا ہے جس کو یہ مرض لاحق ہو اس کے لئے لازم ہے کہ محزون نہ ہو ہمیشہ مسرور و خوش رہے تاکہ حدیث پر عمل ہو اور اس کی حالت سنت کے موافق ہو۔ اور اس مسرور رہنے سے وسوسہ دفع ہونے کا راز یہ ہے کہ شیطان انسان کو محزون و غمگین رکھنا چاہتا ہے جب تم اس کے خلاف کرو گے اور اس کو اس کی سعی و کوشش میں کامیاب نہ ہونے دو گے یعنی اپنے کو خوش و خرم رکھو گے رنج و غم نہ کرو گے تو وہ مایوس ہو جائے گا اور تم کو نہیں ستائے گا سمجھے گا کہ وساوس ڈالنے سے یہ تو الٹا خوش ہوا اور اس کو خوش ہونا گوارا نہیں اس لئے وسوسے ڈالنا چھوڑ دے گا یاد رکھو یہ شیطان وسوسے اس وجہ سے نہیں ڈالتا کہ اپنے نفس سے سوءِ ظن پیدا ہو اور تم معاصی سے بچنے لگو بلکہ یہ کم بخت پرانی دشمنی کی وجہ سے دل میں اس لئے وسوسے پیدا کرتا ہے تاکہ تم کو یاس ہو جائے پس کافر بن جاؤ اس سے بھلائی کبھی متصور نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اگر یہ کوئی اچھا کام بھی کرتا ہے تو اس میں بھی برائی کا پہلو ضرور مضمر ہوتا ہے۔ اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی ایک شخص شیطان پر

ہر روز ایک ہزار مرتبہ لعنت بھیجا کرتا تھا ایک روز یہ دیوار کے نیچے سو رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہا جلدی اٹھو فوراً یہاں سے علیحدہ ہو جاؤ جیسے ہی وہ علیحدہ ہوا معاً دیوار گر پڑی اس نے کہا آپ کون صاحب ہیں نام کیا ہے ؎

چہ نامی کہ مولائے نام توام　　　درم ناخریدہ غلام توام

اُس نے کہا جب آپ کو میرا نام معلوم ہو جائے گا تو پھر احسان نہ مانو گے میرا نام نہ پوچھو کہا نہیں ضرور نام بتلائیے کہا میرا نام ہے ابلیس جس پر ہر روز ہزار مرتبہ لعنت کیا کرتے ہو اس نے کہا پھر تو میرا دشمن تھا تو نے مجھ پر یہ احسان کیوں کیا کہا خدا نہ کرے جو میں تجھ پر احسان کروں۔ میں نے تجھ کو ایک خیر سے روک دیا کیونکہ اگر وہ دیوار تجھ پر گرتی تو تو مرجاتا اور جو شخص ہدم الجدار سے مرجائے وہ شہید ہوتا ہے اس لئے میں نے تجھ کو بیدار کردیا تا کہ ایک نعمت عظمیٰ سے محروم رہے اور تجھ کو شہادت نصیب نہ ہو۔ مولانا رومیؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکایت لکھی ہے نہ معلوم کہاں سے نقل فرمائی ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نماز کیلئے شیطان نے آکر بیدار کیا اور کہا حضرت صلوٰۃ تہجد سے فارغ ہو جائیے وقت جا رہا ہے آپ نے دریافت کیا تو کون ہے کہا میں ابلیس ہوں فرمایا تو نے مجھ کو کیوں بیدار کیا کہا پرانے جذبہ کی وجہ سے بیدار کردیا کیونکہ میں بھی کبھی عابد تھا

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا　　　تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یہ صحابی تھے اس کی چال میں کب آنے لگے تھے فرمایا بس بس کیوں بہکاتا ہے۔ سچ سچ بتا میں تیری ایک نہیں سنوں گا۔ کہا حق یہ ہے کہ میں نے فلاں روز آپ کی صلوٰۃ تہجد فوت کرادی تھی اس پر آپ نے بے حد تاسف وافسوس کے ساتھ آہ کی جس کی وجہ سے آپ کے درجات میں بہت ترقی ہوئی جو تہجد سے کبھی نہ ہوسکتی تھی اسلئے میں نے آج اول ہی سے بیدار کردیا کہ آپ کو دوبارہ ایسی ترقی نہ ہو اور تہجد ہی تک درجہ رہے یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اٹھ بیٹھے سوئے نہیں اور تہجد میں مشغول ہوگئے اگر کوئی جاہل ہوتا تو مخالفت شیطان کی بناء پر سو رہتا یہ محقق تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت یافتہ تھے حق بات سن

کرعمل کرنے لگے تو حاصل یہ ہے کہ شیطان انسان کے پیچھے لگا ہوا ہے جب اسے موقع مل جاتا ہے تو نیش زنی کرتا ہے اس کا علاج مخالفت ہے پس جب یہ وسوسہ ڈالے اور محزون و غمگین کرنا چاہے تو زیادہ مسرور وخوش ہونا چاہئے وہ ناامید ہوکر خود ہی تم کو چھوڑ دے گا۔

خلاصہ یہ کہ وسوسہ کا مرض مضر نہیں بلکہ محمود ومرغوب ہے لیکن بعض لوگ شیطان کے دھوکے میں آکر وسوسہ کو مرض سمجھ کر خودکشی کر لیتے ہیں۔

غلطیوں کا احساس

اسی طرح صدہا چیزیں اشتباہ والتباس کی ہیں مثلاً تواضع وتذلل۔ استغناء وتکبر جن کا میں بیان کرر ہا ہوں ان میں بھی بعض اوقات التباس ہوجاتا ہے جس کے امتیاز کیلئے سالک کی رائے کافی نہیں بلکہ ضرورت ہے ایک شیخ کامل مبصر کی کہ مراحل سلوک میں جانچ پڑتال کرتا رہے جو غلطی محسوس ہو اس کا ساتھ ساتھ دفعیہ کرتا جاوے مگر شیخ کی تنبیہ کے نافع ہونے کی شرط یہ ہے کہ طالب میں انقیاد ہو جس کو وہ غلطی بتلادے طالب اس کو غلطی مان لے تاویل نہ کرے خصوص علماء طلباء کو اس انقیاد اور تسلیم کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ان میں یہ مرض استنکاف اور تاویل کا زیادہ ہے چاہئے تو یہ تھا کہ علم کی بدولت ان میں یہ رذائل کم ہوتے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ آجکل ان امراض میں زیادہ تر مولوی صاحبان ہی مبتلا ہو رہے ہیں خصوصاً کبر میں کہ اپنی خطا اور غلطی ماننے سے ان کو عار آتی ہے، طالب علمی کی ابتدا سے تاویل وتوجیہ کی عادت ہوتی ہے ہر غلطی میں توجیہ کی پچر لگا دیتے ہیں کبھی غلطی وخطا کا اقرار نہیں کرتے۔ میرے پاس جو لوگ طالب حق آتے ہیں ان میں مولوی صاحب بکثرت غلطیوں کی تاویلیں کیا کرتے ہیں خطا کا اقرار کرتے ہوئے موت آتی ہے جہاں کسی امر خلاف شان پر متنبہ کیا فوراً تاویل گھڑ دی میں تو کہہ دیتا ہوں کہ جب تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو کہ میں تو ایک بات کو مرض کہوں تم اس کو صحت بتلاتے ہو تو یہاں آنے کی کیا حاجت تھی گھر

بیٹھتے تاویلوں توجیہوں سے اصلاح نفس کرلی ہوتی۔ غرض میرا تجربہ ومشاہدہ ہے کہ عیب پر تنبیہ کرنے کے وقت مولوی صاحبان خطا پر زیادہ اصرار کرتے ہیں یہ کبھی توجیہ سے نہیں چوکتے گویا ان کے اندر کوئی عیب ہی نہیں پایا جاسکتا بالکل بے عیب ہیں۔

میں یہ بیان کررہا تھا کہ ہر شئے اپنی حد تک پسندیدہ ومرغوب خاطر ہے جب افراط تفریط سے کام لیا جائے گا ہمیشہ غلطی میں مبتلا ہوگا۔ اور مبنی ایسی غلطی کا اکثر اشتباہ بین الامرین ہوتا ہے دو ضدوں میں تمیز نہ کرنے سے انسان کو غلطی ہوا کرتی ہے مثلاً تکبر و استغناء میں التباس ہو کر کبھی تکبر کو استغناء سمجھا جاتا ہے اور گاہے استغناء کو تکبر سمجھا جاتا ہے اسی طرح تذلل کو تواضع سمجھتے ہیں اور تواضع کو تذلل۔ اسراف کو سخاوت وبالعکس حالانکہ ان میں دن رات کا فرق ہوتا ہے اور اس فرق کا زیادہ تر مدار تعلیم شیخ وتنبیہ شیخ پر ہے خود بہت کم محسوس ہوا کرتا ہے اس لئے میں نے بقدر ضرورت تواضع کی حقیقت بتلادی باقی پورا انکشاف کسی کی صحبت میں رہ کر ہوسکتا ہے۔ زیادہ تفصیل وتطویل کی احتیاج نہیں۔ اس وقت اتنا سمجھ لو کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دو اخلاق ذمیمہ سے منع فرمایا ہے ایک تکبر دوسرے تذلل کہ ان سے بچو یہ دونوں منہی عنہ ہیں اور دو اخلاق حمیدہ کا حکم فرمایا ہے ایک تواضع دوسرے استغناء کہ ان کو اختیار کرو یہ دونوں مامور بہ ہیں البتہ امر ونہی کا درجہ متعین نہیں ہوا کہ امر وجوب کے واسطے یا استحباب وغیرہ کیلئے ہے ایسے ہی نہی حرمت کیلئے ہے یا کراہت وغیرہ کے واسطے ہے تو درجہ کی تعیین دوسرے نصوص ودلائل سے ہوجائے گی اب ان دلائل کو سنئے

تکبر حرام ہے

حق تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْر۔ نیز صحیح مسلم میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے قلب میں رائی برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا حق تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے الکبریاء

ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی فیھما قصمتہ ان نصوص سے معلوم ہوگیا کہ تکبر حرام ہے اب اس کے مقابل کو لے لیجئے جب تکبر کی نہی حرمت کیلئے ہے جیسا کہ ترتب وعید سے معلوم ہوتا ہے تو اس کی ضد کا امر وجوب کیلئے ہوگا کیونکہ جیسے امر بالشئی مستلزم ہوتا ہے اس کی ضد سے نہی کو اسی طرح نہی عن الشئی مستلزم ہے اس کی ضد کے امر کو اور اصولی قاعدہ ہے کہ ایک ضد کے امر کا جو درجہ ہوگا دوسری ضد کی نہی کا بھی وہی درجہ ہوگا اور جو درجہ ایک ضد کی نہی کا ہوگا وہی درجہ دوسری ضد کے امر کا ہوگا۔ پس تکبر کی ضد ہے تواضع اور تکبر کی نہی حرمت کیلئے ہے تو اس کی حرمت سے تواضع کا وجوب ثابت ہوگیا۔

حقیقتِ مال وجاہ

اب رہا استغناء وتذلل تو اس کی تعیین درجہ ایک چھوٹے سے مقدمہ کے ملانے سے ہوجائے گی یہ دیکھنا چاہیے کہ تذلل کو کیوں اختیار کیا جاتا ہے اس سے مقصود کیا ہوتا ہے سو ظاہر ہے کہ تذلل سے تحصیل دنیا اور تحصیل مال مقصود ہوتا ہے چونکہ اس شخص کو مال کی جانب رغبت ہے اس لئے اس کے مقابلہ میں عزت کو بھی ہیچ سمجھا جاتا ہے آبرو کی بھی پروانہیں کی جاتی پس تذلل کا سبب حب دنیا اور حب مال ہے اور نصوص سے ثابت ہے کہ یہ سب سے بڑھ کر گناہ اور سب خطاؤں کی جڑ ہے حضرت فخر بنی آدم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں حب الدنیا راس کل خطیئۃ کہ تمام مفاسد کا منشا حب دنیا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی چیز حرام ہوگی بس جو شئی اس سے پیدا ہو وہ بھی اس کے حکم میں ہوگی کیونکہ ناشی عن الشئی کو شئی ہی کا حکم دیا جایا کرتا ہے گناہ کا بچہ گناہ ہی ہوگا۔

بس اس سے تذلل کی حرمت ثابت ہوگئی اور تذلل کی حرمت سے اس کی ضد یعنی استغناء کا وجوب ثابت ہوگیا تکبر اور تذلل میں حب دنیا مشترک ہے یعنی تکبر میں تو جاہ مطلوب ہے متکبر کا یہی مقصود ہوتا ہے جاہ بڑھ جاوے وہ بھی دنیا ہے اور تذلل سے مال و متاع مقصود ہوتا ہے اسی لئے لوگوں کی سخت سست سنتے ہیں خوشامد کرتے ہیں ہر قسم کی ذلت

برداشت کرتے ہیں وہ بھی دنیا ہے حالانکہ اذلال النفس منہی عنہ ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے لا یسئلون الناس الحافا یعنی مانگنے میں اصرار وابرام نہ کرو لوگوں پر بوجھ نہ ڈالو دیں دیدیں اور نہ دیں تو کچھ زور نہیں اجارہ نہیں آجکل کے مدعی درویشوں کو دیکھئے پیٹ کیلئے الحاف کو گوارا کرتے ہیں اکثر لوگ ان کے سوال سے خواہ تہذیب سے ہو یا بے تہذیبی سے تنگ ہوتے ہیں یہی الحاف ہے۔ میرے خیال میں اگر حاجت بھی ہو تو صلحاء وغرباء سے سوال کرے اور ان رؤساء امراء کے تو پاس بھی نہ پھٹکے ان سے تو دور ہی رہنا مصلحت ہے ان میں محض ظاہری تہذیب ہوتی ہے ورنہ دل میں حقیر سمجھتے ہیں ان کو تو چھوڑنا ہی چاہئے البتہ اگر ان سے ملنے میں کوئی شرعی مصلحت ہو اور وہ واقع میں مصلحت ہو تسویل نفس نہ ہو تو ملنے کا مضائقہ نہیں بلکہ اگر ذلت کا احتمال نہ ہو تو ترغیب چندہ میں بھی حرج نہیں۔ غرض یہ کہ تذلل حب مال سے ہوتا ہے اور تکبر حب جاہ سے ہوتا ہے اور دونوں زہر قاتل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ماذئبان جائعان ارسلافی قطیع غنم۔ الحدیث۔ کہ اگر دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جاویں تو وہ بکریوں کو اتنا ضرر نہیں پہنچاتے جتنا ضرر انسان کو حب مال وحب جاہ پہنچاتے ہیں اور ہم لوگ بکثرت ان دونوں مرضوں میں مبتلا ہیں اسی وجہ سے اس مضمون کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور عوام ہی کی کیا شکایت اس مرض میں بکثرت خواص کو بھی ابتلاء عام ہے عوام الناس کا مبتلا ہونا زیادہ موجب تعجب نہیں کیونکہ ان میں رادع کم ہوتا ہے موانع قریب قریب مفقود ہوتے ہیں بلکہ سب شرائط موجبۂ امراض پائے جاتے ہیں علم سے بھی بے بہرہ ہوتے ہیں صحبت سے بھی محروم ہوتے ہیں تعجب تو ان خواص سے ہے کہ وہ باوجود علم کے ان امراض میں کیونکر مبتلا ہیں خصوصاً ان لوگوں سے جو ابھی مخدومیت کی شان کو بھی نہیں پہنچے ابھی صاحب کمال کہلانے کے بھی مستحق نہیں تکبر کا کوئی داعی ابھی تک ان میں نہیں بلکہ موانع موجود ہیں موانع کی قوت کے مقابلہ میں کسی داعی کو قوت نہیں ہے اگر کوئی مخدوم ہو تو کسی نہ کسی درجہ میں وہاں داعی تو موجود ہے مگر مانع بھی قوی موجود ہے لیکن خیر سے یہاں مخدوم

بھی نہیں پھران میں تکبر کیسا خصوصاً طلبہ تو اس مرض میں زیادہ مبتلا پائے جاتے ہیں۔ میں خصوصیت سے ان ہی کی اصلاح کے متعلق بیان کرتا ہوں کیونکہ انہی کی فرمائش سے میں یہ وعظ کہہ رہا ہوں لہٰذا وہ احق بالعلاج ہیں دوسرے بالتبع شامل ہیں جو شخص اپنے مکان پر کسی حکیم کو بلا کے لاوے اس کا علاج ضروری ہے ہمسایہ کا حق اس وقت کچھ نہیں اس کو حاجت ہو تو دوبارہ بلاوے لیکن اگر وہ کوئی نسخہ ہمسایہ کو بھی لکھ دے تو اس کی عنایت اور اس کی جانب سے تبرع ہے پس میں طلبہ کی عامۃ الورود غلطی پر متنبہ کرتا ہوں لیکن باوجود اس کے بہت ادب کے ساتھ عرض کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ مجھ سے بڑے ہیں صاحب رتبہ ہیں واللہ میں ہر طالب علم کا اپنے کو خادم سمجھتا ہوں چونکہ انہوں نے خود ایک خدمت کیلئے مجھے بلایا ہے اس لئے میں اپنا کام کئے دیتا ہوں گو وہ بعد میں تاویلیں توجیہیں کرتے پھریں۔ تاویل اور توجیہ سے شئے کی حقیقت نہیں بدلا کرتی اس کی ماہیت میں کچھ فرق نہیں آتا محض من سمجھوتی ہی ہوتی ہے اگر کسی مضر شئے کی تاویل کرلو تو اس سے اس کی مضرت نہیں جاتی رہے گی اگر سنکھیا کی توجیہ کرلو کہ یہ تو نمک ہے یا مصری ہے تو اس کی سمیت نہیں باطل ہو جائیگی۔ تاویل کر کے مخلوق کو دھوکہ دے سکتا ہے لیکن حق تعالیٰ کے علم کو تو معاذ اللہ نہیں بدل سکتا مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

کہ گھے آہے دروغے میزنی ☆ ازبرائے مکہ دو غے نیزن
خلق راگیرم کہ بفریبی تمام ☆ در غلط اندازی تاہر خاص وعام
کارہا باخلق آری جملہ راست ☆ باخدا تزویر وحیلہ کے رواست
کاربا اور است باید و اشتن ☆ رایت اخلاص وصدق افراشتن

شرعی وضع کی ضرورت

بھائیو! ان تاویلات وتوجیہات کو چھوڑنا چاہئے۔ صدق وخلوص سے کام لینا چاہے اہل رسم کے اتباع کی حاجت نہیں ہے اپنا نیک و بد خو سمجھنا چاہئے آپ لوگ اہل علم ہیں

جاہل وعوام نہیں ہیں العاقل تکفیه الاشارة

اگر ہم لوگ فکر صحیح سے کام لیں تو دیکھیں گے کہ ہم لوگوں کی ضمیر میں ضرور تفاخر ہے۔ الا ماشاء اللہ کوئی فرد ایسا ہوگا جو اس وباء عام میں مبتلا نہ ہو رفتار میں تفاخر گفتار میں تفاخر نشست و برخاست میں تفاخر معاشرت و معاملہ میں تفاخر خوراک پوشاک میں تفاخر۔ محض تفاخر وریاء کیلئے قیمتی لباس گراں بہا لباس پہنا جاتا ہے۔ روٹی تو کھادیں مسجدوں کی خرچ کریں زکوٰۃ وغیرہ کا مال مگر لباس قیمتی ہی ہوگا گو قرض لے کر ہی ہو مگر شان میں فرق نہ آئے یہ تو اچھا خاصہ لباس زور ہے۔ ہر کپڑے میں یکتائی سوجھتی ہے۔ رضائی کیلئے چھینٹ لیں گے وہ جو محلّہ بھر میں بھی کسی کے پاس نہ ہو بلکہ شہر بھر میں بھی کسی کے پاس نہ ہو اور گو ہو چھینٹ لیکن مخمل نما ہو۔ پھر مشورے ہوتے ہیں کہ اس میں گوٹ کیسی خوبصورت رہے گی مغزی کیسی خوشنما معلوم ہوگی استر کیسا ہونا چاہئے۔ کرتہ ہے وہ ایسا ہی ٹوپی ہے وہ ایسی ہی۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جو اپنی شان کے موافق شرعی لباس پہنتے ہیں۔ وضع علماء کی اختیار کرتے ہیں مگر اس میں تفاخر۔ اور بعض حضرات طلبہ مزید براں نئے فیشن پر مٹے ہوئے ہیں ٹوپی دیکھئے تو ترکی۔ پاجامہ پتلون اچکن شیروانی۔ جوتہ ہمیشہ گرگابی۔ کالر نکٹائی لگی ہوئی ہے جو کہ فی الحقیقت ناک کٹائی ہے نام ہی بڑا خوبصورت ہے مگر لوگ ان پر مرے ہوئے ہیں۔ بعض دفعہ لباس قیمتی بھی نہیں ہوتا لیکن اس کو اس طرز سے تراشا جاتا ہے اور ایسے طور پر سلوایا جاتا ہے جس سے بہت قیمتی معلوم ہو۔ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ طالبعلم نہیں کوئی نواب صاحب ہیں یا کوئی امیر زادے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میلے کچیلے رہو اپنے لباس و بدن کو صاف و پاک نہ رکھو بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اپنی حیثیت سے نہ بڑھو جتنی چادر ہے اتنے ہی پیر پھیلاؤ اپنی وسعت کا خیال رکھو علمی وشرعی وضع کو نہ چھوڑو کتنی شرم کی بات ہے کہ تم عالم ہو کر، جاہلوں کا اتباع کرو، اُن کی تقلید کرو، چاہئے تو یہ تھا کہ جاہل تمہاری تقلید کرتے نہ کہ وہ الٹا امام ومقتدا بن جائیں۔ یوں تاویلیں توجیہیں کر کے نہ مانو تو اس کا تو کچھ علاج ہی نہیں ذرا تم غور کرو، خوض وتاویل سے تو کام لو کہ تم نے یہ طریقہ کہاں سے اخذ کیا ہے ظاہر ہے کہ تم نے اس کو

اہل باطل سے سیکھا ہے۔ اس لباس میں کفار کو اپنا پیشوا بنایا ہے اس سے مقصد بجز تفاخر وریاء وغیرہ کے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے علاوہ ازیں جس وضع کو تم نے دوسروں سے لیا ہے وہ تمہارے تحمل سے بھی باہر ہے اور عقلاً و شرعاً انسان کو وہ کام کرنا چاہئے جس کی برداشت و تحمل کر سکے۔ تجمل بقدر تحمل ہونا چاہئے۔ میں تم کو معیار و قاعدہ بتاتا ہوں اس سے اس وضع کے جواز و عدم جواز کا اندازہ کرلیا کرو کہ قیمتی و خوش وضع لباس پہننے کے بعد تمہارے قلب میں کچھ تغیر و تبدل ہوتا ہے کچھ عجب و فخر معلوم ہوتا ہے یا نہیں اگر تمہاری حالت ویسی ہی رہے جیسے پہلی تھی تو بے شک قیمتی و خوش وضع لباس میں کچھ حرج نہیں ہے بشرطیکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو اور اگر کچھ خودداری و عجب کی بو آوے تو حرام ہے باقی وہ وضع ہر حال میں حرام رہے گی جو کفار سے اخذ کی گئی ہے کیونکہ اس میں منشاء حرمت صرف تفاخر نہیں بلکہ تشبہ بھی علت ہے پس صرف تفاخر کی نفی سے حرمت کا انتفاء نہ ہوگا جبکہ دوسری علت باقی رہے نیز ہر وقت لباس کی فکر ویسے بھی تو مضر ہے جو شخص ہر وقت اسی دھن میں رہتا ہے وہ کسی کام کا نہیں رہتا ایک حکیم فرماتے ہیں ۔

ایں تن آرائی وایں تن پروری عاقبت سازد ترا از دین بری

حضرات آپ کا کمال آپ کا جمال تو صرف علم و عمل ہے اس کا خیال رکھئے اس میں مشغول ہوجئے اس لباس سے زینت حاصل کیجئے۔ وفي ذلك فليتنافس المتنافسون۔ آپ کو علم و عمل کے ہوتے ہوئے کسی دوسری شئے کی ایسی احتیاج نہیں ہے جس کے لئے تشویش اور ذلت میں مبتلا ہو اس کا حصول تمام اشیاء سے مستغنی و بے نیاز بنا دیتا ہے کسی امر کی ضرورت نہیں رہتی ۔

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روے زیبا را

نباشد اہل باطن در پئے آرایش ظاہر بہ نقاش احتیاجے نیست دیوار گلستان را

بس ان زنانے پن کی زینت کو چھوڑنا چاہئے سادگی سے بود باش کرنا چاہئے ۔

غرض از جامہ دفع حر و برد است ندارد میل زینت ہر کہ مرد است

علامت ایمان

حدیث میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البذاذة من الایمان۔ یعنی سادگی سے رہنا ایمان کی علامت ہے۔ آپ لوگ مقتدا ہیں نائب رسول ہیں آپ اگر اس فیشن کے لباس وضع کو اختیار کریں گے تو عوام کا کیا حال ہوگا وہ تو اچھے خاصے انگریز ہی ہو جائیں گے۔

بہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روادارد　　　　زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

عوام اس سے غفلت میں پڑ جائیں گے اور ان کو آپ پر حق احتجاج حاصل ہوگا۔ اور اس سب کا وبال آپ لوگوں کی گردن پر ہوگا دیکھ لیجئے۔ احادیث میں قصہ آتا ہے کہ کوئی خلیفہ باریک کپڑے پہن کر خطبۂ جمعہ کو آئے۔ ایک صحابی نے فوراً اعتراض کیا کہ انظروا الی امیرنا هذا یلبس لباس الفساق دیکھئے خلیفۃ المسلمین کو محض باریک کپڑے پہننے پر جو اس وقت شعار اوباش کا تھا مجمع عام میں کیسا لتاڑا گیا حدیث شریف میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من تشبہ بقوم فھو منھم اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کا طریقہ زینت یا فیشن کا اہل کفر یا اہل غفلت سے ماخوذ ہوگا تو آپ بھی انہی میں شمار ہوں گے۔ طلباء کیلئے یہ لباس ہرگز شایان نہیں اس سے علم کی ناشکری بے قدری ہوتی ہے خصوصاً طالب علمی کی حالت میں تو بالکل فقراء و مساکین کی طرح سادہ لباس سادہ مزاج رہنا چاہیے، میں قیمتی لباس سے منع نہیں کرتا خدا تعالیٰ نے جس کو دیا ہے وہ پہنے میں ترفع و تفاخر سے روکتا ہوں باقی جن لوگوں میں یہ تفاخر بڑائی کا مادہ نہ ہو وہ کیسا ہی بڑھیا لباس پہنیں جب بھی وہ ان کی طالب علمی کی شان میں ضرر رساں نہیں ہوتا کیونکہ وہ بڑھیا لباس میں بھی ایسے اول جلول رہتے ہیں کہ صورت سے آثار طالبعلمی صاف نظر آتے ہیں۔

اور جو لوگ زینت و وضع کی فکر میں رہتے ہیں یا نئے فیشن کو اختیار کرتے ہیں اُن کی صورت پر طالبعلمی کی شان نہیں ہوتی بلکہ افسوس سے کہا جاتا ہے کہ آجکل اس طرز و وضع کو

اسلئے اختیار کیا جاتا ہے کہ کہیں لوگ طالب علم نہ سمجھ لیں گویا یہ چاہتے ہیں کہ عوام ہم کو زمرۂ طلبہ سے علیحدہ سمجھیں یا ایک شاندار وممتاز طالب علم تصور کریں اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ جہلاء اور عوام کی نظروں میں ہم ذلیل نہ ہوں صاحبو ذرا گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھو کہ یہ کیسی عزت ہے جس کی عزت ہونے پر اہل جہل کی نظر سے استدلال کیا جاتا ہے اس جہالت کا بھی کچھ ٹھکانا ہے عزت تو وہ ہے جس کو اہل نظر عزت کہیں۔ اہل علم کو چاہئے کہ اپنے سلف صالحین اہل علم کا اتباع کریں ان کی پیروی کو اختیار کرو اسی میں فلاح دارین تصور کریں یہ آپ کے بچپن کا زمانہ ہے اب جس طرح چاہو نفس کو سدھار سکتے ہو پھر اصلاح مشکل ہوگی۔

والنفس كالطفل اذ تحمله شب على　　حب الرضاع وان تفطمه ينفطم

اپنی وضع قدیم کو نہ چھوڑ و غرباء ومساکین واہل اللہ کے طرز پر رہو اگر تم جہلاء کی نظروں میں اس سے ذلیل بھی ہو تو اس پر فخر کرو یہی ذلت عزت ہے اور اول تو ذلیل ہوتے نہیں عوام میں بھی اسی عالم کی وقعت ہوتی ہے جو سلف کے طرز پر ہو لیکن اگر کوئی ذلیل بھی سمجھے تو تم یہ جواب دو۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم　　مست آں ساقی آن پیمانہ ایم

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد　　مرعسس را دید و در خانہ نشد

نہ معلوم کس وجہ سے آپ لوگ اپنی وضع بدلتے ہیں ہر طرز ہر طریقہ میں کیوں ردوبدل کر لیا ہے خوب دھڑلے سے انگریزی لباس پہنتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی لندن سے آئے ہیں اور طرہ یہ کہ چاہے انگریزی کا ایک حرف بھی نہ جانتے ہوں مگر لباس سے صاحب بہادر بلکہ سانپ بہادر معلوم ہوں گے۔ میرے خیال میں تو یہ عوام میں بھی ذلت ہی ہے سلف صالحین کا لباس خواص میں تو بالاتفاق وقعت کی نظروں سے دیکھا ہی جاتا ہے لیکن عوام میں بھی اسی کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور بصورت تسلیم اگر عوام اس ثقہ لباس میں آپ کو ذلیل سمجھتے ہیں تو اس نئے لباس میں عوام خواص دونوں آپ کو ذلیل سمجھتے

ہیں دونوں طرف سے طعن و تشنیع ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ سانپ سے پھرتے ہیں اور نام کو انگریزی کا ایک حرف بھی نہیں جانتے اس سے بڑھ کر ستم یہ ہے کہ تکبر لباس میں تو تھا ہی دل میں بھی تکبر گھسا ہوا ہے چنانچہ کبھی اپنی خطا کے مقر نہیں ہوتے قصور کا اعتراف نہیں کرتے تاویل کو تیار ہو جاتے ہیں ہر بات میں تاویلی یعنی ٹھنسا ہوا ہے حالانکہ ہر کلامیکہ محتاج یعنی باشد لایعنی است۔ ہر امر میں لَانَّ موجود ہے اچکن میں بھی لِاَنَّ جوتہ میں بھی لِانَّ کرتہ میں بھی لانّ ٹوپی میں بھی لانّ لباس کیا ہوا لِاَنَّ کا مجموعہ ہو گیا جو نہ اوڑھنے کا نہ بچھانے کا۔

طلب کی شان

اے صاحبو! ان تکلفات باردہ کو چھوڑ و۔ تم لوگ طالب علم ہو تو طلب کی شان کو نبھاؤ طلب کے ساتھ توجہ دو چیزوں کی طرف نہیں ہوا کرتی ہے لان النفس لا تتوجہ الی الشیئین فی ان واحد۔ ورنہ اسی لباس و باس میں پھنسے رہ جاؤ گے اور مقصود اصلی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اس نئے وضع قطع میں کیا دھرا ہے کونسی سلطنت مل جاتی ہے سلف صالحین کی وضع اختیار کرو یہی کمال ہے یہی جمال ہے یہی عزت ہے یہی حرمت ہے گراں قیمت لباس پہننا شرعاً تو کمال ہے ہی نہیں عرفاً بھی کمال نہیں ہے۔ دیکھئے تواریخ میں جہاں سلاطین کے حالات لکھے ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں تو یہ کسی جگہ نہیں لکھتے کہ فلاں بادشاہ بہت خوش لباس تھا بہت قیمتی کپڑے پہنا کرتا تھا بلکہ جو بادشاہ موٹے اور کم قیمت کپڑے استعمال کرتا تھا اس کا خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے اور خاص مدائح میں سے شمار ہوتا ہے جہاں اس کے اور کارنامے وقعت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں سادگی کا بھی احترام کیا جاتا ہے اور یہ اس کی اول نمبر کے محاسن میں سے سمجھا جاتا ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں ۔

شنیدم کہ فرماندہی دادگر قبا داشتے ہر دو رو آستر

دیکھئے چونکہ اس کی قبا میں دونوں جانب استر تھا اس لئے شیخ نے مدح کی اور کسی فرمانروا کی یہ مدح نہیں کی کہ دیباج پہنتا تھا یا اطلس پہنتا تھا علاوہ ازیں کہ یہ راحت و آرام

بھی اسی سلف کے لباس میں ہے کہ جہاں چاہا بیٹھ گئے زمین پر بیٹھ گئے تب کچھ حرج نہیں فرش پر بیٹھ جائیں تب کچھ دقت نہیں غرض ہر طرح سے آرام ہوتا ہے اور تکلف کے لباس میں ہر حالت میں تکلیف ہوتی ہے بعض لباس تو ایسے ہیں کہ ان کو پہن کر آدمی کرسی اور تخت کے سوا کسی چیز پر بیٹھ ہی نہیں سکتا اور اگر فرش یا زمین پر بیٹھتا بھی ہے تو بہت مصیبت سے پھر جن لوگوں کو لباس کی زینت کا اہتمام ہے ان کو ہر وقت اسی کا دھیان رہتا ہے حتیٰ کہ نماز میں بھی یہی خیال دامن گیر ہوتا ہے دامن سمیٹ سمیٹ کر نماز پڑھتے ہیں مبادا کہیں خاک نہ لگ جاوے کہیں دھول وغیرہ میں نہ آلودہ ہو جاوے جماعت سے نماز پڑھیں گے تو سجدہ سے سب کے بعد اُٹھیں گے تا کہ اچکن شریف کسی کے زانوئے کثیف کے نیچے نہ آجاوے نماز میں بھی یہی مشغلہ ہے جس سے ساری نماز لباس ہی ہوگئی حالانکہ چاہئے تھا اس کا عکس کہ لباس بھی نماز ہو جاتا اگر کوئی مقام صاف ستھرا ہو تو بیٹھ جاویں گے ورنہ کھڑے ہیں اللہ میاں نے یہ اس لباس کی سزا دی ہے۔ ایک صاحب کانپور میں میرے پاس آئے کوٹ پتلون ڈاٹے ہوئے تھے۔ جو شخص پتلون پہنے ہوئے ہو وہ کرسی وغیرہ پر تو بآسانی بیٹھ سکتا ہے زمین پر اُس سے نہیں بیٹھا جاتا ہم غریب لوگ ملا آدمی ہمارے پاس کرسی وغیرہ کہاں تھی ہم فرش پر بیٹھے تھے وہ بے چارے بیٹھ بھی نہ سکتے تھے اور لحاظ وشرم کی وجہ سے کھڑے کھڑے گفتگو بھی نہ کر سکتے تھے مجبور ہو کر بدن کو تول کر اور ہاتھ کی چھڑی پر سہارا دے کر بھد سے گر پڑے مجھے دل میں بہت ہنسی آئی پھر اٹھنے میں ان کو اس سے بھی زیادہ مصیبت ہوئی اگر اسی کا نام آزادی ہے تو ایسی آزادی ہماری قید پر ہزار مرتبہ قربان ہے انا للہ وانا الیہ راجعون

ایک شخص نے کیا اچھی بات کہی کہ لباس تو خادم ومملوک ہے مخدوم و مالک نہیں ہے جب اسی کی دھن میں رہے تو وہ خادم کہاں رہا مخدوم بن گیا قلب موضوع لازم آ گیا یہ تو ظاہری خرابی ہے اور شرعی خرابی یہ ہے کہ اس لباس سے کبر پیدا ہوتا ہے اور جب کبھی لباس سے کسی قسم کی کوئی ظاہری یا باطنی شرعی مفسدہ لازم آوے وہ نہی میں داخل اور حرمت کے حکم

سے موصوف ہو جاوے گا۔

کبر و عجب کا علاج

اور اس صورت میں اگر کبر و عجب کا علاج کرنا چاہو جو کہ ضروری ہے ''اور اس کی علت یہی تکلف فی اللباس'' تو اس کا علاج یہی ہے کہ اس کو بالکلیہ ترک کردو چند روز اس سے پرہیز کرو اس کا نام تک نہ لو۔ کہنے پر عمل کرو اپنی رائے سے علاج نہیں ہوا کرتا ہے کسی طبیب حاذق سے مشورہ کرو۔ اطباء بھی اپنا خود علاج نہیں کر سکتے تم تو کس شمار میں ہو یاد رکھو اس صورت میں عجب کے علاج پر بغیر اس لباس کے ترک کی قدرت نہ ہوگی۔ اگر اپنے کو صحیح وسالم رکھنا پسند کرتے ہو تو اس آفت سے فوراً دست بردار ہو جاؤ۔ اور اگر یہ چاہو کہ لباس بھی یہی رہے اور عجب بھی جاتا رہے تو یہ غیر ممکن ہے اور اس شعر کا مصداق ہے ؎

درمیاں قعر دریا تختہ بندم کردۂ   باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اگر کوئی معالج اپنی ناتجربہ کاری سے اس طریقہ کو تجویز کر چکا تو ہم یہی کہدیں گے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ   باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

تقویٰ کی ضرورت

حضرات آپ کو تو یہ تعلیم دی گئی ہے دع ما یریبك الی مالا یریبك کہ امور مشکوکہ مشتبہ سے احتراز کر کے امور یقینیہ کو اختیار کرو جن میں کسی مفسدہ کا شبہ بھی نہ ہو۔ فرماتے ہیں لا یکمل ورع المؤمن حتی یدع مالا باس بہ حذرا ممابہ باس او کما قال یعنی انسان محرمات سے جبھی اجتناب کر سکتا ہے کہ مشتبہات سے بھی اجتناب کرے یہی ہے ورع کامل اور یہی ہے اول درجہ کا تقویٰ اس کو اختیار کیجئے اگر آپ اس لباس میں تاویلیں اور توجیہیں کر کے اس کو جائز بھی کر لیں تب بھی اس کے مشتبہ ہونے میں تو کلام نہیں پھر تم امر مشتبہ کو کیوں اختیار کرتے ہو۔ صاحبو! آپ اپنے سلف صالحین کے کارنامے دیکھئے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ایک دفعہ ایک کرتہ پہنا جو آپ کو اچھا معلوم ہوا نفس کو اس سے حظ آنے لگا آپ نے مقراض لے کر اس کی تھوڑی تھوڑی آستینیں کاٹ ڈالیں تاکہ بدزیب ہو جاوے اور نفس کو حظ نہ آوے اگر اور بھی کوئی خرابی نہ ہو تو اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آپ یہ نئی وضع قطع محض حظ نفس کیلئے اختیار کرتے ہیں اور آپ کے اسلاف حظ نفس سے بھی پرہیز کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں عیسائیوں نے آپ کو بیت المقدس کی طرف بلایا آپ معمولی لباس میں اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اور تشریف اس لئے لے گئے کہ نصاریٰ نے کہا تھا کہ ہماری کتابوں میں فاتح بیت المقدس کا حلیہ موجود ہے اگر خلیفہ اسلام کا وہی حلیہ ہے تو ہم بدون جنگ کے شہر کھول دیں گے ورنہ اس کو کوئی فتح کر نہیں سکتا چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تشریف لے جانے میں بدون قتل قتال کے شہر فتح ہوتا تھا اس لئے تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر لوگوں نے عرض کیا کہ آپ خلیفہ اور سلطان ہو کر پیش ہوں گے گھوڑی پر سوار ہو جائیں اور عمدہ لباس پہن لیجئے تاکہ اُن کی نظر میں عزت اور وقعت ہو آپ نے فی البدیہہ فرمایا نحن قوم اعزنا اللّٰہ بالاسلام کہ ہم ایسی جماعت ہیں جن کو حق تعالیٰ نے اسلام سے عزت دی ہے جس سے دوسری عزتیں باسرہا ہیچ ہو گئی ہیں مگر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اصرار سے اس رائے کو قبول فرمالیا تاکہ اُن کی دل شکنی نہ ہو قبول فرمانے کے بعد لباس کی تلاش ہوئی کہ دوسرا جوڑا تبدیل کریں اب وہ لباس کہاں سے آئے خلیفہ صاحب کے پاس کپڑوں کی گٹھری ہی نہ تھی۔

صاحبو! خیر یہ تو وہ جلیل القدر صحابی تھے جن سے شیطان بھی بچ کر نکلتا تھا جن کی زبان پر حق تھا اگر اُن کے پاس گٹھری نہ تھی تو کچھ عجب نہیں۔ ہمارے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے پاس بھی کپڑوں کی گٹھری نہ تھی نہ کوئی ٹرنک بکس تھا ایک مرتبہ کسی شخص نے مولانا کی خدمت میں چند ٹوپیاں بھیجیں آپ نے ان کو تقسیم کرنا شروع کر دیا صاحبزادہ نے والدہ صاحبہ کی وساطت سے ایک ٹوپی مانگ لی خود نہیں کہا فرمایا ہاں تو بھی ایسی ٹوپی پہنے گا

ایسا دماغ بگڑا ہے اب یہ تکلف سوجھے گا دیکھ تو میں کیسی ٹوپی پہنتا ہوں اور ان کے کپڑوں کی گٹھری دیکھی۔ تقدیر سے صاحبزادے کی گٹھری بھی بھڑکدار نکلی بس آگ بگولہ ہو گئے کہ او ہو اس بھڑکدار گٹھری میں آپ کا لباس رکھا جاتا ہے یوں کپڑے تہہ ہوتے ہیں یہ اچکن بھی تہہ ہوا رکھا ہے غرض سب کپڑوں کو کھول کھول کر صحن میں پھینک دیا۔ تو جب متبعین کی یہ حالت ہے تو مقتداؤں کی حالت سے کیا تعجب۔ غرض حضرت خلیفہ کے پاس تو لباس ملا نہیں ایک خوش وضع جوڑا مستعار لیا گیا اور آپ اسے پہن کر گھوڑے پر سوار ہو کر چلے ایک دو قدم ہی چلے تھے کہ فوراً اُتر پڑے کیونکہ اس لباس اور اس سواری میں نفس کا کچھ حظ آنے لگا تھا اور نظر اپنے اوپر پڑنے لگی تھی سچ ہے ۔

بر دل سالک ہزاران غم بود گر زباغ دل خلالے کم بود

اور کہتے ہیں ۔

بہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں

بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آن نقش وچہ زیبا

اور فرمایا تم نے تو عمر کو ہلاک ہی کر دیا ہوتا لاؤ میرا پرانا لباس اور اس جنجال کو مجھ سے دور کرو میں اس عاریتی لباس کو نہیں پہنتا ۔

کہن خرقہ خویش پیراستن بہ از جامۂ عاریت خواستن

بس وہی لباس پہن کر اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لے چلے۔ اس میں دینی نفع تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے مقبول ہوئے اور دنیاوی فائدہ یہ ہوا کہ وہاں نصاریٰ کو اپنی کتابوں کی پیشین گوئی سے اس کی بھی اطلاع تھی کہ خلیفہ کس شان سے آئیں گے چنانچہ وہ دور سے دیکھتے ہی پہچان گئے ورنہ وہ اس وضع کو دیکھ کر سمجھتے بھی نہ کہ خلیفہ کون ہیں۔

میں آپ کو ایک ضابطہ کلیہ بتائے دیتا ہوں اس کو یاد رکھ لو اور اپنی ہر طرز کو اس معیار پر جانچ لیا کرو۔ یاد رکھو کہ جس وقت تم اپنی نگاہ میں بھلے معلوم ہو اُس وقت سمجھ لو کہ تم حق تعالیٰ کی نظروں میں برے ہو کسی کمال سے کسی جمال سے کسی علمی تقریر تحریر سے جب تم کو اپنے

اندر حسن ظاہر ہو اس وقت حق تعالیٰ کے نزدیک تمہارے اندر قبح ہوگا وہ قبح یہ پندار اور خود بینی ہے اسی خود بینی کے باب میں ایک صاحب حال اور صاحب فن فرماتے ہیں ۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

احادیث میں اعجاب کل ذی رای برأیہ اور خود رائی کی سخت مذمت وارد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عجب کو مذموم فرمایا ہے اس کا راز یہ ہے کہ عجب و خود بینی مقدمہ ہے کبر کا کیونکہ انسان عجب سے اول تو اپنے نفس کو جمیل و حسین دیکھتا ہے بعد میں اوروں کو ذلیل سمجھنے لگتا ہے یہی کبر ہے اور مقدمات شئ کیلئے بھی شئ ہی کا حکم ہوا کرتا ہے لہٰذا عجب علاوہ مستقل نصوص کے خود اس دلیل سے بھی حرام ہے اب اس لباس کے پہننے والے سوچ لیں کہ یہ لباس پہن کر ان کو عجب ہوتا ہے یا نہیں۔ اب اختیار ہے تاویلیں کرتے رہیں ہمارا کام بتانا تھا بتادیا۔ بر رسولاں بلاغ باشد و بس ۔ وہ خود جانتے ہیں اہل علم ہیں بل الانسان علی نفسه بصيرة ولو القى معاذيره تو یہ لباس میں فخر تھا۔

مغرب کی تقلید

اب بول چال کو لے لیجئے یہاں بھی وہی مصیبت ہے تقریر میں بھی فخر تحریر میں فخر اور مجھ کو بعض نو آموز اور مبتدیوں کی یہ زیادہ شکایت ہے کہ فخر بھی ایک مذموم چیز پر یعنی یہ لوگ اپنی تقریر و تحریر میں نئی زبان کا اتباع کرنا چاہتے ہیں انگریزی زبان کے والہ و شیدا ہیں وہی محاورات برتیں گے اور یہ بلا عوام میں بھی گھس گئی چنانچہ بعضے مفردات کو بگاڑ کر بولیں گے لب و لہجہ کو بدل دیں گے صحیح اردو بولنے سے عار آتی ہے اگرچہ ہیں ہندوستانی مگر زبان غلط ہی بولیں گے ورنہ کس شان ہوگی۔ کانپور کے اسٹیشن پر میں نے ایک ہندوستانی خانساماں کو دیکھا حالانکہ ہندوستانی تھا مگر انگریزی کے نشہ میں ڈوبا ہوا تھا کسی سے کہہ رہا تھا کہ ہم یہ بات سننا نہیں مانگتا۔ نالائق سننا بھی کوئی مانگنے کی چیز ہے اس حماقت کی بھی کوئی حد ہے۔ واللہ عقول مسخ ہوگئیں انگریز تو اس امر کی کوشش کریں کہ صحیح اردو بولیں خطاء سے احتراز کریں

اور یہ احمق اس کوشش میں ہیں کہ غلط اردو بولیں ان کو اگر صحیح اردو بولنا آجائے تو فخر کرتے ہیں اور یہ بیہودہ غلط بول کر فخر کرتے ہیں اپنے کو انگریز بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کے پوری مصداق ہوجائیں ایک مرتبہ میرے بھائی کے پاس ایک ہندو تحصیلدار صاحب، اور ایک مسلمان سب انسپکٹر آئے مگر تھانہ دار صاحب تو داڑھی منڈائے ہوئے تھے اور تحصیلدار داڑھی رکھے ہوئے تھے۔ نوکر پان لے کر آیا اور تھالی تحصیلدار کے سامنے رکھ دی یہ دیکھ کر تھانہ دار صاحب ہنسے کہ اس نے مجھ کو ہندو سمجھا نوکر ان کے ہنسنے سے سمجھ گیا اور تھالی اٹھا کر اُن کے سامنے رکھ دی۔ اس پر بھائی نے اُن کو خوب ہی لتاڑا اور بہت شرمندہ کیا کہ افسوس ہے تم ایسی حالت اختیار کئے ہوئے ہو جس سے نوکر نے تم کو ہندو سمجھا۔

ایک اہلکار اپنی داڑھی رکھنے کا ایک عجیب قصہ بتاتے تھے کہ میں داڑھی منڈایا کرتا تھا میری کسی دوسری جگہ تبدیلی ہوئی وہاں پہنچا تو ایک ہندو رئیس ملنے آیا اور کہا اچھا ہوا آپ تشریف لے آئے یہاں ہمیشہ سے مسلمان ہی آتے رہے۔ اور ہندوؤں کو بہت تنگ کرتے ہیں اب آپ سے ان کو قوت ہوگی اور یہ بھی کہا کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کی خوب خبر لی جاوے۔ انھوں نے کہا سبحان اللہ اور میں کیا آپ کے نزدیک ہندو ہوں میں بھی مسلمان ہوں وہ تو اپنی اس حماقت سے شرمندہ ہوا ہی مگر میں نے بھی اُسی روز سے داڑھی منڈانی چھوڑ دی کہ افسوس اس نالائق نے مجھ کو محض داڑھی نہ ہونے کی وجہ سے ہندو سمجھا پھر کبھی نہیں منڈائی۔

میں نے الٰہ آباد میں بیان کیا تھا کہ اے نئی روشنی کے شیداؤ اور اے جنٹلمینو ں تم جلدی سے داڑھی رکھ لو کیونکہ میں نے اخبار میں دیکھا ہے کہ یورپ میں اس امر کا مشورہ ہو رہا ہے کہ داڑھی رکھنا چاہئے منڈانا نہیں چاہئے تو اگر وہاں یہ پاس ہوگیا تو لازمی بات ہے کہ پھر تم بھی تقلیداً ضرور ہی داڑھی رکھو گے سو قبل اس کے کہ یہ وہاں پاس ہو تو تم اس جرم سے تائب ہوجاؤ اور شریعت کی رسی پکڑ لو ورنہ ناحق بدنام ہو گے کہ انہوں نے یورپ کی اتباع سے

داڑھی رکھی ہے شریعت کے حکم سے نہیں رکھی۔ اور یہ ممکن نہیں کہ جب داڑھی رکھنا فیشن ہو جائے تو تم اس فیشن کو چھوڑ دو لامحالہ ضرور رکھو گے اس لئے پہلے ہی سے رکھنا مناسب ہے مجھے اس بات پر کہ بعضے ہندو داڑھی رکھتے ہیں اور بعضے مسلمان نہیں رکھتے ایک شعر یاد آیا ہے ؎

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا اپنا مذہب چھوڑ کر   میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا

مسلمانوں نے کفار کی دیکھا دیکھی داڑھی منڈانا شروع کی اور کفار نے مصالح خاصہ کے سبب رکھنی شروع کر دی یہ تو ان کے طرز پر مٹے ہوئے ہیں اور وہ ان کی پرواہ بھی نہیں کرتے آج کل مسلمان ہر امر میں اُلٹی چال چلتے ہیں جو اختیار کرنے کا کام ہے اس کو ترک کرتے ہیں جو ترک کرنے کا ہے اس کو اختیار کرتے ہیں جیسے ایک شخص کی عورت ہمیشہ اُلٹا کام کرتی تھی ہر بات کا اُلٹا جواب دیا کرتی تھی جس کام کو کہتا اس کے خلاف ہی کرتی وہ تنگ آ گیا تھا اس نے کہا قصہ پاک کرنا چاہئے بس ایک روز ندی میں طغیانی ہوئی اُس نے عورت سے کہا آج جنگل میں میرے پاس روٹی لے کر نہ آنا کہا میں تو آؤں گی اُس نے کہا اچھا ندی چڑھ رہی ہے ندی میں سے مت آنا کہا میں تو ندی ہی میں سے آؤں گی غرض ندی سے روٹی لے کر جانے لگی پانی زیادہ تھا ڈوب کر مر گئی شام کو جب وہ شخص اس کو ڈھونڈنے چلا تو جس طرف کو ندی بہہ رہی تھی اس کے خلاف چلا، لوگوں نے کہا ادھر کیوں جاتا ہے کہا وہ ندی میں ڈوب کر مر گئی ہے اور چونکہ ہر کام الٹا کرتی تھی تو شاید الٹی ہی بہی بھی ہو اس لئے الٹا ہی تلاش کرتا ہوں۔ خیر یہ تو ضد کے لفظ پر یاد آ گیا۔ بھائیو تم مسلمان ہو تم کو اسلامی طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہنے کو کہتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں اور پھر مخالفت کرتے ہو یہ کیسا اسلام ہے کہ اسلام کے مخالف ہے حتیٰ کہ احکام سے گزر کر زبان تک میں غیر قوموں کی تقلید کرتے ہیں اور وہ لوگ صحیح اُردو بولنا باعث عزت سمجھتے ہیں گو بولی نہیں جاتی چنانچہ مظفر نگر میں ایک یورپین سپرنٹنڈنٹ پولیس اُردو بولتا تھا اور اس پر فخر کرتا تھا کہ میں صحیح اُردو بولتا ہوں اور ایک یہ احمق ہندوستانی ہیں کہ اس طرح بولتے ہیں وَل ہم سننا نہیں مانگتا۔ نہ معلوم یہ

کونسی اردو ہے ایسے ہی بعض مقامات پر ترکیب کو بدل رہے ہیں۔ مثلاً بجائے اس کے کہ آپ کو شام کو آنے کا اختیار ہے یہ بولتے ہیں آپ شام کو آسکتے ہیں آپ جاسکتے ہیں نہ معلوم یہ سکنا کیسا ارزاں ہوگیا ہے بس فضول لفظ استعمال کرتے ہیں حالانکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ شام کو آنے کا اختیار ہے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب کے یہاں میری دعوت ہوئی اور ساتھ میں ایک جنٹلمین صاحب کی بھی تھی چونکہ اُنہیں زکام تھا اس لئے اُن کے واسطے مسی روٹی پکوائی گئی تھی اور میرے لئے گیہوں کی روٹی پکی، مسی روٹی اوپر رکھی تھی میں نے دل میں کہا کہ اگر نیچے سے گیہوں کی روٹی نکالوں تو یہ شخص کہے گا کہ مولوی بھی کیسے بدد ماغ ہوتے ہیں کہ ان سے مسی روٹی نہیں کھائی جاتی۔ اس لئے میں نے مسی روٹی توڑی صاحب خانہ نے کہا کہ آپ گیہوں کی روٹی کھایئے مسی روٹی آپ کیلئے ہے کیونکہ آپ کو زکام ہورہا ہے تو جنٹلمین صاحب فرماتے ہیں نہیں نہیں آپ کھاسکتے ہیں یعنی آپ کھانے پر قادر ہیں مجھ کو بہت ہنسی آئی بس سکنا تو ان کا اوڑھنا بچھونا ہوگیا ہے مجھ کو ان کی شکایت نہیں۔ شکایت تو عربی خوانوں کی ہے کہ وہ کس وجہ سے اس طرز کو اختیار کرتے ہیں وہ لوگ تو انگریزی پڑھتے ہیں اس لئے یہ طرز اختیار کرتے ہیں تم کو کیا ہوا تم تو عربی پڑھتے ہو تو عربی طریقہ اختیار کرو افسوس ہے کہ تمہاری تحریر تقریر سب نئی زبان کے قالب میں آگئی ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کیوں اپنے علم کو برباد کرتے ہو تمہارے سلف کا طریقہ کیا برا ہے اُس میں کونسی قباحت ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تم اس طرح بولو کہ اس کے تیئں۔ بیچ سہارنپور۔ اوپر اس کے۔ گو ابتدائی تعلیم میں ترجمہ کا یہی طریقہ مناسب ہے کیونکہ عربی فارسی الفاظ کا ترجمہ اس طرز میں اچھی طرح معلوم ہوتا ہے۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کے بھائی حکیم علی اکبر صاحب کیرانوی بہت سادہ مزاج و باکمال شخص تھے کسی بات میں تکلف نہیں تھا فرمایا کرتے تھے کہ آج کل ترجمہ کا نیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے مکتوب دویم کا ترجمہ کرایا جاتا ہے دوسرا خط جس سے وہ

پڑھنے والا اوتنی کا یوں سمجھے کہ مکتوب کا معنی تو دوسرا اور دویم کا معنی خط یوں ترجمہ کرانا چاہیے خط دوسرا اور ہے بھی واقعی یہی بات البتہ جب اوتنی سمجھ آجائے کہ ترجمہ الفاظ خود سمجھنے لگے تو محاورہ کے اتباع میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ایک مرتبہ ان کے سامنے کوئی شخص نعتیہ غزل پڑھ رہا تھا اُس نے کسی شعر میں پڑھا بلالو یا رسول اللہ فرمایا اتنی کا یا بھوتنی کا کہتا ہے بلالو ہاں اس کے لئے پالکی آوے گی نا ارے جانا ہے تو چلا جا۔ اُن کی باتیں بھلی معلوم ہوا کرتی تھیں۔

بھائیو تمہارے سلف تو بڑے فصیح و بلیغ تھے اُن کی پیروی کرو اُن کے طرز پر مطلب خیز عبارت لکھواپنے مشائخ کا اتباع کرو انگریزی طرز میں علاوہ تشبہ کے ایک سب سے بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں تلبیس کی بہت گنجائش ہوتی ہے ہمیشہ خلط ہوسکتا ہے اس میں فقط تمویہ محض ہوئی ہے اس طرز میں باطل کو حق کر کے دکھا سکتے ہیں۔ جب یہ باطل کا ذریعہ ووسیلہ ہے تو اس کو رخصت کر کے اپنے بزرگوں کے طرز کو پیشوا بناؤ۔

حاصل یہ ہے کہ آج کل افتخار ہر جگہ موجود ہے ہر شئے میں بڑائی ہے عوام سے تو اتنا تعجب نہیں۔ اہل علم سے زیادہ تعجب ہے کہ وہ بھی تکبر وافتخار میں مبتلا ہیں اِنَّ هٰـذا لشئٌ عُـجَابٌ اور بالخصوص طلبہ کو تلخیص کے طور پر خاص خطاب کرتا ہوں کہ حب مال کیلئے تذلل اختیار کرنا دریوزہ گری کرنا کسی کے دروازہ پر جا کر خوشامد کرنا اخلاقی حیثیت سے بھی بہت مذموم اور واجب الترک ہے البتہ دفع ظلم و رفع مضرت کیلئے مجبوری ہے مگر بقدر ضرورت کیونکہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ۔ باقی محض مال جمع کرنے کے لئے تذلل اختیار کرنا یہ بالکل حرام ہے اسی طرح طلب جاہ کیلئے زینت وآرائش کرنا یا فیشن اختیار کرنا یہ بھی سخت مذموم ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَیَبْتَـغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ خدا کے سوا اور کسی کے پاس عزت نہیں سب عزتیں اس کے قبضہ وقدرت میں ہیں جس کو چاہے عزت دے جس کو چاہے ذلت دے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَئٍ قَدِيْر صاف نص ہے اس کو پیش نظر رکھو طلب عزت اُسی سے چاہئے۔ اور مال کے واسطے آبرو پر پانی پھیرنا جیسے شرعاً قبیح ہے اسی طرح عرفاً وعقلاً بھی تو مذموم ہے

کیا چار پیسے کیلئے اپنی عزت کو خاک میں ملاوے اور گداگری کرے۔

حاصل یہ ہے کہ حب مال وحب جاہ سے اپنی قدیمی وضع اور اسلامی طرز کو چھوڑنا نہایت مذموم ہے۔ استکبار وتذلل عقلاء سے بعید بلکہ ابعد ہے آپ تواضع و استغناء کو پیشوا بنائے۔ اب چونکہ وقت بھی ختم ہوگیا ہے اور ضروری مضمون بھی ختم ہوگیا ہے لہٰذا میں بیان کو ختم کرتا ہوں اور حافظ شیرازیؒ امام فن کے دو شعر نقل کرکے یہ بتاتا ہوں کہ یہ مضمون فقط میرا ہی ایجاد واختراع نہیں ہے بلکہ اکابر نے بھی اس کو بیان کیا ہے پس فرماتے ہیں۔

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی　　بے زر وگنج بصد حشمت قاروں باشی

اس میں استغناء عن المال کی تعلیم فرمائی ہے کہ گو تمہارے پاس زر نہ ہو لیکن استغناء مالک خزائن ہی جیسا ہونا چاہئے۔ آگے استغناء عن الجاہ یعنی تواضع کی نسبت فرماتے ہیں۔

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں　　شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

مجنوں میں جاہ کہاں، تمام بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ استغناء وتواضع کو جمع کرو اور تذلل و تکبر سے بچو حب مال وحب جاہ کو چھوڑو اور لباس ووضع کے فضول تعلقات کو جو کہ حب جاہ سے ناشی ہوتا ہے قطع کرو پس اب حق تعالیٰ سے دعا کرو کہ حق تعالیٰ فہم عطا فرماویں اور توفیق عمل عطا کریں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

برحمتك یا ارحم الراحمین واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین O

اشرف علی (رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ)

حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات اوران کی تحریرات کا انتخاب

ماخوذ از مسائل تصوّف

کبر اکثر معاصی کی اصل ہے

﴿أ فکلما جاء کم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم ﴾ (بقرۃ ۸۷)
کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جن کو تمہارا دل نہ چاہتا تھا تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا۔

اس میں دلیل ہے کہ کبر اکثر معاصی کی اصل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تکذیب[۱] اور قتل کو استکبار[۲] پر مرتب فرمایا ہے (از مسائل تصوف ص ۶۱)

متکبرین کو وعظ و نصیحت نہ کرنے کی اصل

﴿و اذا قیل لہ اتق اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم فحسبہ جھنم﴾ (بقرۃ : ۲۰۶)
اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا خوف کر تو نخوت اس کو گناہ پر آمادہ کرتی ہے، سو ایسے شخص کے لئے سزا جہنم ہے۔

اس میں اصل ہے متکبرین کو وعظ و نصیحت نہ کرنے کی۔ ص ۷۹

کبر و نخوت کی جڑ قطع کرنا

﴿و من لم یستطع منکم طو لا ان ینکح المحصنت فمن ماملکت ایمانکم من فتیتکم المومنت ٥ و اللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض﴾ (نساء ۲۵)
اور جو شخص تم میں پوری مقدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو، آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں، نکاح کرے اور تمہارے ایمان کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو۔

---

(۱) جھٹلانا (۲) تکبر کرنا۔

اس میں کبرونخوت کی جڑ قطع کی گئی ہے اور اس میں صوفیاء کا اہتمام معلوم ہے۔ (ص ۱۸۸)

تکبر درسگاہِ الٰہی میں وصول مقبولیت سے مانع ہے

﴿قال فاهبط منها فما يكون لك ان تتكبر فيها فاخرج انك من الصغرين﴾ (اعراف ۱۳)

حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر، تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر سو نکل تو ذلیلوں میں شمار ہوگا۔

یعنی درسگاہِ الٰہی سے دور ہو کیونکہ تکبر اس درسگاہ کے منافی ہے۔ (کذافی الروح)

پس اس میں دلالت ہے کہ کبر درسگاہِ الٰہی میں وصول مقبولیت سے مانع ہے۔ (ص ۱۸۸)

متکبرین کے ساتھ تکبر عبادت ہے

﴿ساصرف عن ايتى الذين يتكبرون فى الارض بغير الحق﴾

(اعراف: آية ١٤٦)

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں۔

بغیر حق یہ ہے کہ غیر متکبر کے مقابلہ میں تکبر کرے اور متکبر کے مقابلہ میں تکبر کرنا یہ بحق ہے اور حقیقت میں صورۃً تکبر ہے حقیقۃً نہیں۔ (ص ۲۰۴)

اصلاح کے لئے زوالِ کبر پہلی شرط ہے

﴿ان الذين عند ربك لا يستكبرون عن عبادته و يسبحونه﴾

(اعراف: ۲۰۹)

یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

تکبر سے بری ہونے کے دوسری طاعات پر مقدم کرنے میں اس پر دلالت ہے کہ زوالِ کبر باقی اصلاح کی گویا شرط ہے۔(ص ۲۱۳)

تکبر کی مذمت

﴿قلوبهم منكرة وهم مستكبرون﴾ (نحل:۲۲)

ان کے دل منکر ہو رہے ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔

اس سے تکبر(۱) کی مذمت جس قدر معلوم ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ کفر وانکار کی اصل وہی ہے۔(ص ۲۹۴)

احوالِ باطنیہ غیر اختیاریہ کے منتظر رہنے کا منشاء تکبر ہے

﴿وقال الذين لا يرجون لقاء نا لو لا انزل علينا الملائكة او نرى ربنا﴾ (فرقان ۲۱)

اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں۔

اس میں اس شخص کی مذمت کی طرف اشارہ ہے جو سلوک میں احوال باطنیہ غیر اختیاریہ کا منتظر رہتا ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ منشاء اس انتظار کا حقیقت میں تکبر ہے اور اپنے مجاہدات واعمال پر استحقاق کا دعویٰ ہے۔(ص ۳۸۲)

اظہار نعمت، عجب وتکبر میں داخل نہیں ہے

﴿وقالا الحمد لله الذى فضلنا على كثير من عباده المؤمنين﴾ (نمل ۱۵)

(۱) اپنے آپ کو صفات کمال میں دوسرے سے بڑھ کر سمجھنا تکبر ہے۔

اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے سزوار ہیں، جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔

......اس سے یہ معلوم ہوا کہ اظہار نعمت، عجب و کبر میں داخل نہیں البتہ جو براہِ عجب وتکبر ہو وہ مذموم ہے۔ (ص ٢٠٦)

زوالِ کبر میں مواقع فضل الٰہی کا ارتفاع ہے

﴿ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمةً ونجعلھم الوارثین﴾ (قصص :٥)

اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین میں زور گھٹایا جارہا تھا ہم ان پر احسان کریں اوان کو پیشوا بنائیں اوران کو مالک بنائیں۔

اس میں اس پر دلالت ہے کہ زوال کبر میں مواقع فضل الٰہی کا (جس کی افضل فرد امامت فی الدین ہے) ارتفاع ہے چنانچہ استضعفوا کے بعد ونجعلھم ائمةً فرمایا ہے۔ (ص ۴١٢)

کبر بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے

﴿أ انزل علیه الذکر من بیننا﴾ (ص ٨)

کیا ہم سب میں اسی شخص پر کلام الٰہی نازل کیا گیا۔

چونکہ اس قول کا منشاء کبر ہے کہ کبر ایسی مذموم چیز ہے کہ بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ (ص ۴۵٨)

کامیابی کا دارومدار مجاہدہ پر ہے نہ کہ انساب پر

﴿وقالوا لن یدخل الجنة الا من کان ھوداً او نصری O تلك امانیھم O قل

هاتوا برهانکم ان کنتم صادقینO بلی من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف علیهم ولاهم یحزنون ﴾(بقره ۱۱۲)

اور یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پائے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہوں یا ان لوگوں کے جو نصرانی ہوں یہ دل بہلانے کی باتیں ہیں، آپ ﷺ کہئے کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو ضرور دوسرے لوگ جائیں گے۔ جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکادے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو ان کا عوض ملتا ہے پروردگار کے پاس پہنچ کر اور نہ ایسے لوگوں پر کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ مغموم ہوں گے۔

اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ فلاح اکساب سے ہے انساب سے نہیں کیونکہ بڑا مبنیٰ دعویٰ فریقین کا یہی انتساب تھا جیسے ہمارے زمانہ میں اولاد مشائخ کی حالت ہے۔ (ص ٦٤)

مجاہدات پر عجب اور نظر نہ ہونا

﴿ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضکم علی بعض للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء مما اکتسبن واسئلوا الله من فضله ان الله کان بکل شیء علیما۔﴾ (نساء: ۳۲)

اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعض پر فوقیت بخشی ہے، مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز خوب جانتے ہیں۔

نصیب مما اکتسبو اور مما اکتسبن کے بعد واسئالوا الله من فضله کے لانے سے نہی ہے کہ مجاہدات پر نظر اور عجب ہو۔ (ص ۱۲۴)

اہل فنا میں دعویٰ تقدس نہیں ہوتا

﴿الم تر الی الذین یزکون انفسهم﴾ (نساء: ٤٩)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کو مقدس بتلاتے ہیں۔ اس میں دعوی تقدس پر انکار ہے اور اس میں بجز اہل فنا کے بہت سے مشائخ مبتلا ہیں۔

کسی کو اپنے علم یا عمل پر اعتماد جائز نہیں

﴿ولو لا فضل الله عليك ورحمته لهمت طائفة منهم ان يضلوك﴾ (نساء:۱۱۲)

اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتو ان پر لوگوں میں سے ایک گروہ نے آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کرلیا تھا۔

اس پر دال ہے کہ کسی کو اپنے علم یا عمل پر اعتماد جائز نہیں۔ (ص ۱۳۵)

دعاوی اکاذیب کی حیثیت

﴿ليس باما نيكم ولا امانى اهل الكتاب﴾ (نساء ۱۲۳)

نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے۔

یہ اپنے عموم مضمون سے اس پر دال ہے کہ بعضے لوگ جو دعوی کیا کرتے ہیں کہ چونکہ ہم اصحاب حال یا منسوب الی اہل الکمال ہیں ہم پر اعمال بد سے مواخذہ نہ ہوگا۔ یہ دعوی باطل محض ہے کیونکہ ایسے دعاوی اکاذیب مردودہ عندالشریعت ہیں۔ (۱۳۶)

طلب جاہ کی مذمت

﴿ايبتغون عندهم العزة فان العزة لله جميعاً﴾ (نساء : ۱۳۹)

کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں، سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

اس میں طلب جاہ کے مذموم ہونے پر صریح دلالت ہے۔ (ص ۱۴۱)

دنیوی نعمت کو حقیر سمجھنا جہالت ہے

﴿یا ایھا الذین امنوا اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ ھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم﴾ (مائدہ : ۱۱)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے، جبکہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا۔

اس میں اس شخص پر رد ہے جو خدا تعالیٰ کے دنیوی نعمتوں کو حقیر سمجھتا ہے جیسا کہ اکثر جاہل افراط کرتے ہیں۔(۱۴۷)

ترکِ عجب نزول سکینہ کا سبب

﴿اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ○ ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین۔﴾ (التوبة : ۲۵،۲٦)

جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے عزہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے لئے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور دوسرے مؤمنین پر تسلی نازل فرمائی

اس میں دلالت ہے کہ بندہ کو غیر اللہ پر نظر اور عجب نہ کرنا چاہے اور اس پر بھی دلالت ہے کہ ترک عجب نزول سکینہ کا سبب ہوتا ہے جس کی تفاسیر کا حاصل یہ ہے کہ قلب کا قرار پانا اور راضی رہنا احکام قضا پر اور فنا خطوط کے ساتھ حق تعالیٰ کی معیت کا مقام ہو جانا۔ (ص ۲۲۵)

اگر بہ ضرورت کمالات بیان کرنا پڑیں تو اس بیان کی حکمت بھی ظاہر کردینا ضروری ہے

﴿ذلك ليعلم انی لم اخنه بالغيب وأن الله لايهدی كيد الخائنين ٥ وما ابرئ نفسی﴾ (سورہ یوسف آیت نمبر ۵۳،۵۲)

یہ تمام اہتمام اس وجہ سے ہے تاکہ عزیز کو یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو میں دست اندازی نہیں کی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا۔

مقصود یہ ہے کہ اس تحقیق حق میں حکمت واقع کا اظہار ہے نہ کہ علی الاطلاق یعنی ماہر نقص سے یا علی الاستقلال یعنی بدون تحقیق کے نزاہت کا دعویٰ اور اس میں دلالت ہے کہ اگر اپنے کمالات کبھی بیان کرنا پڑیں تو اس بیان کی حکمت بھی ظاہر کردینا بہتر ہے تاکہ ایہام سے محفوظ رہے۔ (ص ۲۷۴)

عبودیت اشرف اوصاف ہے

﴿سبحن الذی اسری بعبده﴾ (بنی اسرائیل: ۱)

وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو

یہاں آپ ﷺ کی صفت عبد فرمانا اس لئے ہے کہ عبودیت اشرفِ اوصاف ہے نیز اس میں سد باب ہے کہ آپ ﷺ کے حق میں کوئی غلو نہ کرنے پائے جیسا نصاریٰ نے اپنے نبی کی شان میں کیا اور چونکہ اصل معنی اس کے ذل اور خضوع ہے اور یہ بعد معرفت کاملہ کے ہوتا ہے تو اس سے آپ کے کمالِ معرفت پر دلالت ہوئی۔ (۳۰۰)

اپنے تقدس و نسبت باطنہ پر کسی کو ناز کرنے کا حق نہیں

﴿لو لا ان ثبّتنك لقد كدت تركن اليهم شيئاً قليلا﴾ (بنی اسرائیل ۷۳)

اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔

یہ نص ہے اس میں کہ انبیاء کا حافظ بھی حق تعالیٰ ہی ہے، بدوں اس کے قوت قدسیہ کافی نہیں تو دوسرے کو تو اپنے تقدس و نسبت باطنہ پر ناز کرنے کا کوئی حق ہی نہیں اور ممکن ہے کہ خود وہ نسبت بھی موہومہ رہی ہو۔ (۳۰۷)

اہلِ نسبت کو سلبِ نسبت سے ڈرتے رہنا چاہئے

﴿ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحينا اليك ثم لا تجد لك به علينا وكيلا﴾
(بنی اسرائیل:۸۶)

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے سب سلب کرلیں پھر اس کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے۔

اسی طرح اہلِ نسبت کو ڈرتے رہنا چاہئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہے جب آپ سے یہ خطاب ہے تو دوسرا کس حساب میں ہے۔ (ص ۳۰۹)

دعویٰ کمال نہ کرنے کا اثبات

﴿فاوجس فی نفسه خيفة موسى﴾ (طه : آیت ٦٧)

سو موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا۔

اس میں اثبات ہے عدم ادعاو کمال کا کیونکہ ایسے شخص کو خوف نہیں ہوتا۔ (۳۴۰)

کھانا نہ کھانا علامتِ مقبولیت سے نہیں

﴿وما جعلنهم جسدا لایأکلون الطعام وما کانوا خالدین﴾

(الانبیاء آیت ۸)

اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسد نہیں بنائے تھے جو کہ کھانا نہ کھاتے ہو اور وہ حضرات ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوتے۔

یہ آیت دال ہے اس پر کہ کھانا نہ کھانا کمالات اور علامات مقبولیت سے نہیں جیسا کہ بہت سے عوام اور بعض خواص بھی خیال کرتے ہیں۔ (ص ۳۴۵)

باطنی نعمتوں سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے

﴿ایحسبون انما نمدھم بہ من مال وبنین﴾ (المؤمنون : آیت ۵۵)

کیا یہ لوگ یوں گمان کررہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال واولاد دیتے چلے جاتے ہیں۔

اسی قیام پر نعم باطنہ سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے جیسا احوال ومواجید سے کیونکہ وہ کبھی استدراج ہوتا ہے۔ (ص ۳٦۷)

ادب اور عبدیت کا پورا اظہار

﴿فھو یھدین والذی ھوی یطعمنی ویسقین﴾ (الشعراء آیت ۷۸،۷۷)

پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے اور جو کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے۔

اس میں ادب اور عبدیت کا پورا اظہار ہے کہ اس میں ابراہیم علیہ السلام نے یہ بتلادیا کہ جس طرح دینی نعمت یعنی ہدایت کی مجھ کو احتیاج ہے اسی طرح دنیوی نعمت کھانے پینے کی بھی احتیاج ہے بخلاف جاہل مدعیان زہد کے وہ دنیوی نعمتوں کی تحقیر کرتے ہیں اور اس سے اپنا استغناء ظاہر کرتے ہیں۔ (ص ۳۹٦)

ثمرات کو اپنی سعی اور مجاہدہ کی طرف منسوب کرنا مذموم ہے

﴿قال انما اوتیته علی علم عندی ط﴾ (القصص آیت ۷۸)
قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے۔
اسی طرح ثمرات کو اپنی سعی اور مجاہدہ کی طرف منسوب کرنا مذموم ہے۔(ص ۴۲۰)

رضائے حق کے حاصل کرنے کے لئے خشیت اور معرفت کی ضرورت ہے

﴿رضی الله عنهم و رضوا عنه﴾ (البینة آیت نمبر ۸)
اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے۔
روح میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اقصیٰ مراتب آخرت کے کہ رضائے حق ہے حاصل ہونے کے لیے خشیت کی اور اس کے موقوف علیہ یعنی معرفت کی ضرورت ہے۔
(ص ۵۳۳)

تفاخر اور مباحات کی مذمت

﴿الهکم التکاثر﴾ (التکاثر آیت نمبر ۷)
فخر کرنا تم کو غافل کیے رکھتا ہے۔
تفاخر اور مباحات کی مذمت میں نص ہے۔(ص ۵۳۴)

مال یا جاہ عطا ہونے پر حق تعالیٰ شانہ کا شکر ادا کرنا چاہیے

﴿لایلف قریش O الفهم رحلة الشتاء و الصیف O (قریش آیت ۱، ۲)
چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کو خوگر ہو گئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو امر دینی کے سبب مال یا جاہ نصیب ہو جیسا قریش کو بواسطہ تعلق بیت اللہ کے ساتھ تھا جس کا اس میں ذکر ہے اس کا حق یہ ہے کہ بجائے تفاخر اور دعوے استحقاق کے خدا تعالیٰ کا شکر اور اطاعت کا خاص اہتمام کرے۔

اپنی قوت کا دعویٰ نہ کرنا اظہار عبدیت ہے

﴿وانی عذت بربی وربکم ان ترجمون﴾ (الدخان : آیۃ نمبر ۲۰)

اور میں اپنے پروردگار اور تمہارے پرودگار کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تم لوگ مجھ کو پتھر سے قتل کرو۔

حق تعالیٰ کی طرف التجا کرنا اور اپنی قوت کا دعویٰ نہ کرنا جیسے مدعیان تصرف کیا کرتے ہیں اظہار عبدیت کا۔ (ص ۴۸۲)

اپنے آپ کو دین کا مدار سمجھنا عجب میں شامل ہے

﴿وان تتولوا یستبدل قوما غیر کم (محمد آیت ۳۸)

اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا۔

اس میں اس گمان کا قطع کرنا ہے کہ کسی خدمت دینیہ کو اپنی ذات پر موقوف سمجھے جیسے بعض اہل عجب اپنے کو دین کا مدار سمجھتے ہیں۔ (ص ۴۸۷)

اپنے اعمال پر نظر نہ کرنا چاہیے

﴿قالت الاعراب امنا﴾ (الحجرات آیۃ ۱۴)

یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اپنے اعمال پر نظر نہ کرے اور ہدایت میں منت حق تعالیٰ کی سمجھے۔

دعویٰ تقدس کی ممانعت

﴿فلاتزکوا انفسکم﴾ (النجم آیت ۳۲)

تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو۔

اس میں دعویٰ تقدس سے صریح ممانعت ہے۔ (ص ۴۹۶)

عمل کا مدار توفیق پر ہے

﴿فسنیسرہ للیسریٰ﴾ (اللیل آیۃ ۷)

تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دے دیں گے۔

اس میں دلالت ہے کہ اصل مدار عمل کا توفیق وخذلان پر ہے۔ (ص ۵۲۹)

لباس وغیرہ میں امتیاز کبر سے نہ ہو تو مذموم نہیں

﴿ذلك ادنی ان یعرفن فلایوذین﴾ (الاحزاب آیۃ ۵۹)

اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی ایذا نہ دی جایا کریں گی۔

اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ لباس وغیرہ میں امتیاز رکھنا جبکہ اس میں کسی مفسدہ ومضرت سے بچاؤ ہو اور کبر سے نہ ہو مذموم نہیں۔ (ص ۴۴۶)

آرام کے سامان کا استعمال جائز ہے

﴿اذ عرض علیه بالعشی الصافنات الجیاد﴾ (ص آیت ۳۱)

جبکہ شام کے وقت ان کے روبرو اصل عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے۔

اس میں کئی مسئلے ہیں اول آرام کے سامان کے استعمال کا جواز خصوص جبکہ اس میں دینی مصلحت بھی ہو۔ دوسرے اکابر کا مستحبات سے ذہول کا امکان اگرچہ وہ مستحب ان کی شان پر نظر کرنے کے اعتبار سے مستحبات ہو، تیسرے ایسے ذہول کے سبب کی تلافی اس

طریقہ سے کہ اس کو ملک سے خارج کر دے اور اس کو اصطلاح میں غیرت کہتے ہیں۔

(ص ۴۶۱)

جاہ اور کمال میں تنافی نہیں

﴿قال رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی﴾

(ص آیت ۳۵)

دعا مانگی کہ اے میرے رب میرا قصور معاف کر اور مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو۔

مقصود ایسی سلطنت کے طلب کرنے سے یہ تھا کہ اس کو مزید قرب کا ذریعہ بنائیں اور سب سے زیادہ مزید قرب کا ذریعہ مال کیلئے دوسروں کی تکمیل ہے اور سلطنت اس کا بہت اچھا ذریعہ ہے اور اقرب یہ ہے کہ احد سے مراد اہل دنیا لیے جاویں چونکہ ایسا بڑا جاہ اہل دنیا کیلئے مضر تھا اس لئے شفقت کی وجہ سے ان کو ایسی دنیا سے مستثنی کر دیا پس آیت میں دلالت ہوئی کہ بعض شی کامل کو مضر نہیں ہوتی اور ناقص کو مضر ہوتی ہے جیسے اس پر دلالت تھی کہ جاہ اور کمال میں تنافی نہیں جبکہ جاہ میں دینی مصلحت ہو۔ (ص ۴۶۱)

کبر اور خود رائی (ماخوذ از انفاس عیسیٰ)

عالم کا اپنے کو جاہل سے اچھا سمجھنے کا علاج

حال: اکثر بلا قصد یہ خیال آتا ہے کہ فلاں جاہل ہے اور میں عالم ہوں میں اس سے اچھا ہوں۔

تھذیب: نفس سے کہے کہ کیا معلوم خدا تعالیٰ کے یہاں کون اچھا ہے ممکن ہے اس کا باطن اچھا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا ذلیل وخوار ہوں اور خدا تعالیٰ نے تجھ کو دو چار حرف ظاہری سکھلا دیئے ہیں۔ اس لئے تو بڑائی کرتا ہے اگر وہ چاہے

تو آج چھین لے تو کیا کرے گا، اسی کا استحضار بہ تکرار کیا جائے اور دعا بھی کرے۔

کبر کے اقسام بکثرت ہیں:

تھذیب: وقار کی کمی بیشی پر نظر کرنا اکثر کبر کے سبب سے ہے۔

تھذیب: اقسام کبر کے اس کثرت سے ہیں کہ لاتعد ولاتحصیٰ اور اکثر ان میں ادق واغمض اس قدر کے بجز محقق کے کسی کی بھی نظر وہاں تک نہیں پہونچتی، اور اس میں علماء ظاہر کو بھی اس محقق کی تقلید بلا تفحص حقیقت کرنا پڑتی ہے۔

کبر کا علاج استحضار عظمت حق سبحانہ اور اختیار ذلت عرفی ہے

تھذیب: کبر کا ایک علاج یہ ہے کہ عظمت حق سبحانہ کو پیش نظر رکھے جس موقع پر کبر کا اندیشہ ہو تو اس وقت تو ضرور ورنہ اور بھی بہتر یہ ہے کہ روزانہ ایک وقت اس کے لئے نکال لے اور اس کے ساتھ علاج ہی کا ایک جزو یہ ہے کہ قصداً ایسے افعال اختیار کرے جو عرفاً موجب ذلت سمجھتے ہیں اور بدون اس کے دوسرے علاج ناکافی ہیں۔

کبر و شکر کا فرق

تھذیب: نعمت پر فخر کرنا کبر ہے اور اس کو عطائے حق سمجھنا اور نا اہلی کو مستحضر رکھنا شکر ہے۔

برے کام کرنے والے کو اپنے سے کم نہ سمجھو البتہ غصہ کی اجازت ہے

تھذیب: یہ جائز ہے کہ برا کام کرنے والے پر غصہ کرو اس سے بغض کرو مگر اپنے سے کم نہ سمجھو اور کبھی تم کو کسی کی سزا و تادیب کے واسطے مقرر کیا جائے تو خبردار اپنے کو اس سے اچھا ہرگز نہ سمجھنا ممکن ہے کہ وہ خطاوار شہزادے کے مثل ہو اور تم نوکر جلاد کے درجہ میں

ہو ظاہر ہے کہ خطاوار شاہزادے کو بادشاہ جلاد کے ہاتھوں سزا دلوادے تو جلاد اس سے افضل نہیں ہوسکتا۔

سالکین کے کبر و تواضع مفرط کا علاج

تھذیب: کام کرنے والوں کو دین کا کام کرنے سے دو مرض پیدا ہوتے ہیں ایک کبر اور دوسرا تواضع مفرط۔ کبر تو یہ ہے کہ وظیفہ پڑھ کر اپنے اوپر نگاہ کرنے لگے، نماز پڑھ کر بے نمازیوں کو حقیر سمجھنے لگے اس کا اعلاج یہ سمجھنا ہے کہ تکبر کی وجہ سے بڑے بڑے عابدوں کے قدم توڑ دیئے گئے ہیں کہ منزل مقصود پر نہ پہونچ سکے، شیطان اور بلعم باعور کی حکایت اس کی نظیر ہے۔ تواضع مفرط یہ ہے کہ اس حد تک تواضع کرے کہ اپنے اعمال صالحہ کی بے قدری کرنے لگے مثلاً اس طرح کہ اگرچہ ہم نماز پڑھتے ہیں مگر اس میں خشوع تو ہے نہیں ذکر کرتے ہیں مگر انوار تو بالکل نہیں، گویا در پردہ خدا کی شکایت کررہے ہیں، علاج اس کا یہ ہے کہ اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہم کو ذکر و نماز کی توفیق دی ورنہ ہماری کیا مجال تھی جو آپ کی بندگی کر لیتے۔

واللہ لو لا ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

کبر و استغناء کا فرق

تھذیب: کبر او استغناء میں فرق یہ ہے کہ کبر کی تعریف اگر صادق آئے تو کبر ہے ورنہ استغناء اور کبر یہ ہے کہ اپنے کو کسی کمال میں دوسرے سے بڑا سمجھے اور اس کے ساتھ اس کو حقیر سمجھے۔

خودرائی کا علاج کامل

تھذیب: ابتداء میں خودرائی کا علاج اسی میں منحصر ہے کہ (۱) ہر وقت اہتمام اور مراقبہ رہے کہ اس ذمیمہ کا قرب وقوع تو نہیں ہوا، (۲) جب محسوس ہو اس کے مقتضیٰ کی عملاً

مخالفت کی جائے (۳) اگر پھر بھی وقوع ہو جائے نفس کو کچھ مناسب سزا دی جائے خواہ بدنی ہو یا مالی مثلاً یہ خیال رکھا کہ کسی امر میں اپنی رائے پر عمل کرنے کا عزم تو نہیں ہوا جب معلوم ہوا کہ اس رائے پر عمل نہ کیا اگر غلطی سے پھر بھی ہو گیا دس رکعت نفل جرمانے کی ادا کرے یا دو آنہ پیسے خیرات کرے مثلاً۔

تکبر اختیاری ہے اور غیر اختیاری کا ترک بھی اختیاری ہے

تھذیب: اپنے آپ کو کسی سے بڑا سمجھنا باطناً یا ظاہراً اس طرح کہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے یہ تکبر ہے، بس تکبر اختیاری ہے اور اختیاری کا ترک بھی اختیاری ہوتا ہے، اور یہی علاج ہے یہ تفاوت ضرور ہے کہ اول اول ترک اور مقاومت میں تکلف ہوتا ہے پھر تکرار اور مزاولت سے مقاومت اور مدافعت سہل ہو جاتی ہے اس لئے اصطلاح میں اسی اخیر درجہ کا نام علاج ہے یعنی جس سے عمل میں تکلف نہ ہو۔

بلا اختیار اپنے کو بڑا سمجھنا مذموم نہیں لیکن بقصد ایسا سمجھنا کبر ہے

تھذیب: کسی کمال میں اپنے کو دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ اس کو حقیر و ذلیل سمجھے، یہ سمجھنا اگر غیر اختیاری ہے تو اس پر ملامت نہیں بشرطیکہ اس کے مقتضاء پر عمل نہ ہو یعنی زبان سے اپنی تفضیل سے دوسرے کی تنقیص نہ کرے، دوسرے کے ساتھ برتاؤ تحقیر کا نہ کرے اور اگر قصداً ایسا سمجھتا ہے یا سمجھتا تو بلا قصد ہے مگر اس کے مقتضائے مذکور پر بقصد عمل کرتا ہے تو مرتکب کبر کا اور مستحق ملامت اور عقوبت ہے اور اگر زبان سے اس کی مدح و ثنا کرے اور برتاؤ میں اس کی تعظیم کرے تو عون فی العلاج ہے۔

تکبر مع اللہ کی صورت

تھذیب: تکبر میں جب غلو ہو جاتا ہے اس کی جڑ پختہ ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی تکبر کرنے لگتا ہے۔ مثلاً دعا میں عاجزی اور خشوع میں تھا رونے کی صورت بنا کر

گڑگڑا رہا تھا کہ سامنے سے کوئی دوسرا شخص آگیا تو اب گڑگڑانا چھوڑ دیا کہ دیکھنے والے کی نظر میں سبکی نہ ہو یہ تکبر مع اللہ ہے کہ اس کو اللہ کے سامنے عاجزی اور ذلت کی صورت بنانے سے بھی دوسروں کی نظر میں ذلت و عار آتی ہے پس مخلوق کے لئے کسی عمل عبادت کو ترک کرنا تکبر ہے۔

دوسرے کو حقیر سمجھنے کا علاج

تھذیب: اگر کسی بات میں دوسرے کو گھٹا ہوا دیکھ لو اس وقت یہ سوچے کہ ہم بھی کسی بات میں اس سے گھٹے ہوئے ہیں یا نہیں ہر شخص میں خوبیاں ہوتی ہیں اور برائیاں بھی اگر اس شخص میں ایک برائی ہے تو ممکن ہے ہم میں بہت سی برائیاں ہوں یا ایک ہی برائی ہو لیکن اس برائی سے بدتر ہو پھر کس طرح ہم اس کو گھٹا ہوا سمجھتے ہیں اور دوسرے کو اپنے آپ سے کم درجہ سمجھتے ہیں اور کیوں سلام میں ابتداء کرنے سے عار آتی ہے۔

وضعداری میں غلو بھی کبر ہے

تھذیب: وضع داری میں غلو بھی کبر ہے وضع کیا چیز ہے قطع کیا چیز ہے اور آن کیا چیز ہے یہ سب شیطانی دھندے ہیں اپنے آپ کو اتنا بڑا ہی کیوں سمجھے کہ اس کے لئے خاص وضع مقرر رہو، بندہ کا حق تو یہ ہے کہ جس وردی اور جس وضع میں سرکار رکھیں اسی میں اپنی رائے اور ارادے کو فنا کر دے۔

کبر کا علمی اور عملی علاج

تھذیب: تکبر کا علمی علاج تو یہ ہے کہ اپنے عیوب کو سوچا کرے اور یوں سمجھے کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسرے کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے اور جو

شخص معیوب یقینی ہو وہ معیوب ظنی سے بدتر ہے اس لئے مجھے اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا چاہئے اور عملی علاج یہ ہے کہ جس کو تم اپنے سے چھوٹا سمجھتے ہو اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آؤ اور یہ عملی علاج جزو اعظم ہے بدون اس کے علمی علاج تنہا کافی نہیں۔ تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جب تک عملی علاج نہ کیا جائے گا تکبر دور نہ ہوگا۔

علاج ازالۂ تکبر

تھذیب: مسافروں کے پیر دبا دیا کرو اس سے تکبر زائل ہو جائیگا۔

ذکر و شغل سے جو کبر پیدا ہو جائے اس کا علاج

تھذیب: جس ذکر و شغل کی بدولت کوئی اپنے کو بڑا بزرگ سمجھنے لگے اس کا علاج ترک ذکر و شغل ہے لیکن ادباً للشریعۃ چونکہ یہ صورت منع عن ذکر اللہ ہے اس لئے ہیئت خاصہ کے ساتھ ذکر نہ کرے (کیونکہ اس طرح ذکر کرنے کو لوگ تصوف اور بزرگی نہیں سمجھتے) اور اس کے ساتھ ایک علاج یہ کرے کہ نمازیوں کی جوتیاں جھاڑ کر سیدھی کر دیا کرے۔

کبر کی نفی کے لئے یہ اعتقاد کافی ہے کہ شائد یہ مجھ سے اچھا ہو

تھذیب: کبر کی نفی کے لئے یہ احتمال رکھنا ہی کافی ہے کہ ممکن ہے یہ شخص اللہ تعالیٰ کے علم میں مجھ سے اچھا ہو۔ آج کل کے مشائخ تو یہ کہتے ہیں کہ اپنے سے سب کو یقیناً اچھا سمجھو، میرے نزدیک تو یہ ہر ایک کی وسع میں نہیں، میں تو اتنی آسان بات بتلاتا ہوں کہ صرف یہ کافی ہے کہ شائد یہ مجھ سے اچھا ہو اور یہ کچھ دشوار نہیں۔

اگر کسی ملازم، شاگرد یا چھوٹے پر زیادتی ہو جائے تو اس کی معافی کا طریقہ

تھذیب: بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر ہم صریح الفاظ میں معافی مانگیں گے تو یہ گستاخ ہو کر زیادہ نافرمانی کرے گا۔ بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر ہم معافی مانگیں گے تو یہ شرمندہ ہوگا، مگر یہ عذر اس وقت ہیں جب اس سے تعلق رکھنا چاہیں ان صورتوں میں تو صرف اس کا خوش کر دینا امید ہے کہ قائم مقام معافی کے ہو جائے گا اور بعض اوقات اس سے تعلق رکھنا نہیں جیسے ملازم کو موقوف کر دیا جیسے وہ خود چھوڑ کر جانے لگا اس وقت ضروری ہے کہ زیادتی ہو جانے کی صورت میں اس سے صریح معافی مانگی جائے کیونکہ یہاں وہ دونوں عذر نہیں اس میں اگر رکاوٹ ہو تو میرے نزدیک اس کا سبب ضرور کبر ہے گو اپنے کو بڑا نہ سمجھے مگر کبر کے مقتضا پر عمل تو ہوا غایت سے غایت کبر اعتقادی نہ ہوگا مگر کبر عملی تو ضرور ہے اگر کوئی کبر کی تقسیم کو تسلیم نہ کرے تب بھی ظلم تو ہوا جس کے معافی مانگنا واجب ہے تو معافی نہ مانگنے میں اگر کبر کا گناہ نہ ہوا تو ظلم کا تو ہوا۔

ذکر سے نفع نہ ہونے کا سبب کبھی کبر ہوتا ہے

تھذیب: حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے شکایت کی ''مجھے ذکر سے نفع نہیں ہوتا'' شیخ نے توجہ کی تو اس کا سبب تکبر معلوم ہوا آپ نے فرمایا ایک ٹوکرا اخروٹوں کا فلاں محلّہ میں (جہاں اس کے معتقدین بہت تھے) لے جا اور عام طور سے اعلان کر دے کہ جو کوئی میرے ایک دھول مارے گا، اسے ایک اخروٹ ملے گا۔ یہ سن کر مرید نے کہا اللہ اکبر میں ایسا کروں، شیخ نے فرمایا کمبخت یہ اللہ کا نام وہ ہے کہ اگر کافر صد سالہ اس کو کہے تو مسلمان ہو کر جنت میں جائے گا مگر تو نے جس موقع پر یہ نام لیا ہے اس سے تو کافر ہو گیا اس وقت تو نے اللہ اکبر خدا کی عظمت ظاہر کرنے کو نہیں کہا بلکہ اپنی عظمت ظاہر کرنے کو کہا ہے۔

انانیت کا علاج ذلت نفس ہے

تھذیب. یہ انانیت بڑا حجاب ہے اس کا علاج بدون ذلت نفس نہیں ہوسکتا۔

تکبر کا علاج تکبر سے ہونیکا معنی

تھذیب: تکبر کا علاج تکبر سے ہو تو وہ اپنا تکبر نہیں بلکہ حضرت حق کی شان کبریا کا استحضار ہونا چاہئے۔

کبر کی وجہ عظمت حق کا دل میں نہ ہونا ہے

تھذیب: ہمارے اندر تکبر اس وقت تک ہے جب تک حق تعالیٰ کی عظمت دل میں نہیں آئی اور اگر عظمت حق دل میں آجائے تو پھر یہ حال ہوگا

چو سلطان عزت علم بر کشد　　　جہاں سر بجیب عدم در کشد

تکبر سے اندیشہ سلب نعمت کا ہے

تھذیب: اپنے تقوی طہارت پر ناز کر کے گنہگاروں کو حقیر مت سمجھو اور ان کی خطائیں معاف کردیا کرو۔ تکبر کرنے سے اندیشہ سلب نعمت کا ہوتا ہے۔

اصلاح نفس ہوجانے کی شناخت

تھذیب: جو شخص مجاہدہ سے نفس کو پامال کرچکا ہے اس کے لئے ایک بھنگی سے بھی معافی چاہنا دشوار نہیں۔

اتفاق کا طریقہ بھی ترک تکبر ہے

تھذیب: متکبرین میں کبھی اتفاق نہیں ہوسکتا اگر ہوگا تو اسی طرح کہ ایک شخص اپنے تکبر کو چھوڑ کر تواضع اختیار کرے۔ یہ مقولہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

عجیب وغریب علاج عبارت آرائی کا

تھذیب: عبارت آرائی میں مشغول ہونا اچھا نہیں اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے خط کو کسی ایسے شخص سے لکھواؤ جس کی بہت ہی کم استعداد ہو اس کے بعد اس مضمون کو نقل خود بعینہ کر کے اس اصل کے ہمراہ اپنے مصلح کے پاس بھیجے۔

عبارت آرائی اپنے بڑے سے نہ کرنا چاہئے

تھذیب: جس کو اپنے سے بڑا سمجھے اس کے ساتھ عبارت آرائی کرنا ادب کے خلاف ہے۔

عبارت میں تکلف مناسب نہیں

تھذیب: عبارت میں قافیہ وغیرہ بالقصد نہیں لانا چاہئے اس سے معنی تابع الفاظ کے ہو جاتے ہیں حالانکہ الفاظ کو معانی کا تابع رکھنا چاہئے اگر بلاقصد کوئی قافیہ آ جائے دوسری بات ہے تکلف نہ کرے۔

سلام میں تقدیم سے عار آنا تکبر سے ہے

تھذیب: مجھے علماء سے شکایت ہے کہ ہم لوگ اپنے کو بہت بڑا سمجھتے ہیں کہ عوام کو پہلے سلام کرنے سے ہم کو عار آتی ہے بلکہ اس کے منتظر رہتے ہیں کہ پہلے دوسرے ہم کو سلام کریں۔

صرف تحصیل علم سے تکبر نہیں نکل سکتا

تھذیب: تکبر بڑا ہی خنّاس ہے جب تک یہ ہمارے اندر ہے اس وقت تک حقوق علم ادا نہیں ہو سکتے اور یہ صرف علم حاصل کرنے سے نہیں نکل سکتا، جیسے کہ کسی کو خارش کا نسخہ یاد

ہوتو محض یاد ہونے سے خارش دفع نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ نسخہ کے اجزاء جمع کرو اور اس کا استعمال شروع کردو، مضرات سے پرہیز کرو جب تک طبیب مشورہ دے اس وقت تک نسخہ کا استعمال کرو اور پرہیز جاری رکھو جب تک طبیب نبض دیکھ کر نہ کہدے کہ اب خارش کا مادہ زائل ہوگیا ہے اس وقت تک تدبیر کو نہ چھوڑو۔

اقرار نقص دلیل کمال ہے

تھذیب: ہائے وہ لوگ کہاں گئے جن کو باوجود کمال کے اپنے نقص کے اقرار میں ذرا پس وپیش نہ تھا اور اب وہ زمانہ آ گیا کہ ناقصوں کو بھی اپنے نقص کے اقرار سے عار ہے بلکہ وہ زمانہ اپنے لئے کمال کے مدعی ہیں۔

ازقید ہستی رستن کے معنی

تھذیب:

قرب ازپستی ببالا رفتن است   قرب حق ازقید ہستی رستن است

ازقید ہستی رستن کے معنی یہ نہیں کہ سنکھیا کھا کر مرجاؤ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اوپر نظر نہ کرو اپنی ذات کے مطالعہ میں مشغول نہ ہو اپنے ارادہ واختیار کو فنا کردو، دعویٰ اور پندار کو مٹادو اپنے علوم پر نظر کرنا یہ بھی اشتغال بنفسہ ہے۔

تکلف کی عبارت ایک قسم کا کبر ہے

تھذیب: تکلف کی عبارت جس کے حل میں مطالعہ کی ضرورت ہو طالب کے حال سے نہایت بعید ہے اور ایک قسم کا کبر ہے۔

حق گوئی سے عار آنے کا علاج

حال: طلباء اگر کوئی بات پوچھتے ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آتی تو ذلت معلوم ہوتی

ہے اور اس کے کہنے میں تکلیف ہوتی ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتی، لیکن کہہ دیتا ہوں۔

تھذیب: اسی التزام سے "اگر چہ بہ تکلف ہو" بلا تکلف اس پر قدرت ہو جاتی ہے۔

فانی میں کبر نہیں ہوتا

تھذیب: جس کا مذاق یہ ہو کہ اخفائے طاعت خلق سے ریا ہے وہ بھلا بڑا بننے کی تو کیوں کوشش کرے گا۔ کیونکہ بڑا بننے میں تو اپنے اوپر بھی نظر ہوتی ہے اور مخلوق پر بھی اور فانی کی نظر کسی پر نہیں ہوتی۔

سائل سے تنگدل نہ ہونا چاہئے نہ حقیر سمجھنا چاہئے

تھذیب: سائل سے کبھی تنگدل نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ تو محسن ہیں، ہمارے لئے حمال اثقال ہیں کہ ہمارا بوجھ اٹھا کر آخرت میں پہنچاتے ہیں اگر یہ لوگ نہ ہوں تو ہمارے صدقات آخرت میں کس طرح پہونچ سکیں، پس اغنیاء کو چاہیے کہ سائلوں کو حقیر نہ سمجھیں نہ تنگدل ہوں۔

تکبر کی حد

تھذیب: تکبر یہ ہے کہ اپنی صفات حمیدہ کو اپنا کمال سمجھے عطا و فضل حق پر نظر نہ کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھے، باقی اپنی صفات کی نفی کرنا تواضع نہیں ہے مثلاً حافظ کو اپنے حفظ کا اعتقاد جائز ہے ہاں اس کو عطیۂ الٰہی سمجھے۔

عجب

ہر عمل میں دو حیثیت ہیں

تھذیب: عمل میں دو حیثیت ہیں ایک اپنا کمال اس اعتبار سے (یعنی اپنا کمال سمجھ کر)

اس پر نظر نہ کرنا چاہئے۔ دوسرا یہ کہ یہ خدا کی رحمت ہے اس اعتبار سے اس پر مسرت مامور بہ ہے قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذٰلک فلیفرحوا۔

اہلیت وقابلیت کی شرط عطیۂ خداوندی ہے

حال: بعض حضرات میرے سامنے استخلاف وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہیں تو مجھے بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا مذاق کررہے ہیں قلب میں بجائے خوشی کے ایک رنج پیدا ہوتا ہے۔

تھذیب: الحمدللہ یہ علامت ہے عدم عجب کی، حق تعالیٰ اس میں ترقی عطا فرمادیں کہ اپنے کو بھی اہل نہ سمجھیں۔ لیکن اس حالت میں مزید یہ شکر کا سبب ہونا چاہئے کہ باوجود نااہلی کے حق تعالیٰ نے یہ نعمت دی اور اس کو فال نیک سمجھنا چاہئے عطائے اہلیت کی ولنعم ما قیل

دادا ورا قابلیت شرط نیست　　　بلکہ شرط قابلیت داد اوست

توفیق الٰہی پر شکر چاہئے

تھذیب: کام کرنے والوں کو چاہیے کہ اپنے اعمال کو اپنا کمال نہ سمجھیں بلکہ خدا تعالیٰ کا احسان سمجھ کر شکر کریں کہ انہوں نے ہم سے کام لے لیا ورنہ ہماری کیا طاقت تھی۔

منت منہ کی خدمت سلطاں ہمی کنی　　　منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

اظہارِ عمل کب نقص ہے اور کب کمال

تھذیب: اظہار عمل مطلقاً نقص نہیں اور نہ اخفائے عمل مطلقاً کمال ہے بلکہ نقص جب ہے کہ اپنے اوپر نظر ہو اور کمال جب ہے کہ اپنے اوپر نظر نہ ہو بلکہ صرف خالق جل وعلیٰ پر نظر ہو

شکر وکبر کا فرق

تھذیب: ذکر کرکے جو نفس خوش ہو تو اگر اس کو اپنی فضیلت سمجھو تو کبر ہے اور اگر

عطائے حق سمجھو اور اپنے کو اس کا مستحق نہ سمجھو تو شکر ہے

استحقاق اجر کے دعویٰ کا منشاء عظمت خداوندی پر نظر نہ ہونا چاہئے

تھذیب: ہم اپنے اعمال کو اسی وقت تک کچھ سمجھتے ہیں جب تک اپنے اوپر نظر ہو اور جب حق تعالیٰ کی عظمت پر نظر ہوگی تو ہر شخص اقرار کرے گا کہ میں نے خدا تعالیٰ کا کچھ بھی حق ادا نہیں کیا پھر استحقاق اجر کے دعویٰ کا کیا منہ۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش　　عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش　　کس نتواند کہ بجا آورد

اعمال صالحہ خود سراپا انعامات ہیں

تھذیب: حضرت! جتنے کام حق تعالیٰ ہم سے لے رہے ہیں یہ خود انعام ہے پھر انعام پر طلب انعام کیسا؟ انعام تو عمل پر ہوا کرتا ہے۔ اور یہاں خود یہ اعمال ہی سراپا انعامات ہیں ورنہ ہم کس قابل تھے کہ حق تعالیٰ کی عبادت کریں۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی　　منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

کمال پر ناز کرنا دلیل ہے کمال سے عاری ہونے کی

تھذیب: کمال پر ناز کرنا خود اس کی دلیل ہے۔ کہ یہ شخص کمال سے عاری ہے، ورنہ اہل کمال ناز نہیں کیا کرتے کیونکہ ان کو کمال کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے جس سے اپنے کو عاجز پا کر وہ کبھی ناز نہیں کر سکتے۔

عمل صالح کی توفیق محض حق تعالیٰ کے فضل سے ہے

تھذیب: عمل صالح کی توفیق محض حق تعالیٰ کے فضل سے ہے یہ جو آپ کو نماز کا شوق

ہے اور رات کو تہجد میں اٹھتے ہیں یہ آپ کا کام نہیں بلکہ کوئی اور ہی اٹھا رہا ہے۔

عُجب کا علاج

تھذیب: اگر حق تعالیٰ ہم سے کچھ کام لے لیں اس کو ان کو عنایت سمجھو، کام لینا اس لئے کہتا ہوں کہ سب باگیں ان کے ہی قبضے میں ہیں بس اپنا کچھ کمال نہ سمجھو نہ کسی گنہگار کو حقیر جانو۔

عمل نسبت مع اللہ کے منافی ہے

تھذیب: صاحب نسبت عمل کرے تو نسبت سلب ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عامل کو خدا پر توکل نہیں رہتا اور عجب پیدا ہو جاتا ہے اور یہ منافی ہے نسبت مع اللہ کے۔

فرح و مدح

مدح کا علاج

تھذیب: اگر مدح سے نفس خوش ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ مادحین جس امر کی مدح کر رہے ہیں نہ اس کی حقیقت سے آگاہ ہیں نہ میرے دوسرے عیوب سے حسن ظن رکھتے ہیں جو ان کی تو خوبی ہے مگر میرے لئے حجت نہیں۔

فرح شکر و فرح بطر کا فرق

تھذیب: معیار مابہ الفرق فرح شکر و فرح بطر میں یہ ہے کہ اول میں نعمت کو محض فضل الٰہی کا نتیجہ سمجھتا ہے اور اپنی ناقابلیت کا استحضار رہتا ہے اور ثانی میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔

(از انفاس عیسیٰ ص ۱۵۴ تا ۱۶۴)

اللہ کی صفت کبریا کے لحاظ رکھنے سے کل مفاسد کی اصلاح ہو جاتی ہے (ماخوذ از معارف حکیم الامت)

ولہ الکبریاء فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم (۳۷:۴۵)

بس آیت میں حق تعالیٰ نے خاص اپنی ایک صفت بیان فرمائی ہے کہ اگر اس کو انسان نظر میں رکھے تو کل مفاسد اس سے الگ رہیں۔ خلاصہ اس کا معرفت تعلق انسانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ تعلق امر نسبتی ہے جو طرفین کو چاہتا ہے۔ ایک طرف حق تعالیٰ ایک طرف بندہ تو اس تعلق کے پہچاننے کا طریق دو معرفتوں کا جمع کرنا ہے۔ معرفت حق تعالیٰ کی اور معرفت اپنے نفس کی اور ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ تلازم بھی ہے۔ اگر نفس کا علم ہو جائے تو معرفت حق تعالیٰ ہو جائے گی۔ اسی واسطے کہا گیا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اور پہلی معرفت دوسری معرفت سے اس لئے اہم ہے کہ نفس تو حاضر ہے اور اللہ غائب اور غائب کا پہچاننا مشکل ہے حاضر سے۔ اس اہمیت کے سبب اس آیت میں اسی کی تعلیم کی گئی ہے کہ اس میں اپنی ایک صفت ذکر فرمائی کہ اس صفت سے پہچانیں اور وہ صفت کبریا ہے جو تمام صفات کے درجہ کمال کو شامل ہے اور معنی اس کے بڑائی ہیں۔ جس کو حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور جب یہ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے تو دوسرے میں نہ ہونی چاہئے سو جب تک یہ معرفت محفوظ رہے گی۔ حاشا وکلا جو کوئی مفسدہ بھی ہو ہونے پائے۔

کبر تمام عیوب حتی کہ کفر و شرک کی بھی جڑ ہے

اور جب یہ معرفت نہ رہے گی اور بندہ صفت کبریا کو اپنے اندر لینا چاہے گا تو جو کچھ بھی مضرتیں اور عیوب پیدا ہوں کم ہیں۔ اور واقع میں یہی ایک صفت کبر ہے کہ جڑ ہے تمام مفاسد کی حتی کہ شرک کی دنیا میں جو کوئی بھی کافر ہوا ہے۔ وہ کافر نہیں ہوا مگر اپنے نفس کے

کبر سے ورنہ حق مخفی نہیں رہتا۔ وجحدوابھا واستیقنتھا (الآیۃ: ۲۷، ۱۴۰) ظلم اور علو کو سبب فرمایا ہے۔ جحد کا علو اور کبر ہم معنی ہیں۔ ابوطالب کو ایمان سے کس نے روکا صرف عار نے یوں کہا کہ مرتے وقت ایمان لاؤں گا تو قوم میری کہے گی ابوطالب دوزخ سے ڈر گیا۔ اس کی حقیقت یہی تو ہے کہ جو رفعت قوم پر حاصل ہے وہ نہ رہے گی۔ اس رفعت نے پیچھا نہ چھوڑا یہاں تک کہ کام تمام ہی کر دیا اور کبر کا وجود کسی ایک گروہ میں نہیں بلکہ یہ وہ عام مرض ہے کہ کم وبیش ہر طبقہ کے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور دوسرے عیوب میں تو اکثر جاہل لوگ پھنسے ہوتے ہیں۔ تعلیم یافتوں میں وہ عیب کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کے برے نتائج کو جانتے ہیں لیکن اس میں جاہل عالم سب کم وبیش مبتلا ہیں۔ مشرکین عرب تو جاہل تھے۔ اب اس گرہ کو دیکھئے جو تعلیم یافتہ کہلاتا تھا۔ یعنی اہل کتاب ان کو بھی ایمان لانے میں جو حارج ہوا سو وہی کبر اس مختصر بیان سے بقدر کفایت اس کی توضیح ہوگئی کہ کفر وشرک کا مبنیٰ ہمیشہ کبر ہے۔ اب غور کر کے دیکھئے تو یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ اور بہت سے معاصی کا بھی مبنیٰ کبر ہی ہے۔ جو کفر وشرک سے نیچے ہیں۔ ایسے گناہ کبر سے اس طرح ہوتے ہیں کہ گنہگار اپنے برے عمل کو صرف اس عار کی وجہ سے نہیں چھوڑتا کہ لوگ کہیں گے کیا اتنے روز سے یہ احمق رہا اس کام کو ہمیشہ سے کیوں کرتا رہا جو اب چھوڑنا پڑا۔ اس شخص نے عیب حماقت سے اپنے نفس کو بچایا یہی کبر بڑا مرض ہے۔

تکبر کا علاج

اور علاج بالضد ہوا کرتا ہے یہ مرض پیدا ہوا عدم معرفت کبریا حق سے تو علاج معرفت کبریاءِ حق ہوگا۔ یعنی عظمت حق تعالیٰ کی۔ اس کو حق تعالیٰ نے آیت میں بلفظ حصر اپنے واسطے ثابت کیا ہے۔ ولہ الکبریاء یعنی اس کے واسطے ہے عظمت، بلاغت کے قاعدے سے لہ کو مقدم کرنے کا یہی مطلب ہے کہ عظمت مخصوص ہے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ یہ صفت دوسرے میں بالکل نہیں ہو سکتی۔ نیز یہ نہیں فرمایا ولہ الکبریاء العظمیٰ کہ بڑی عظمت تو حق تعالیٰ

کے لئے ہے اور چھوٹا موٹا کوئی حصہ اس کا دوسرے کے لئے ثابت ہے، بلکہ مطلق کبریاء کو دوسرے سے نفی کر دیا۔ اسی کو حدیث میں اس لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ العظمة ازاری والکبریاء ردائی فمن نازعنی فیهما قصمته یعنی عظمت میرا تہ بند ہے اور کبریا میری چادر ہے جو کوئی ان دونوں کو مجھ سے چھیننا چاہے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ چادر اور تہ بند فرمانا کنایہ ہے خصوصیت سے معنی یہ ہوئے کہ یہ دونوں صفتیں خاص ہیں میرے ساتھ دوسرا کوئی مدعی ہوگا تو میں اس کو سزا دوں گا، جب کبر حق ہوا باری تعالیٰ کا تو اپنے نفس میں اس کا رکھنا مساواۃ ہوئی باری تعالیٰ کے ساتھ اور دیگر معاصی کے لئے تو حدود ہیں کہ جب تک ان تک نہ پہنچے معصیت نہیں ہوتی مثلاً کھانا کہ جب تک اتنا زیادہ نہ ہو کہ موجب ہو جائے مرض کا اس وقت مباح ہے یا بھوکا رہنا جب تک کہ سبب نہ ہو جائے ہلاکت کا جائز ہے مگر کبر وہ معصیت ہے کہ اس کے لئے کوئی حد نہیں بلکہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر یعنی جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ بلکہ ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ تشدد ہے۔ اخرجوا من النار من کان فی قلبه مثقال ذرة من ایمان یعنی قیامت کے دن حکم ہوگا کہ جس کے دل میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہے اُسے دوزخ سے نکال لو۔ اُسے پہلی حدیث سے ملائیے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ وہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر بھی کبر جس کے دل میں ہے جنت میں نہ جائے گا۔ یہاں فرماتے ہیں۔ ایک ذرہ بھر بھی ایمان جس کے دل میں ہے جنت میں جائے گا۔ اس سے صاف یہ بات نکلتی ہے کہ ذرہ بھر کبر بھی جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر ایمان نہیں ہو سکتا اور ذرہ بھر ایمان جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر کبر نہیں ہو سکتا ہے۔ دونوں بالکل نقیضین ہیں گو اس کی توجیہ یہ ہے کہ جنت میں جانے کے وقت ذرہ بھر کبر نہ ہوگا لیکن آخر اس سے بھی تو اس صفت کا مضاد ایمان کسی درجہ میں ہونا ثابت ہوا۔

سمجھ لو کہ کبر کس قدر سخت معصیت ہے اور ہونا چاہئے کیونکہ سب سے بڑا گناہ کفر ہے

اور کبر خود اس کی بھی اصل ہے اور کفر اس کی فرع تو مسلمان کو چاہئے غور کیا کرے کہ اس کے دل میں کبر ہے یا نہیں، مگر ہماری تو عادت ہوگئی ہے کہ سوچتے ہی نہیں ورنہ معلوم ہو جاتا کہ نہ دیندار ہمارے خالی ہیں کبر سے نہ دنیا دار خالی ہیں کبر سے۔ جو دیندار کہلاتے ہیں وہ دین کے پیرایہ میں اس میں گرفتار ہیں اور اپنے آپ کو سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا داروں سے اچھے ہیں۔ جتنی ترقی ان کو نماز پڑھنے سے ہوتی ہے اس سے زیادہ تنزل اس پندار سے ہوتا ہے۔ دین کے ساتھ ساتھ بدترین دنیا ان کے قلب میں جگہ پکڑے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ نماز میں جب یہ خرابی ہے تو ان کو چاہئے کہ نماز چھوڑ دیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ خرابی نماز میں جب پیدا ہوتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کی عظمت قلب میں نہ ہو اور جب عظمت ہو تو دوسری طرف توجہ ہی نہیں ہو سکتی بلکہ حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنی نماز سے آدمی کے بجائے اس کے اتراوے الٹا شرمندہ ہوتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بہت بڑے شاہنشاہ کے حضور میں ایک نہایت ذلیل آدمی کوئی تحفہ بہت کم قیمت لے جائے دربار کی عظمت وشوکت دیکھ کر اس کی کیا حالت ہوگی۔ مختصر یہ ہے کہ اس ذلیل تحفہ کو پیش کرنے پر بھی اس کو قدرت نہ ہوگی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور غنیمت سمجھے گا کہ کسی سزا کا حکم نہ ہو جائے۔ جلدی کسی طرح یہاں سے نکل جاؤں۔ ہماری نمازوں کی جو حقیقت ہے وہ خوب معلوم ہے پھر اس کو حق تعالیٰ جیسے احکم الحاکمین کے سامنے پیش کر کے ذرا شرم بھی نہ آنا اسی وجہ سے ہے کہ عظمت وجلال حق تعالیٰ سے ہم نے قطع نظر کر لی ہے اور اسی سے یہ خرابی پیدا ہوئی کہ دوسری طرف توجہ ہوئی اور اپنی نماز کو کچھ سمجھ کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔ اس تقریر سے بخوبی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نماز پڑھنے یا اور دین کے احکام بجالانے سے اگر دل میں کبر پیدا ہو تو اس کا علاج یہ نہیں کہ اس عمل کو چھوڑ دیا جائے بلکہ جو سبب ہے اس کو قطع کیا جائے۔

سبب اس کبر کا تعمیل حکم دین نہیں ہے بلکہ عظمتِ الٰہی کا دل میں نہ ہونا ہے۔ سو اس کو پیدا کرنا چاہئے۔ اس سے تعمیل حکم بھی ہوگی اور وہ خرابی جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے وہ بھی

نہ رہے گی۔ اس غلطی میں بہت سے لکھے پڑھے اور سمجھ دار بھی مبتلا ہیں خوب سمجھ لو۔ غرض ہمارے دیندار بھی کبر میں مبتلا ہیں اور دنیا دار بھی۔ دنیا داروں میں اس طرح کا کبر تو نہیں ہے جو دینداروں میں ہے ہاں دنیاداروں میں اور طریقے کبر کے ہیں۔ وضع میں، لباس میں، بیاہ شادی میں۔ کبر میں سب گناہوں سے بڑھ کر ایک خرابی اور ہے وہ یہ کہ مسلمان خواہ کسی درجہ کا ہو مگر اس کے دل میں یہ بات ضروری ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جایا کرے تو گزرتا ہے کسی ضرورت سے لیکن کرنے کے بعد دل میں چوٹ ضرور لگتی ہے اور پریشان ہوتا ہے مگر کبر کہ یہ گناہ ساری عمر دل میں رہتا ہے اور دل پر صدمہ نہیں ہوتا۔

تو ہر اس عمل کو جو کبر کی فرع ہو چھوڑ دو۔ جیسے غیبت، حسد وغیرہ۔ غیبت کوئی جب ہی کرتا ہے کہ جب اپنے آپ کو اس سے اچھا سمجھتا ہے جس کی غیبت کرتا ہے۔ کسی مریض کو ہنستا وہی شخص ہے جو خود تندرست ہو اور اگر اپنے آپ کو اس سے بھی زیادہ مریض پاتے تو کہیں نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے سے کم مریض کو ہنستا ہو۔ یہ اچھا سمجھنا ہی کبر ہے۔ علیٰ ہذا دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جو آدمی جلتا ہے (جسے حسد کہتے ہیں)۔ اس کی بنا بھی اس پر ہے، کہ اس صاحب نعمت سے زیادہ اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل سمجھتا ہے یہ بھی اپنے نفس کی بڑائی ہے جسے کبر کہتے ہیں۔ غرض اکثر گناہوں کو ٹٹولو گے تو بنا کبر ہی پاؤ گے لہذا سب کو چھوڑ دو حتی کہ معاصی کی اصل ہی دل سے نکل جائے۔ کیونکہ بڑائی کو حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ کسی دوسرے کا اس میں حصہ نہیں تو جو شخص کبر کو نہیں چھوڑتا وہ نہیں پہچانتا کہ یہ کس کا حق تھا اور کس کو دینا ہے تو اس نے نہ نفس کا حق پہچانا نہ حق تعالیٰ کا اس سے بڑھ کر جاہل کون ہوگا۔ یہ شخص معاصی سے کبھی چھوٹ نہیں سکتا۔ جس گناہ میں بھی پڑ جائے کم ہے کیونکہ معاصی کی جڑ اس کے دل میں موجود ہے۔ ایک سے بچے گا دوسرے میں پڑ جائے گا۔

کبر کا ایک اور مجرب علاج

اس واسطے حق تعالیٰ نے ایک ایسا علاج اس کا بتائی کہ جب اس کو مستحضر رکھا جائے تو نہ چھوٹا گناہ ہو نہ بڑا۔ وہ علاج یہ ہے کہ اپنی ایک صفت کو بیان فرمایا کہ جب خیال رکھو گے

کہ یہ کسی دوسرے کے لئے کسی وقت اور کسی حالت میں ثابت نہ ہونے پائے تو گناہ تم سے خود بہ خود چھوٹتے جائیں گے اور وہ صفت عظمت ہے۔ ولہ الکبریاء فی السموات والارض یہ اصل کل ہے تمام گناہوں سے حفاظت کی اور جب صفت کبریا یعنی عظمت ہوئی ذات بات تعالیٰ کے ساتھ تو نفس کے واسطے کیا رہ گیا؟ تذلل یہ اصل ہے تمام عبادت کی تو جس شخص نے صفت کبریاء کو مختص مان لیا حق تعالیٰ کے ساتھ اس نے حق تعالیٰ کا حق بھی پہچان لیا اور نفس کا بھی۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی عالم یا محقق ہوسکتا ہے؟ انہیں کی شان میں ہے۔ واولٓئک ھم اولو الالباب یعنی عقل مند لوگ یہی ہیں جب آدمی کے دل میں سے تمام گناہوں کی اصل نکل گئی اور تمام عبادات کی جم گئی تو سب ہی کچھ اس نے پالیا۔ اس کو دن دگنی رات چوگنی ترقی ہوگی۔ اس کے ساتھ اتنا اور سمجھ لو کہ یہ اصل کلی بہت مختصر الفاظ میں سمجھائی گئی ہے مگر بعض اوقات بلا تفسیر کے اس پر عمل دشوار ہوتا ہے۔ یعنی جب تک ہر ہر عمل کی نسبت معلوم نہ ہو کہ اس کا منشا کبر کس طرح ہے۔ اس کا ترک آسان نہیں ہوسکتا۔

اس کے لئے سہل اور مفید تدبیر یہ ہے کہ کتابوں کا مطالعہ کیا جائے بلکہ کسی سے سبقاً سبقاً پڑھ لیا جائے اور جو کوئی نہ پڑھ سکے وہ کسی عالم سے وقتاً فوقتاً سن لیا کرے۔

(از معارف حکیم الامت ص ۳۸۳ تا ۳۸۸)

تواضع کی شناخت (ماخوذ از جواہر حکیم الامت)

تواضع بزرگوں کی صحبت سے ہے۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

(قال کو چھوڑ دو حال پیدا کرو، یہ حال جب پیدا ہوگا کہ کسی مرد کامل کے قدموں میں جاکر پڑو)

کسی کی جوتیاں اٹھا کر سر پر رکھو تو تواضع ہو، پس حتی الامکان کوشش کرو، تواضع کے پیدا ہونے کی کیونکہ یہ شخص بظاہر متواضع ہو بھی گیا تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ جب کبھی کوئی

بات پیش آجاتی ہے اس وقت ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تواضع عارضی تھی تو بات یہ ہے کہ اچھی طرح نفس کی صفائی نہیں ہوئی تھی اور مقتضی تواضع نہیں پیدا ہوا تھا یہ بزرگوں کی صحبت سے ہوتا ہے کیونکہ وہ ان امراض روحانی کے طبیب ہوتے ہیں۔ اچھی طرح اس کے سبب کے ازالہ کی کوشش کرتے ہیں۔

خود اختیار کی ہوئی تواضع تو ایسی ہے جیسا کہ ایک بلی کو بادشاہ نے سکھلوایا تھا کہ اگر اس کے سر پر شمعدان رکھ دیا جاتا تھا وہ خاموش بیٹھی رہتی تھی۔ بادشاہ بہت خوش تھے کہ بلی نے بالکل اپنی خصلت چھوڑ دی۔ وزیر نے کہا حضور اس سے اس کی خصلت نہیں چھوٹی بلکہ کوئی بات ایسی پیش نہیں آئی جس سے اس کی خصلت کا چھوٹنا یا نہ چھوٹنا ظاہر ہوتا۔ اس کے سامنے چوہا چھڑوا کر دیکھئے پھر دیکھیں یہ کیسے اسی طرح بیٹھی رہتی ہے۔ چنانچہ اس کے سامنے چوہا چھوڑا گیا، وہ شمعدان پھینک کر دوڑی چوہے کے پکڑنے کو۔

اس تواضع کی بھی ایسی مثال ہے جو کسی بزرگ کی تربیت اور صحبت سے حاصل نہ کی جائے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ تمہاری تواضع کی ایسی مثال ہے کو گوبر ہے کہ پانی کی تہہ میں بیٹھ گیا ہے۔ بظاہر نظر پانی نہایت صاف شفاف نظر آتا ہے لیکن اگر ذرا بھی ہل جائے تو تمام گوبر ظاہر ہو جائے۔

دریا فراواں نشود تیرہ بسنگ　　　　عارف کہ برنجد تنگ آب ست ہنوز

(یعنی بڑا دریا پتھر سے گدلا نہیں ہوتا جو عارف کہ رنجیدہ ہو وہ ہنوز تھوڑے پانی کے مشابہ ہے کہ ذرا سی چیز پڑنے سے گدلا ہو جاتا ہے)

تو آپ کی تواضع مصنوعی تواضع ہے کہ ابھی اگر کوئی ذرا خلاف مرضی بات کہہ دے پھر دیکھئے آپ کیسا بھڑکتے ہیں۔

مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شخص نے امتحان کیا۔ اس نے سنا تھا کہ بڑے تیز ہیں۔ دہلی کی جامع مسجد میں مولانا تشریف رکھتے تھے۔ وہ آیا اور مجمع میں بآواز بلند پوچھا کہ

میں نے سنا ہے کہ آپ حرامی ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ تم سے کس نے کہا یہ غلط ہے۔ میری ماں کے نکاح کے گواہ اب تک زندہ ہیں، اگر یقین نہ ہو تو پوچھوا دوں۔ وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں تو امتحان کرتا تھا کہ آپ کی تیزی تکبر سے تو نہیں ہے۔ معلوم ہو گیا کہ سارا غصہ اور تیزی اللہ ہی کے لئے ہے، اپنے نفس کے لئے نہیں۔

مولانا شہید سے کسی نے پوچھا کہ شاہ صاحب کے ہوتے ہوئے سید صاحب سے آپ کیوں بیعت ہوئے۔ فرمایا کہ جس کو جس سے مناسبت ہوتی ہے اسی سے فیض ہوتا ہے۔ سید صاحب جب کافیہ پڑھتے تھے تو ایک دن اتفاق سے اس کے حرف نظر نہ آئے۔ کاغذ بالکل صاف نظر آتے تھے اور دوسرے طالب علموں کو دکھایا تو ان کو نظر آتے تھے۔ بہت حیران ہوئے، صبح کو شاہ صاحب کے پاس آئے اور تمام ماجرا بیان کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا تم کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ تم ذکر و شغل کرو۔

ہر کسے را بہرے کارے ساختند

مولانا شہید بہت بڑے عالم تھے اور بہت مشہور تھے۔ بڑے بڑے امراء قدموں پر سر رکھتے تھے اور سید صاحب ایسے مشہور آدمی نہ تھے مگر مولانا شہید کی حالت یہ تھی کہ سید صاحب کی سواری کے ساتھ ان کی جوتیاں لئے دوڑے جا رہے ہیں۔ لوگ ہر طرف سے سلام کر رہے ہیں، ان کے جواب بھی دیتے جا رہے ہیں۔ حضرت! یوں نفس مرتا ہے اور اسی کو تواضع کہتے ہیں۔ اسی لئے مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شود　　　　پیش مردے کاملے پامال شو

(قال کو چھوڑ و اپنے اندر حال پیدا کرو، یہ حال اس وقت پیدا ہو گا کہ کسی مرد کامل کے قدموں میں جا کر پڑو) یہ نہیں کہ چند روز ذکر و شغل کر لیا۔ ذرا نفس دب گیا، اس کے بعد جب گئے پھر وہ شرارتیں کرنے لگا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامی　　　　بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

(جب تک بہت سے مجاہدات وریاضت نہ کئے جائیں اس وقت تک نفس کا تصفیہ نہیں ہوسکتا۔ پختگی کے لئے بہت سے مقامات وسفر طے کرنے کی ضرورت ہے) مولانا فرماتے ہیں۔ ان سفروں کے بعد بھی نفس پر اعتماد نہ کرو۔ (الوقت ج ۴)

تواضع

ہمارے والد باوجود ثروت ودولت کے منکسر المزاج بہت تھے۔ ایک مرتبہ برسات میں کھرپا لے کر خود ہی چھت پر گھاس کو چھیلنے کو جانے لگے، اور مجھ سے فرمایا تم بھی چلو، تائی صاحبہ نے فرمایا، جوان بیٹے سے ایسا کام نہیں لیا کرتے۔ انہوں نے مان لیا اور تنہا خود چھت پر چڑھ گئے۔ اس وقت تائی صاحبہ نے کہا کہ جب تمہارے باپ گھاس چھیلنے گئے ہیں تو اب تمہیں بھی جانا چاہئے۔ (الصلاح والاصلاح ج ۴) (از جواہرات حکیم الامت ص ۴۲۲ تا ۴۲۴)

خودی وکبر کا ازالہ

حضرت بایزیدؒ نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، موقع اچھا تھا انہوں نے موقع کا سوال بھی کیا، عرض کیا "یا رب دلنی علی اقرب الطریق الیك" یعنی مجھ کو ایسا راستہ بتلا دیجئے جو آپ کی طرف پہنچنے کے لئے سب سے زیادہ نزدیک ہو، وہاں سے ارشاد ہوا "یا بایزید دع نفسك و تعال" اے بایزید بس اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ، مطلب وہی ہے کہ خودی اور کبر کو زائل کردو پھر کوئی حجاب نہیں۔ واقعی بہت ہی مختصر اور قریب راستہ بیان فرمایا اور حق تعالیٰ سے زیادہ اس بات کو کون بتلا سکتا ہے تو یہ کبر وہ بلا ہے جس کی وجہ سے سارا ذکر وشغل بے کار ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کے مرید کو ذکر وشغل سے نفع نہ ہوتا تھا، شیخ نے بہت سی تدابیر کیں مگر سب بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر ایک دن انہوں نے اس کو بلا کر پوچھا کہ بھائی تم جو ذکر وشغل کرتے ہو

اس میں تمہاری نیت کیا ہے۔ کہنے لگا میری نیت یہ ہے کہ حق تعالیٰ میری اصلاح کر دیں تو میں دوسروں کی اصلاح کروں، مخلوق کو نفع پہنچاؤں، فرمایا کہ اب چور معلوم ہوا، تم پہلے ہی بڑے بننے کی فکر میں ہو اس لئے نفع نہیں ہوتا، اس خیال کو دل سے نکالو اور مخلوق کے نفع کو چولہے میں ڈالو۔ محض رضاء حق کی نیت رکھو اور تمام خیالات دل سے دور کرو۔ چنانچہ وہ شخص طالب تھا، نیت درست کر لی۔ اگلے ہی دن سے نفع شروع ہو گیا، خوب سمجھ لو۔ یہ حب ریاست بھی بڑا سد راہ ہے، لوگ ذکر شروع کر کے اگلے ہی دن سے پیر بننے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں ایسی مثال ہے جیسے لڑکا بلوغ سے پہلے ہی باپ بننا چاہے تو بجز اس کے کہ اپنی صحت کو خراب کر لے گا اور کچھ نفع نہ ہوگا۔ (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

(از جواہرات حکیم الامت ص ۴۴۵ و ۴۴۶)

متکبرانہ معاشرت (ماخوذ از انفاس عیسی)

معاشرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جتنے طریقے ناجائز ہیں وہ سب کے سب وہی ہیں جن سے تکبر ٹپکتا ہے مثلاً ناجائز وضع سے شریعت نے منع کیا ہے۔ سو جتنی ناجائز اوضاع ہیں ان سب میں تکبر ہے جو لوگ خلاف شریعت وضع رکھتے ہیں وہ غور کر لیں کہ اس وقت ان کے دل کی کیا حالت ہے اور اس حالت کو یاد رکھیں اور پھر ایک ہفتے شریعت کے موافق وضع اور لباس اختیار کر کے اس کا اثر دیکھیں۔ ان کو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوگا۔ یہ تو سمجھ میں آنے والی تقریر ہے۔

ایک دوسری تقریر یہ ہے کہ جو ان تینوں میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہر چیز میں ایک خاصیت ہوتی ہے پس اسی طرح اعمال میں بھی ایک خاصیت ہے اور عقائد میں بھی اور معاشرت میں بھی اور وہ یہ ہے کہ ان سب سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور اس نور سے اس کی وہ حالت ہو جاتی ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده

(الصحیح للبخاری ۱: ۹، ۸: ۱۲۷، الصحیح لمسلم کتاب الایمان: ٦٥)

(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں یعنی ان کو کچھ ایذا نہ دے)

اب میں ایک اور بات کہتا ہوں جو تمام اجزائے دین کو عام ہے وہ یہ کہ دین کی یہ غرض ہی نہیں کہ دنیاوی نفع ہو بلکہ اس سے مقصود رضائے حق ہے اور جب خدا تعالیٰ راضی ہو جائیں تو وہ خود ہی اس کی تمام مصالح دنیویہ کی رعایت فرمالیں گے۔

وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجعَل لَهٗ مَخرَجًا وَّيَرزُقهُ مِن حَيثُ لَايَحتَسِبُ

(جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس ڈرنے والے کے لئے رہائی (آفات دارین) کرتا ہے اور ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ (ضرورۃ العلماء، ج ۳)

ہوس جاہ

آجکل یہ بھی ایک خبط ذہنوں میں سما گیا ہے کام چاہے کتنا ہی ذرا سا شروع کریں، مگر عہدے اور خطابات بڑے بڑے اختراع کر لیتے ہیں۔ کوئی سیکرٹری بنتا ہے کوئی جنٹ ہوتا ہے ایک صاحب کا خط میرے پاس آیا، جس پر کاتب صاحب ہی کے قلم کا لکھا ہوا تھا، راقم فلاں، گورنر یتیم خانہ مقام فلاں، میں نے کہا کہ بہتر تھا کہ ''خادم یتیم خانہ'' لکھتے، بہت جگہ یہ تجربہ ہوا کہ جہاں یہ خطابات لمبے چوڑے ہوتے ہیں وہاں کارروائی صرف رجسٹر ہی تک محدود رہتی ہے۔ خارجی وجود کی نوبت نہیں آتی، چند روز کے لئے عہدے البتہ مل جاتے ہیں۔ سو یہ بچوں کا کھیل ہوا یا کچھ اور، ان الفاظ کو اختیار مت کرو۔ اس سے برکت نہیں رہتی۔ یہ غیر قوموں کی تقلید ہے۔

من تشبه بقوم فهو منهم (سنن ابی داؤد: ٤٠٣١۔ مسند الامام احمد، ۲: ٥٠، ۹۲)

(ترجمہ: جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی پس وہ انہی میں سے ہے)

یہ حدیث لباس اور وضع کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، جس بات میں مشابہت پائی جائے سب اسی کے اندر داخل ہیں، یہ اچھا ہے کہ تم اپنے آپ کو خادم کہو اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم تسلیما تمہارا نام سردار رکھیں۔

سید القوم خادمھم (الحاوی للفتاوی ۔ ۲:۱۰۱ ۔ مشکوۃ المصابیح : ۳۹۲۵)

(ترجمہ: قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے)

یہ کتنی برکت کا سبب ہے، آج کل لوگوں نے اس کے برعکس کر رکھا ہے کہ بڑے بڑے خطابات لے لیتے ہیں۔ خواہ ان کی اہلیت ہو یا نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔

اذامدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ و اھتزلہ العرش۔

(مشکوۃ المصابیح : ٤٨٥٩)

(ترجمہ: یعنی جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو عرش کانپ اٹھتا ہے)

اور آج کل اکثر مدرسے فساق کے ہاتھوں میں ہیں اور ان کی مدح ہوتی ہے۔ پھر زمین کانپ اٹھتی ہے تو کیوں تعجب کیا جاتا ہے زلزلہ کو بہت لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے اس کی حقیقت کیا ہے اور کیوں آتا ہے زلزلہ کے متعلق لوگوں کے خیالات عجیب طرح مختلف ہیں۔ (حقوق القرآن ج ۴)

تکبر کا اثر

تکبر کا یہ اثر ہے کہ اس کے مرتکب سے نفرت ہوتی ہے تو جس کے یہ آثار ہوں۔ آپ ہی انصاف کیجئے کہ وہ چھوٹی چیز کیسے ہو سکتی ہے اور اخروی اثر یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ متکبر جنت میں نہ جائے گا۔ اب اس حدیث کے جو بھی معنی ہوں مگر ہر اعتبار سے یہ تھوڑی وعید ہے۔ (علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

تکبر کی نشانیاں

بعض اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ فرعون نے مسلمان ہونا چاہا تھا مگر کچھ تو اس کا تکبر اور کچھ ہامان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے روکا۔ کیونکہ ہامان بھی متکبر تھا۔ غرض یہ تکبر بڑ ہے، نہ معلوم کہاں جا کر دھکا دے گا، چنانچہ مجلس میں کسی کو جگہ نہ دینا اور کسی کے کہنے

سے نہ اٹھنا اسی طرح گرا ہوا کھانا نہ اٹھانا اور جھکنے سے عار کرنا اور کھانا جھک کر نہ کھانا جیسا کہ آج کل میز کرسیوں پر کھانا کھایا جاتا ہے کہ جھکنے سے عار آتی ہے، مسجد میں نہ جانا۔ ان سب کا سبب بھی تکبر ہے ایک صاحب میرے پاس مسجد میں تشریف لائے مگر کوٹ پتلون بوٹ جوتہ زیب تن تھا آ کر فرش سے باہر کھڑے ہو گئے وہ اس کے منتظر رہے کہ میں اٹھ کر ان کے پاس آ کر ان سے گفتگو کروں۔ دیکھئے یہ کونسی تہذیب ہے کہ جاوے تو خود ملنے کے لئے اور اس کے منتظر رہے کہ یہ خود اٹھ کر ہمارے پاس آئے یہ بھی اسی تکبر کی فرع تھی، پھر لطف یہ کہ اگر کوئی شخص اس قسم کے مواقع میں ان کے لئے نہ اٹھے تو بد دماغ کہلائے۔ اور ان خرد ماغوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔

ایک اور صاحب میرے پاس مدرسہ میں تشریف لائے جن کا تمام جسم متصل واحد تھا لکڑی کی طرح بندشوں میں کھینچا ہوا تھا وہ بھی تھوڑی دیر تک کھڑے رہے شاید کرسی کے منتظر ہوں گے مگر وہاں کرسی کہاں آخر مجبور ہو کر بیٹھنا چاہا تو دھم سے زمین پر گر پڑے اور اٹھنا اور بھی دشوار ہوا اس فرعونی وضع کا جس میں کوئی راحت بھی نہیں سبب یہی تکبر ہی ہے کہ جہاں جائیں وہاں ان کے لئے کرسی منگائی جائے اور تا کہ ہر وقت بالکل فرعون کہلاتے رہیں۔ جھکنے کی بھی توفیق نہ ہو حتیٰ کہ کھانے کے وقت بھی جھکنا نہ پڑے اسی واسطے میز کرسی پر کھانا کھاتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مقدس کے باب میں فرماتے ہیں کہ میں تو غلاموں کی طرح کھانا کھاتا ہوں۔

میں اس کے متعلق آپ لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ اگر جارج پنجم آپ کو ایک امرود دے کر اپنے سامنے کھانے کا حکم دیں تو میں دریافت کرتا ہوں کہ اس کے تناول کے لئے آپ میز کرسی اور کانٹے چھری کے منتظر ہوں گے؟ ہرگز نہیں اور اگر جارج کے اس دیئے ہوئے امرود کی ایک قاش آپ کے ہاتھ سے گر جاوے تو کیا اس کو زمین ہی پر پڑا رہنے دیں گے اور بوٹ جوتے سے آگے سرکا دیں گے یا فوراً اٹھا کر کھالیں گے شاید صاف بھی نہ

کریں بتلائیے اس وقت کس طرح عملدرآمد کریں گے یقینی امر یہ کہ آپ فوراً اٹھا کر کھالیں گے تو یہاں بھی اس طرح سے عمل کیوں نہیں کیا جاتا کیا نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی عظمت جارج پنجم سے کم ہے کہ ان کی دی ہوئی نعمت کے ساتھ اتنا بھی معاملہ نہیں کرتے اور ایک سوال اس کے متعلق یہ ہے کہ اگر آپ کو جارج پنجم اپنے سامنے اس امرود کے کھانے کا امر کریں جیسا اوپر مذکور ہوا تو بتلائیں آپ اس کو رغبت کا اظہار کر کے کھائیں گے یا بلا رغبت کھاویں گے، بالکل ظاہر ہے کہ غایت درجہ کی رغبت کا اظہار کر کے کھائیں گے اور رغبت اور پسندیدگی کے اظہار کے لئے اس کو اور جلدی جلدی اور عجلت کے ساتھ کھائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ياكل اكلا ذريعا

(جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی کھانا تناول فرماتے تھے۔)

(علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴) (از: جواہرات حکیم الامت ص ۴۱۸ تا ۴۱۲)

تواضع (ماخوذ از انفاس عیسی)

کمال شکستگی کے منافع ازبس رفیع ہیں

حال: اکثر خیال دل میں رہا کرتا ہے کہ مجھ سے تمام دنیا والے اچھے ہیں۔ حتی کہ ہندوؤں کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ ہزار درجہ مجھ سے اچھے ہیں، کچھ کام تو دنیا ہی کا صحیح کر لیتے ہیں اور میں تو کسی کام کا نہیں رہا۔

تھذیب: یہ حالت ازبس رفیع ہے یہ کمال شکستگی ہے جس کے ثمرات ازبس رفیع ہیں۔ جس کی طرف حدیث مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ میں اشارہ واقع ہے۔

عارفین نے تصریح فرمائی ہے کہ:۔

مومن مومن نباشد تا آنکہ خود را از کافر فرنگ بدتر نہ پندارد

یعنی حالاً نہ اعتقاداً، ایسا شخص انشاء اللہ گمراہ نہیں ہوتا، کیونکہ اصل ضلالت کی عجب ہے، مگر اس حالت کی طرف چنداں التفات نہ کیجئے، کام میں لگے رہئے۔ کہ التفات مضر ہے کہ اس سے کبھی یاس اور کبھی کبر تواضع پیدا ہو جاتا ہے۔ وہذا اشد من الکبر المحض

تواضع للّٰہیہ کی تعریف

تھذیب: تواضع للّٰہیہ یہ ہے کہ حقیقت میں وہ اپنے کو لاشی سمجھے، اور ہیچ سمجھ کر تواضع کرے اور اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔

تواضع کا اعلیٰ درجہ

تھذیب: اتحاد و اتفاق کی جڑ تواضع ہے اور تواضع کی اصل مجاہدۂ نفس ہے کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے خاکسار، نیاز مند، ذرۂ بے مقدار کہدیا، بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرۂ بے مقدار اور خاکسار سمجھ کر برا بھلا کہے اور حقیر و ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ تو تو واقعی ہے پھر کیوں برا مانتا ہے اور کسی کی برائی سے کچھ رنج و اثر نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم برابر ہو جائے مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے کیونکہ طبعاً تو مساوات ہو نہیں سکتی۔

اقرار خطا سے اور عزت بڑھ جاتی ہے

تھذیب: بخدا اقرار خطا سے اور عزت بڑھ جاتی ہے، کچھ نہ ہو، یہ تو ضرور ہے کہ اقرار خطا میں خدا کی رضا ضرور ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ من ترك الجدال و المراء بنى له بيت فى الجنة۔

متواضع کی شناخت

تھذیب: کسی متواضع سے کبھی کوئی بات تکبر کی نکل جائے تو یہ مضر نہیں، ہاں اس کے

افعال اور احوال میں زیادہ غلبہ تواضع کو ہونا چاہئے۔

من تواضع للہ رفعہ اللہ کی صورت

تھذیب: ہماری عزت تو اس میں ہے کہ ہم نماز کی سب سے پہلی صف میں کھڑے ہوں اور دوسرے ہم کو کھینچ کر آگے کریں۔

اتفاق کی اصل تواضع ہے

تھذیب: اتفاق کی اصل تواضع ہے جن دو شخصوں میں تواضع ہوگی ان میں نااتفاقی نہیں ہوسکتی۔

تواضع کی حد

تھذیب: تواضع کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی اپنی سے نفی کرے، بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنا کمال نہ سمجھے، محض فضل و رحمت حق سمجھے۔

تواضع مفرط مکلّف ہے

تھذیب: جس جگہ زیادہ تواضع کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو وہاں قصداً اتنی تواضع نہ کرو، باقی اگر حال ہی غالب ہو جائے، یا اس احتمال کی طرف التفات ہی نہ ہو، وہ اور بات ہے، کیونکہ بعض طبائع کو بلکہ اکثر کو واقعی اپنے بزرگوں کی زیادہ تواضع کرنے سے ندامت اور تکلیف ہوتی ہے وہ اس کو پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیاں ایک حافظ صاحب نے جو مولانا کے مرید بھی تھے اٹھا کر رکھ دیں۔ تو مولانا کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ حافظ صاحب یہ جوتے تو تبرک اور سر پر رکھنے کا قابل ہو گئے اب بتلاؤ پاؤں میں کیا پہنوں؟ مطلب یہ تھا کہ آئندہ سے ایسا نہ کرنا مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

وضع وطرز اور تکلف وتصنع کے متعلق طلباء کو نصائح

تھذیب: لباس اور وضع سے یا اہل دنیا کے طرزِ گفتگو سے عزت کا طلب کرنا انسان کا کام نہیں، یہ تو نہایت بھدا پن ہے اے طلباء مدرسہ تمہارا فخر یہی ہے کہ جس جماعت میں تمہارا شمار ہے تم اس کی اصطلاح اور وضع اور طرز کو اختیار کرو۔ تمہاری عزت اسی میں ہے۔ اگر مخلوق میں اس سے عزت نہ ہوئی تو کیا پرواہ ہے۔ خالق کے یہاں تو ضرورت عزت ہوگی۔ تم کو تو ایسی تواضع اور پستی اختیار کرنا چاہئے کہ تمام دنیا پستی وتواضع میں تمہاری شاگرد ہو جائے اور تم اس شعر کے مصداق ہو جاؤ۔ اور بہا نگِ دُہل یوں کہو۔

افروختن وسوختن وجامہ دریدن   پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

غرض تم ایسے متواضع ہو جاؤ کہ ہر چیز میں تمہاری ہی تواضع کا اثر ظاہر ہو۔ تم کو ظاہری اسباب عزت کی ضرورت نہیں، انسان تو وہ ہے جو کمالات میں بادشاہ ہو گو ظاہر میں فقیر ہو عارف فرماتے ہیں۔

مبین حقیر گدایانِ عشق راکیں قوم   شہان بے کمر وخسروانِ بے کلاہ اند

اور ایک جگہ اپنی گدائی پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی میں   کہ ناز بر فلک وحکم بر ستارہ کنم

تم کسی کی تحقیر کی پرواہ نہ کرو اگر کوئی تمہارے لباس پر طعن کرے، کرنے دو، کوئی تمہارے طرز میں عیب نکالے، نکالنے دو، تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا کافی ہے تم ان کو راضی کرنے کی فکر کرو، اور یاد رکھو کہ عشق میں تو ملامت ہوا ہی کرتی ہے تم خدا تعالیٰ کے عاشق بننا چاہتے ہو تو ملامت سننے کے لئے تیار رہو۔

نسازد عشق را کنج سلامت   خوشا رسوائی کوئی ملامت

اپنے لئے کوئی خاص وضع نہ بناؤ۔ جو محبوب دے پہنو۔ شال دے شال اوڑھو کمبل دے کمبل اوڑھو، اور ہر حال میں خوش رہو، مگر حدودِ شرعیہ سے باہر نہ جاؤ۔

تھذیب: تم اپنے کو مٹادو، گمنام کردو، سب سے الگ ہو جاؤ تو پھر تمہاری محبوبیت کی یہ شان ہوگی کہ تم چپ ہو گے۔ اور تمام مخلوق میں تمہارا آوازہ ہوگا، جیسے عنقا نے اپنے کو مٹادیا، تو اس کا نام اس قدر مشہور ہوا کہ مخلوق کی زبان زد ہے۔

اگر شہرت ہوس داری اسیرِ دام عزلت شو　　کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

صدق تواضع کا طریقہ

تھذیب: محققین کا قول ہے کہ تم یہ سمجھ لو تواضع اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا حق یہی ہے کہ ان کے سامنے ہر شخص پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائے اور اپنے آپ کو لاشے محض سمجھے۔ اس پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس طرح تواضع اختیار کرے گا، ہم اس کو رفعت عطا کریں گے۔ لیکن تم رفعت کی نیت سے تواضع اختیار نہ کرو، گو ایک گونہ رفعت اس طرح بھی حاصل ہو جائے گی کیونکہ تواضع میں خاصیت ہے گو کسی نیت سے ہو کہ وہ قلوب کو کشش کرتی ہے مگر اس صورت میں حقیقی رفعت یعنی قرب ورضاء حق حاصل نہ ہوگی۔

(از انفاس عیسیٰ: ص ۲۴۲ تا ۲۴۵)

تکبر کا عملی علاج

تکبر عملی کا علاج یہ ہے کہ غرباء کی تعظیم و تواضع کریں، خوشی سے نہ ہو سکے تو بہ تکلف ہی کریں۔ ان سے خوش خلقی اور نرمی اور شیریں کلامی سے پیش آئیں وہ جب ملنے آئیں تو کھڑے ہو جایا کریں ان کی دل جوئی کریں۔ علیٰ ھذا القیاس۔ (الامتحان ج ۹)

(جواہرات حکیم الامت ص ۱۴۲)

تکبر کی قباحت (ماخوذ از جواہرات حکیم الامت)

صاحبو! تکبر خدا کو پسند نہیں بالخصوص غریب آدمی سے تو بہت ہی زیادہ پسند ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ تین شخصوں کو بہت مبغوض رکھتے ہیں۔

ایک وہ جو بوڑھا ہو کر زنا کرے۔ دوسرے وہ جو بادشاہ ہو کر جھوٹ بولے۔ تیسرے وہ جو غریب ہو کر تکبر کرے۔ فرعون بے سامان ہو جاوے۔ ایک فرعون باسامان بھی تھا۔ لیکن اگر ان کے پاس سامان ہوتا تو ابلیس سے کم نہ ہوتے۔ (سلوۃ الحزین ج ۹)

ترک عجب

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مومن مومن نہیں ہوسکتا جب تک کار فرنگ سے اپنے کو بدتر نہ سمجھے۔

شاہ جی توکل شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھنا چاہئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کی توجیہ میں فرمایا کہ کتے میں اندیشہ بے ایمانی کا نہیں اور مسلمان کو بے ایمانی کا اندیشہ ہے اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھے۔ حقیقت میں زندگی ختم ہونے تک انسان کو کچھ حق نہیں اپنے کو اچھا سمجھنے کا۔ رات دن تبدیل و تغیر ہوتی رہتی ہے۔ کوئی آج عابد وزاہد ہے اور کل کو شیطان ہو جاتا ہے۔ کوئی آج کافر ہے اور کل کو مسلمان ہو جاتا ہے اس لئے زندگی میں اپنے کو کسی سے اچھا سمجھنے کا کچھ حق نہیں۔ ہاں مرنے کے بعد اگر اسلام پر خاتمہ ہو گیا تو جو کچھ چاہے سمجھ لینا۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ۔

گہہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما   گہہ خندہ زند دیو زناپاکی ما
ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم   احسنت بریں چستی و چالاکی ما

"کبھی فرشتہ ہماری پاک دامانی پر رشک کرتا ہے۔ اور کبھی شیطان ہماری ناپاکی پر ہنستا ہے۔ اگر سلامتی کے ساتھ ایمان قبر تک لے گئے تو ہماری اس چستی و چالاکی پر آفریں ہوگی۔" (سلوۃ الحزین ج ۹) (از جواہرات حکیم الامت ص ۴۴۵، ۴۴۶)

کمال تواضع

(ماخوذ از جواہرات حکیم الامت)

حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید بہت تیز مشہور ہیں لیکن اپنے نفس کیلئے کسی پر تیزی نہ فرماتے تھے۔ایک شخص نے مجمع عام میں آ کر مولانا سے پوچھا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادہ ہیں بہت متانت اور نرمی سے فرمایا کہ کسی نے تم سے غلط کہا ہے شریعت کا قاعدہ ہے الولد للفراش۔سو میرے والدین کے نکاح کے گواہ بڑے بوڑھے لوگ اب تک موجود ہیں۔ایسی باتوں کا یقین نہیں کیا کرتے وہ شخص پاؤں پر گر پڑا۔اور کہا کہ مولانا میں نے امتحاناً ایسا کہا تھا۔مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کی تیزی سب اللہ کے واسطے ہے اہل اللہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کی ذات کو جس قدر کوئی کہے وہ اپنے کو اس سے بدتر جانتے ہیں۔ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسی نے تکفیر کی حضرت نے سن کر برا نہیں مانا اور یہ فرمایا کہ میں عند اللہ اگر مومن ہوں تو مجھ کو کسی کی تکفیر مضر نہیں اور اگر (خدانخواستہ کافر ہوں) تو برا ماننے کی کیا بات ہے۔ذوق کے اشعار اسی مضمون میں ہیں۔

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق ہے برا وہ ہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے پھر برا کہنے سے کیوں اس کے برا مانتا ہے

دیکھئے! یہ اشعار بالکل نثر سے معلوم ہوتے ہیں کمال شاعری اسی کا نام ہے کہ پتہ بھی نہ لگے کہ نظم ہے یا نثر۔اور بالکل سچا مضمون ہے۔ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا کوئی کچھ کہہ دے تو پھر دیکھئے چہرہ سرخ ہو جائیگا رگیں پھول جائیں گی اور تاویل یہ کرینگے کہ یہ غضب فی اللہ ہے۔(عمل الذرہ ج ۱۹)

تکبر کا منشاء اور بنیاد جہالت ہوتی ہے

منشاء اس عجب و کبر کا ہمیشہ جہل ہوتا ہے۔بڑا عالم اپنے کو وہی سمجھتا ہے جو کچھ نہ ہو۔ کیونکہ جو واقع میں بڑا ہوگا اس کی نظر کمال کی حد آخر تک ہوگی اور اپنے کو اس سے عاری

دیکھے گا۔ اس لئے ممکن نہیں کہ اپنے کو بڑا سمجھے البتہ ایسے شخص کو اپنا بڑا سمجھنا شایان جو تمام مراتب کمال کو جامع ہو اور وہ صرف ایک ذات وحدہٗ لاشریک ہے اس لئے متکبر اس کا کمالی نام ہے۔ اس کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنے والا۔ سوچوں کہ واقع میں حق تعالیٰ بڑا ہے اس لئے اگر وہ اپنے کو بڑا نہ جانتا تو یہ جہل ہوتا اور جہل نقص ہے اور حق تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہیں۔

بس خدا کا تو یہی کمال ہے کہ وہ اپنے کو بڑا جانے اور بندہ کا یہ کمال ہے کہ اپنے کو چھوٹا سمجھے۔ اگر وہ اپنے کو بڑا سمجھے تو یہ نقص ہوگا۔ حدیث قدسی میں ہے: الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی فیهما قصمته : یعنی عظمت و کبریا میرا خاص ہے جیسے ازار اور ردا انسان کا ملبوس خاص ہوتا ہے۔ پس جو شخص مجھ سے (ان صفات میں) کھینچا تانی کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عظمت اور بڑائی حق تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہیں اس لئے بندہ کا کمال اپنے کو عاجز سمجھنا ہے۔ چنانچہ جن حضرات کے قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریا آ گئی ہے وہ اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں۔ جس شخص کی رستم کی قوت پر حاتم کی سخاوت پر نظر ہوگی وہ اپنے کو قوی اور سخی نہ سمجھے گا جس کے پیش نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہوگا وہ اپنے کو تو کیا عالم سمجھے گا۔ (عمل الذرہ: ج ۱۹)

وقتِ تواضع

واعظوں نے ایک حیثیت کو تو غائب کر دیا اور ایک پر نظر کر رکھی ہے لہذا جب بیان کریں گے تو یہی کہ تمہاری نماز کیا اور تمہارا روزہ کیا۔ واعظ صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ کی نماز میں بھی تو دو حیثیتیں ہیں اس میں بھی اسی ایک حیثیت پر نظر کیوں نہیں رکھتے۔ عورتوں کو ہی خطاب کیوں کرتے ہو کہ تمہاری نماز کیا اور روزہ کیا۔ مجھے اس لفظ پر کہ اپنی چیز کو گھٹیا سمجھنا چاہئے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک مرتبہ میں انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا میری اکثر عادت تو تیسرے درجے میں سفر کرنے کی ہے مگر بعض دفعہ اس میں تکلیف ہوتی ہے تو ایسے

موقع پر میں اس کو بھی تکلف سمجھتا ہوں کہ تھرڈ میں سفر کرنے کو اپنی وضع بنالیا جاوے ہجوم وغیرہ کے موقع پر میں بے تکلف انٹر میں سفر کر لیتا ہوں۔ چنانچہ آرام کے خیال سے اس وقت انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا جس میں تین چار جنٹلمین بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھے عمر بھر کبھی ایسی غیر مہذب صحبت کا اتفاق نہیں ہوا جیسی غیر مہذب جماعت سے اس دن سابقہ پڑا۔ حالانکہ وہ معمولی درجہ کے لوگ نہ تھے بلکہ بڑے بڑے درجہ کے لوگ تھے۔ ایک جنٹ تھے اور ایک وکیل تھے اور خدا جانے کیا تھے غرض ممتاز لوگ تھے۔ انہوں نے وہ خرافات آپس میں بکنا شروع کی کہ سننے والا شرما جاوے۔ اتفاق سے ایک ہندو منصف بھی اسی ڈبہ میں آبیٹھے۔ عہدہ اس کا بھی بڑا تھا مگر غیر مذہب کا آدمی تھا۔ جنٹلمینوں نے آپس میں فحش فحش اشعار پڑھنا شروع کئے منصف صاحب کی کمبختی آئی کہ کسی شعر پر آپ بول اٹھے کہ ہاں صاحب ذرا پھر پڑھئے انہوں نے وہ شعر تو دوبارہ پڑھا نہیں مگر منصف صاحب کے سر ہو گئے ایک بولا اچھا آپ بھی شاعر ہیں اس نے کہا جی نہیں میں شاعر تو نہیں۔ دوسرے بولے آپ ضرور شاعر ہیں اس جماعت کی یہ حالت تھی جیسے بھانڈ ہوتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر تیسرا بولا آپ یقینی شاعر ہیں آپ کا تخلص مسکین ہے ایک بولے آہ ہاہ تو یہ شعر آپ ہی کا ہے ۔

مسکین خر اگر چہ بے تمیز است چوں بار ہمے برد عزیز است

(مسکین کا گدھا اگر چہ بد تمیز ہے چونکہ ہمارا بوجھ اٹھاتا ہے اس لئے ہمیں عزیز ہے)

غرض بے چارے کو ایک مشغلہ بنا دیا مگر منصف صاحب کچھ نہ کہہ سکے وہ خود ہی اپنے ہاتھوں بلا میں پھنسے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ کو خود ہی جی چاہا مسخرہ بننے کو ایسے بھانڈوں کو چھیڑا ہی کیوں تھا پھر انہوں نے ایک حرکت یہ کی کہ جب دستر خوان بچھایا اور کھانا نکالا گیا تو ایک بولے آیئے منصف صاحب آپ بھی کچھ گوہ موت کھا لیجئے دوسرا بولا کہ تم بڑے بد تمیز ہو کہ کھانے کو گوہ موت کہتے ہو۔ اس نے کہا میاں اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا نام

سے یاد کرنا چاہئے۔اسی کا نام تواضع ہے اپنے کھانے کو کھانا کہنا تکبر ہے میں تو چادر لپیٹ کر ایک طرف کو لیٹ گیا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر بھی کچھ عنایت ہی ہو خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر تو کچھ عنایت نہیں ہوئی اور شاید وہ منصف صاحب کو بھی کچھ نہ کہتے مگر ان کی کمبختی نے خود ہی دھکا دیا کہ اپنے آپ پنچوں میں شامل ہوئے اور بجلی کے تار کو ہاتھ لگایا۔ خیر مجھے یہ حکایت صرف اتنی مناسبت سے یاد آ گئی کہ اپنی چیز کو گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہئے اتنی بات تو صحیح ہے مگر جیسا گھٹیا نام ان جنٹلمینوں نے اپنے کھانے کو دیا وہ نہایت بدتمیزی اور بدتہذیبی کا نمونہ تھا۔ کھانے کو گوہ موت کہنا تواضع نہیں ہے کھانا خدا کا رزق ہے اس کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے مگر کسی قدر گھٹیا نام سے یاد کر سکتے ہیں مثلا دال روٹی یا آب ونمک کہہ دیا جاوے مگر نہ اس قدر گھٹانا کہ گوہ موت ہی کہہ دیا جائے۔ کیونکہ کھانے میں یہ بھی تو ایک حیثیت ہے کہ وہ خدا کا رزق ہے اسی لحاظ سے وہ بہت کچھ معظم ومکرم ہے غرض یہ ان کا مسخرہ پن تھا کہ رزق کے لئے ایسے الفاظ بیہودہ استعمال کئے۔ (کساء النساء ج ۲۰)(از جواہرات حکیم الامت ص ۵۲۹ تا ۵۳۲)

اتفاق کی اصل

حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اتفاق اتفاق پکارتے پھرتے ہیں مگر جو اصل ہے اتفاق کی اس سے بہت دور ہیں تو اتفاق کی اصل تواضع ہے جن دو شخصوں میں تواضع ہو گی ان میں نااتفاقی نہیں ہو سکتی اور تواضع کی ضد تکبر ہے جہاں تکبر ہو گا وہاں اتفاق نہیں ہو سکتا اب لوگ ہر بات میں تکبر کو اختیار کرتے ہیں اور زبان سے اتفاق اتفاق پکارتے ہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے اگر دونوں تواضع سے کام لیں تو اتفاق قائم رہے اور تواضع جب ہوتی ہے جبکہ حبِ مال وجاہ نہ ہو اور جہاں مال وجاہ کا دخل ہو گا وہاں تزاحم ضرور ہو گا۔ یہ حب مال وجاہ فساد کی جڑ ہیں اگر یہ نہ ہوں تو خدا کی قسم کہ تزاحم کبھی نہ ہو (السوق لاھل الشوق ج ۲۴)

کبر سے احتراز کی ضرورت

لوگ کفر سے تو بچتے ہیں اور اس کے نام سے بھی ڈرتے ہیں جو ایک شاخ ہے کبر کی اور کبر سے نہیں بچتے اور اس سے نہیں ڈرتے حالانکہ وہ اصل ہے کفر کی، حیرت ہے شاخ سے تو ڈرا جائے اور جڑ سے نہ ڈرا جائے۔ یہ ایسا ہوا جیسے کوئی جلیبی اور قلاقند سے تو بچے لیکن گڑ خوب کھاوے۔ (السوق لاھل الشوق ج ۲۴)

کبر دلوں کے اندر ایک چنگاری ہے

کبر دلوں کے اندر ایک چنگاری ہے جو راکھ سے دبی ہوئی رکھی ہے۔ اس کا انتظار نہ کیجئے کہ جب وہ ظاہر ہوگی اور آگ بھڑک اٹھے گی، اس وقت بچالیں گے کیونکہ جس وقت آگ بڑھک اٹھتی ہے پھر کسی کے بس میں نہیں آتی۔ مال اور اسباب کو تو جلاتی ہی ہے، بجانے والے کو بھی لپیٹ لیتی ہے۔ آگ سے زیادہ چنگاری سے حفاظت کیجئے کیونکہ آگ کی طرف تو التفات ہوتا بھی ہے اور آدمی اس سے ہوشیار ہو ہی جاتا ہے مگر چنگاری کی طرف التفات کم ہوتا ہے اور وہ دبے ہی دبے اپنا کام کر جاتی ہے تو اس کا انتظار کیوں کیا جائے کہ جب کفر تک نوبت آئے گی اس وقت تکبر کا علاج کر لیں گے، پہلے ہی سے اس کی تدبیر کیوں نہ کی جائے تاکہ کفر تک نوبت ہی نہ آئے۔ مولانا کہتے ہیں:۔

علت ابلیس انا خیر بداست   ایں مرض در نفس ہر مخلوق ہست

''ابلیس کی بیماری اپنے کو بہتر سمجھنے کی تھی اور یہ مرض ہر مخلوق کے اندر موجود ہے۔''

(السوق لاھل الشوق ج ٢٤)

عجیب بات ہے کہ یہی سب سے خطرناک چیز ہے اور اسی کا علاج نہیں کیا جاتا۔ اچھے اچھے نمازی اور پرہیزگار ہیں جن کے لوگ معتقد ہیں مگر ان کے اندر یہ بلا بھری ہوئی ہے کہ اس کو کچھ گناہ اور عیب ہی نہیں سمجھا جاتا، معمولی گناہوں سے بچتے ہیں اور کبر جیسے گناہ

کی کچھ پرواہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دین نام رکھا گیا ہے صرف اعمال ظاہری کا اور اعمال باطنی کو دین کے اندر داخل ہی نہیں سمجھا جاتا۔ پس نیچا کرتا پہن لیا اور پانچوں وقت کی نماز پڑھ لی اور پاجامہ شرعی پہن لیا اور اپنے آپ کو شبلی وقت سمجھنے لگے خواہ باطنی معاصی میں سر سے پیر تک آلودہ ہوں اور یہ حالت ہو جو ایک بزرگ کہتے ہیں۔

از بروں چو گور کافر پر حلل　　　　واندروں قہر خدائے عز و جل

''باہر سے مثل کافر کی قبر کے خوب زینت ہے اور اندر خدائے تعالیٰ کا قہر ہو رہا ہے۔''

از بروں طعنہ زنی بر بایزید　　　　وز درونت ننگ می دارد یزید

''باہر سے تو ایسے صوفی کہ بایزید بسطامی کو بھی شرمندہ کریں اور باطنی حالت اس قدر خراب کہ یزید بھی شرمندہ ہو جائے۔''

بعض اوقات راستے میں اس طرح دبے ہوئے اور جھکے ہوئے چلتے ہیں جن سے معلوم ہو کہ بڑے متواضع ہیں حالانکہ دل میں یہ ہوتا ہے کہ اسی متواضعانہ ہیئت کو دیکھ کر لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھیں۔ یہ ایک کبر دقیق ہے اس کا پتہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کے ایک مقولے سے چلا، فرمایا تھا کہ بعض کبر بصورت تواضع ہوتا ہے جیسا کہ بعض مخضعین میں دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی مجمع میں پہنچے تو صف نعال میں بیٹھ گئے، اس کے سوا کوئی جگہ ہی نہیں اختیار کرے، لوگ جانتے ہیں کہ یہ فلاں شخص ہیں یا وضع قطع اور صورت وشکل سے بھی سفید پوش اور شریف پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں، پڑھے لکھے کی صورت چھپتی نہیں ہے اب لوگ اصرار کرتے ہیں کہ حضرت یہاں تشریف لائیے صدر مقام پر بیٹھئے آپ کہاں بیٹھ گئے، ہم سب کو شرمندہ کر دیا، یہ جگہ آپ کے بیٹھنے کی نہیں۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے بڑا رتبہ دیا ہے مگر یہ ہیں کہ جوں جوں اصرار ہوتا جاتا ہے اور اسی جگہ پر جمے جاتے ہیں اور نہایت عاجزی سے کہتے ہیں کہ بھائی میں تو اس جگہ کے بھی قابل نہیں، من آنم کہ من دانم (میں اپنے آپ کو خوب جانتا ہوں) سفید کپڑوں کو یا ظاہری تقدس کو مت دیکھو، اندر تو

میرے سارے عیب ہی بھرے ہوئے ہیں۔ (سچ کہتا ہے واقع سارے عیب ہی بھرے ہوئے ہیں کیونکہ ام العیوب یعنی کبر موجود ہے) کتنا ہی کہئے مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے بلکہ اور نیچے کو کھسکتے جاتے ہیں، یہ وہی کبر ہے جس کو مولانا نے فرمایا کہ بعض کبر بصورت تواضع ہوتا ہے،صورت تو ایسی کہ بالکل سراپا متواضع معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ لوگ ہم کو متواضع سمجھیں اور اس طرح ان کے دلوں میں ہماری وقعت اور بڑائی آجائے تو بڑائی مقصود ہوئی نہ تواضع یہ کبر بڑا خطرناک ہے۔ (السوق لاھل الشوق ج ۲۷)

تکبر تمام اخلاق ذمیمہ کا اصل الاصول ہے

اور اصل الاصول تمام اخلاق ذمیمہ کی کبر ہے اور اس کے شعبے اس قدر مخفی ہیں کہ بڑے بڑے علم والوں کو بھی پتہ نہیں چلتا جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ بہت سے لوگوں میں کبر بصورت تواضع ہوتا ہے اور اس وصف میں اہل علم زیادہ حصہ رکھتے ہیں اور دیاسلائی کے مصالحہ کی طرح یہ مادہ سب میں موجود ہے کسی کو بے فکر نہ ہونا چاہئے نہ معلوم کس وقت رگڑ لگ جاوے اور جل اٹھے اور سب خانما کو پھوک دے۔ یہ کبر وہ چیز ہے جو سبب ہوا ہے ابلیس کے کافر ہونے اور رجیم ہونے کا۔حق تعالٰی نے اس کے اور اس کے تمام شعبوں کی برائی بیان فرمائی ہے فبئس مثوی المتکبرین میں اور چونکہ تمام اخلاق ذمیمہ کبر ہی سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ (السوق لاھل الشوق ج ۲۷)

شیخی عورتوں کی سرشت میں داخل ہے

عورتوں کے بڑے اختیارات زبان پر ہوتے ہیں جب ذرا سی بات پر اسی ماما کو دے دوں پھوٹی خاک ملی چھاڑو ماری کہہ ڈالتی ہیں تو یہ تواضع کیسی؟ اصل یہ ہے کہ تواضع وغیرہ کچھ نہیں حقیقت اس کی بے حسی ہے کیونکہ تواضع اور شیخی ضدیں ہیں دونوں جمع نہیں

ہوسکتیں، دیدوں پھوٹی کہنے کے وقت تو اس کو جوتی کے برابر بھی نہیں سمجھتیں جو کہ یقیناً شیخی ہے اور باوجود اس کے اس کو سرہانے بٹھاتی ہیں جب شیخی موجود ہے تو اس کی ضد کیسے موجود ہوسکتی ہے تو ضرور اس سرہانے بٹھانے کی وجہ تواضع کے سوا کچھ اور ہے اور وہ بجز بے حسی کے اور کیا ہے۔ کوئی کام بھی اپنے موقع پر نہیں۔ شیخی جس موقع پر کارآمد ہے یعنی حفظ مراتب میں وہاں اس کا ظہور نہیں ہوتا وہاں بے نفس بن جاتے ہیں۔ یہ بے نفسی نہیں بلکہ بے حسی اور بے تمیزی ہے اور جس موقع پر شیخی مذموم اور ممنوع ہے وہاں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ذمیمہ عورتوں کی تو گویا سرشت میں داخل ہے۔ اٹھنے میں بیٹھنے میں بولنے چالنے میں اور زیور میں تو ایسا اس شیخی کو نباہا ہے کہ اس کی بناوٹوں کی بناء اسی پر وہ زیور بلا باجہ کا نہ پہنیں گی۔ باجہ میں فائدہ یہ ہے کہ جب کہیں جائیں تو پہلے سے مردوں عورتوں سب کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ہوجائے جب کہیں جائیں گی تو ڈولی سے اترتے ہی گھر میں اطلاع کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ بیگم صاحب آئی ہیں کوئی ان سے پوچھے کہ کون سے ملک کی بیگم ہیں یا یہ لفظ نواب بے ملک کا ترجمہ ہے وہاں پہنچ کر ایسی جگہ بیٹھیں گی کہ سب کی نظر ان پر پڑے۔ ہاتھ کان ضرور دکھلائیں گی۔ ہاتھ گوڈھکے ہوئے ہوں مگر گرمی کے بہانہ یا کسی ضرورت کے بہانے کھول کر ضرور دکھلائیں گی کہ ہمارے پاس اتنا زیور ہے اور اگر کوئی بی بی بہت ہی مہذب ہوئیں اور قسمت سے بہشتی زیور پڑھی ہوئی ہیں اور دکھاوے اور شیخی کی مذمت ان کو یاد ہوئی تو خدا سلامت رکھے باریک کپڑوں کو وہ ان کے بلا ارادہ ہی سب بناؤ سنگھار دکھلا دیتے ہیں اور اگر کسی کی نظر نہ بھی پڑی تو کھجلی اٹھا کر کان تو دکھا ہی دیں گی جس سے اندازہ کیا جاوے کہ جب اتنا زیور ان کے کانوں میں ہے تو گھر میں روپیہ تو نہ معلوم کتنا ہوگا۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ چاہے گھر میں خاک نہ ہو روپیہ کے بجائے چوہے ہی قلابازیاں کھاتے پھرتے ہیں۔ یہ گناہ تو ہاتھ پیر سے کئے پھر وہاں بیٹھتے ہی سوائے غیبت کے اور دوسرا مشغلہ ہی نہیں۔ ان عورتوں کو شیخی کے مواقع دو ملتے ہیں۔ خوشی کا

اور ایک غمی کا، انہی دو موقعوں میں اجتماع ہوتا ہے۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

دین دار اور تعلیم یافتہ عورتوں میں بھی شیخی کا مرض ہے

خاوند پر تفاخر، جائیداد پر تفاخر، مکان پر تفاخر، نسب پر تفاخر، اور یہ مرض جاہل عورتوں تک محدود نہیں، لکھی پڑھی عورتوں میں بھی موجود ہے۔ حتی کہ جو اپنے کو دین دار اور عالم سمجھتی ہیں ان میں بھی موجود ہے مجمعوں میں بیٹھ کر کہتی ہیں میں نے مشکوۃ شریف پڑھی ہے۔ میں نے جلالین شریف پڑھی ہے۔ ایک جگہ کی عورتیں بہت تعلیم یافتہ اور دیندار ہیں اور باعمل بھی ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آج کل عمل بالدین کے معنی صرف نماز، روزہ کے رہ گئے ہیں باقی رہے اخلاق سو ان کی طرف کسی کا یہ خیال بھی نہیں جاتا کہ ان کو بھی کچھ دین سے علاقہ ہے۔ خیر جو معنی بھی ہیں وہاں کی عورتیں بہت دیندار ہیں۔ ان عورتوں نے مجھ سے وعظ کی فرمائش کی تو مجھ کو بہت سوچنا پڑا کہ ان کو کس چیز کی اصلاح کی ضرورت ہے جس کا میں بیان کروں۔ بہت سوچ کر سمجھ میں آیا کہ اور ظاہری امراض ان میں نہ سہی مگر شیخی اور فضول خرچی ان میں ضرور ہے۔ میں نے اسی کا وعظ کہا اس کو سن کر ان مستورات نے میرے پاس کہلا بھیجا کہ ہماری آج آنکھیں کھلیں اور مجھے یہ عیب اس طرح معلوم ہوا تھا کہ ہمارے یہاں وہ عورتیں ایک روز صبح سے شام تک رہیں اور یہی مشغلہ رہا۔ ایک کہتی تھی کہ میں نے مشکوٰۃ شریف پڑھی ہے۔ دوسری کہتی تھی کہ میں نے شرح وقایہ پڑھی ہے۔ تیسری کہتی تھی میں نے جلالین شریف پڑھی ہے۔ میں نے دل میں دعا کی اے اللہ ان کے منہ سے وعظ کی فرمائش ہو۔ چنانچہ شام ہی کو وعظ کی فرمائش ہوئی۔ بیان ہوا، الحمد للہ بہت نفع ہوا، سب نے بہت دعائیں دیں۔ یہ ان کے قرآن وحدیث کے پڑھنے کی برکت تھی کہ ان کو نفع محسوس ہوا اور کہنا بھی دلسوزی سے تھا، اس کا بھی اثر ہوتا ہے جب پڑھی لکھی اور دیندار بیبیوں تک میں تفاخر اس طرح رچا ہوا ہے تو دنیا داروں میں کیوں نہ ہو۔ اسی تفاخر سے عورتوں کو بار بار کپڑے بدلنا گھنٹوں وقت اس میں صرف کرنا زیور بہت وزنی لادنا باوجود فی

نفسہ شاق ہونے کے ان کو آسان ہے۔

غرض ہر کام میں شیخی اور تفاخر موجود ہے۔ عورتوں میں زیادہ اور مردوں میں بھی کافی درجہ میں ان شادی بیاہ کی رسموں کو اور تقریبات کو دیکھ لیجئے کہ ہر قسم کا مبنی تفاخر ہی پر ہے۔ جہیز دیں گے بیٹی کو لیکن دکھائیں گے تمام برادری کو ایک جگہ نیوتہ دیا گیا جس میں تین گنیاں تھیں اول گنیاں دیں لیکن ساتھ ہی خیال آیا کہ تین گنیوں کو کون دیکھے گا اس واسطے ان کو روپیہ بھنا کر سینی میں رکھ کر بھیجے گئے تا کہ اہل مجمع کی نظریں تو پڑیں۔ باجہ گاجہ اور جتنے سامان شادی بیاہ کے ہیں سب کی بناء اسی تفاخر اور نمود پر ہے اور یہ تفاخر گو مرد بھی کرتے ہیں مگر اصل جڑ اس میں عورتیں ہی ہیں۔ یہ اس فن کی امام ہیں اور ایسی مشاق اور تجربہ کار ہیں کہ نہایت آسانی سے تعلیم دے سکتی ہیں جو آدمی جس فن کا ماہر ہوتا ہے اس کو اس فن کے کلیات خوب منکشف ہوتے ہیں۔ یہ ایک کلیہ میں سب کچھ سکھا دیتی ہیں جب ان سے پوچھا جائے کہ شادی بیاہ میں کیا کیا کرنا ہے تو ایک ذرا سا کلیہ چٹکلہ سا بتا دیتی ہیں کہ زیادہ نہیں اپنی شان کے موافق تو کر لو یہ کلیہ نہیں بلکہ کلھیا ہے اور کلھیا بھی ایسی ہے کہ ہاتھی بھی اس میں سما جاوے۔ یہ تو اتنا سا جملہ کہہ کے الگ ہو گئیں کرنے والوں نے جب اس کی شرح پوچھی تو وہ اتنی طویل ہوئی کہ ہزاروں جزئیات اس میں سے نکل آئیں جن سے دنیا کی بھی بربادی ہوئی اور آخرت کا بھی کوئی گناہ نہیں بچا یہ شیطان کا سا شیرہ ہے جس کا ایک قصہ ہے۔ (دوء العیب ج ۲۴) (از جواہرات حکیم الامت ص ۵۶۸ تا ۵۷۸)

حقیقتِ کبر (ماخوذ از بصائر حکیم الامت)

کبر کے اقسام اور ان کا علاج

سوال: ایک طالب نے کبر کے متعلق بہت سی تفصیلات و جزئیات لکھ کر درخواست کی کہ اگر مجھ میں تکبر ہے تو اس کا علاج تجویز فرمائیں۔

جواب: تحریر فرمایا کہ اس کا نام بھی بمناسبت نام سائل رکھدیا یعنی شمس الفضائل لطمس الرذائل۔

جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

جواب: یہاں کئی چیزیں ہیں متشابہ جن میں کبھی اشتباہ ہو جاتا ہے۔

۱۔ کبر ۲۔ عجب ۳۔ حبّ جاہ ۴۔ ریا اور ۵۔ خجلت

پھر ہر ایک میں دو دو درجے ہیں۔ ۱۔ حقیقت و ۲۔ صورت۔ تو یہ دس چیزیں ہیں اور ہر ایک میں کلام طویل ہو سکتا ہے۔

مگر مختصر بقدر ضرورت جس سے تھوڑی مناسبت والے کو ہر درجہ کے سمجھنے میں ضروری بصیرت ہو سکتی ہے اور واقعات جزئیہ کو اس پر منطبق کر سکتا ہے وہی لکھتا ہوں باقی جس کو مناسبت ضروری بھی نہ ہو اس کے لئے نہ کلیات کافی ہیں نہ جزئیات کے لئے تحریر کافی ہے۔ بلکہ اس کو ضرورت ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آئے اسے کسی محقق کے سامنے پیش کرے اگر تنقیح کی ضرورت ہو اس کا بھی جواب دے پھر جو وہ فیصلہ کرے اس کو علماً عملاً قبول کرے۔

وہ مختصر کلام یہ ہے کہ تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے کو باختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو جزو ہوں گے اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تو اس کی حقیقت ہے جو حرام اور معصیت ہے اور ایک اس کی صورت ہے، اس کے بھی بہت اجزاء ہیں۔ بجز ایک جزو یعنی اختیار کے۔ یعنی بلا اختیار ان اجزاء کا خیال آ گیا یہاں تک تو معصیت نہیں لیکن اس کے بعد اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھا یا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اس کو باقی رکھا۔ یہ حقیقت کبر کی ہو جائے گی اور معصیت ہوگی اور یہ جو قید لگائی گئی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے، یہ اس لئے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھوٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں جیسے

ایک شخص بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچہ کو سمجھے کہ یہ عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے یا ایک ہدایہ پڑھنے والا طالب علم نحو پڑھنے والے طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو سمجھے کہ مجھ سے مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہ سمجھتا ہو تو وہ کبر نہیں۔ البتہ اگر یہ تفاوت واقعے کے خلاف ہو تو ایسا اعتقاد کذب ہوگا۔ مگر کبر و کذب متغائر ہیں۔ مگر ایسی بڑائی چھوٹائی کا اعتقاد گو کبر تو نہیں لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرعاً کمال ہو تو یہ اعتقاد احیاناً مفضی کبر کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس لئے سد باب کے طور پر اس کا بھی وہی علاج کرنا چاہئے جو حقیقت کبر کا علاج ہے، اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے، جس کی ایسے ہر وقت میں تجدید (تکرار) کرلی جاوے، جبکہ اس تفاوت کی طرف التفات ہو، وہ مراقبہ یہ ہے، کہ:

(الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے۔

(ب) اور عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض موہبت و رحمت ہے۔ پھر

(ج) عطا کے بعد بھی اس کا بقاء میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کرلیں اور

(د) گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ کمال اس کو حاصل ہو جائے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں اور

(ہ) وہ اگر فی المآل بھی نہ ہو جیسا بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو یا سب ہی سے مخفی ہو حق تعالیٰ کو معلوم ہو، جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعے سے اکمل ہو۔ اگر کسی کے کمال کا بھی احتمال قریب ذہن میں نہ آوے تو اس احتمال کو ذہن میں حاضر کرے کہ شاید یہ علم الٰہی میں مقبول ہو اور میں غیر

مقبول ہوں۔ یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر سمجھوں اور

(و) یہ خیال کرے کہ اگر بالفرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہے جیسے مریض کا تندرست پر، ضعیف کا قوی پر فقیر کا غنی پر، تو مجھ کو چاہئے کہ اس پر شفقت وترحم کروں، اس کی تکمیل میں کوشش کروں، اور اگر کسی طرح قدرت نہ ہو یا ہمت نہ ہو یا فرصت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سے سہی اور اس خیال کے بعد تکمیل میں سعی شروع کردے، تو اس تدبیر سے اس کے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جائے گا اور طبعی خاصہ یہ ہے کہ جس کی تکمیل وتربیت میں سعی کرتا ہے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی۔ اور

(ز) یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ساتھ لطف واخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کرلیا کرے اس کا مزاج پوچھ لیا کرے، اس سے جانبین میں تعلق ہو جاتا ہے اور ایسے تعلق کے بعد تحقیر دور ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اس سے بغض رکھنا مامور بہ ہے تو تدابیر مذکورہ میں سے بعض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جائے گا۔ مگر بعض کا پھر بھی بغض کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے، ان بعض کو استعمال کرے۔

یہ سب کلام تو تکبر کے متعلق تھا اور عجب میں ایک قید کم ہے، باقی سب اجزاء وہی ہیں۔ یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے اس میں بھی حقیقت وصورت کے ویسے ہی درجے ہیں اور وہی احکام ہیں اور معالجات مذکور میں سے جن میں سے دوسرے کا تعلق نہیں وہ سب معالجات اس میں بھی ہیں۔

اور ایک چیز اشیائے خمسہ مذکورہ میں حبِ جاہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جیسا اپنے آپ کو اپنے دل میں بڑا سمجھتا ہے اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھ کو بڑا سمجھیں اور میرے ساتھ تعظیم واطاعت وخدمت کا معاملہ کریں۔ چونکہ اس کا منشاء بھی تکبر یا عجب

ہی ہے اس لئے اس کے اقسام واحکام ودرجات ومعالجات وہی ہیں جو کبر میں گذرے ہیں اوراشیائے خمسہ مذکورہ میں سے ایک چیز ریا ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عمل دنیوی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنادے۔اشیائے اربعہ مذکورہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی چونکہ یہ بھی عجب اور کبر ہی سے پیدا ہوتا ہے اس میں بھی سب وہی درجات واقسام واحکام ومعالجات ہیں اورسب احکام کلی ہیں۔کبھی کبھی خصوصیت مقام سے بعض نئی صورتیں یا نئے معالجات بھی ثابت ہوتے ہیں جو مربی (شیخ) کی رائے پر متعین کئے جاتے ہیں۔سب سے اخیر کی ایک قسم خجلت ہے وہ ایک طبعی انقباض ہے جو خلاف عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیار نفس پر وارد ہوتی ہے۔اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اس پر شبہ ہوجاتا ہے کبر وغیرہ کا مگر واقعے میں وہ کبر نہیں ہوتا،اور معیار اس کا یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص ایک دنی یا خسیس (کمینہ وذلیل) کام کرنے سے شرماتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص اس کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم وتکریم کا معاملہ دل سے کرے تب بھی اس کو ویسا ہی انقباض ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو خجلت ہے ورنہ کبر۔ یہ تو اس کی حقیقت ہے جو غیر اختیاری ہونے کے سبب مذموم نہیں۔ اور ایک صورت ہے کہ واقعہ میں تو کبر وغیرہ ہے مگر نفس نے تاویل کرکے اس کو خجلت میں داخل کر کے تسلی حاصل کرلی۔ یہ اختیاری ہونے کے سبب مذموم ہے بلکہ دوسرے ذمائم مذکورہ سے بھی اشنع (بری) ہے۔کیونکہ تاویل کرکے غیر مباح کو مباح بنایا ہے، جو اعلیٰ درجہ کی تلبیس وتدلیس ہے تو اور اقسام میں تو حقیقت مذموم تھی اور صورت غیر مذموم اور اس میں بالعکس جیسا مع الدلیل (دلیل کے ساتھ) گزر چکا۔ چونکہ واقعات ثمانیہ میں سب اقسام کے اجزاء مذکور ہیں اس لئے سب احکام کی تحقیق کی گئی (طالب کے خط میں کبر کی آٹھ مثالیں مذکور تھیں جن کے بارے میں تحقیق مطلوب تھی)۔

اب اخیر میں ایک معالجہ ممتدہ ذکر کرتا ہوں۔ کیونکہ معالجات مذکور وقت تھے،جن

سے اثر کا رسوخ نہیں ہوتا، الا نادراً اور مبتدی کو ایک معتد بہا مدت تک اس معالجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بہ تکلف اوضاع (وضع) واطوار وحالات قلیل الجاہ (کم مرتبہ) لوگوں کے اختیار کرے حتی کہ تواضع راسخ ہو جاوے۔ مگر اس میں بھی اس کا خیال رکھے کہ غایت درجہ کی دنائت (کمینہ پن) اور خسیت (ذلت) کو اختیار نہ کرے جس سے تواضع شر کی صورت اختیار کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور اختیار کئے جائیں جن سے اک گونہ نفس کو انقباض ہو مگر دوسروں کی نظر میں وہ قابل التفات نہ ہوں جس سے شہرت تواضع کا احتمال ہو۔

(تربیت السالک جلد دوم ص ۵-۱- النور ربیع الاول ۱۳۵۲ھ)

کبر کا علمی اور عملی علاج

ارشاد: تکبر کا عملی علاج تو یہ ہے کہ اپنے عیوب کو سوچا کرے اور یوں سمجھے کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسرے کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے اور جو شخص معیوب یقینی ہو وہ معیوب ظنی سے بدتر ہے اس لئے مجھے اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا چاہئے اور عملی علاج یہ ہے کہ جس کو تم اپنے سے چھوٹا سمجھتے ہو اس کے ساتھ تعظیم وتکریم سے پیش آؤ اور یہ عملی علاج جزو اعظم ہے بدون اس کے علمی علاج تنہا کافی نہیں تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جب تک عملی علاج نہ کیا جاوے گا تکبر دور نہ ہوگا۔ (انفاس عیسی)

۲۔ حال: آج کل ایک اور نہایت شرمناک امر لاحق ہوا۔ جس کے اظہار سے طبیعت انکار کرتی ہے اور حیا مانع ہوتی ہے مگر اسی خیال سے کہ اس طرح سے شاید زیادتی ہوتی چلی جاوے یا اس سے کوئی دوسرا نقصان پیدا ہو جائے کہ کوئی چارہ نہیں دیکھا۔

اس لئے عرض ہے کہ کچھ عرصہ سے اپنے اندر آثار ترفع کے پاتا ہوں۔ چھوٹی عمر کے یا نیچے درجہ کے طالب علموں سے سلام وکلام کرتے ہوئے انکے پاس بیٹھتے ہوئے عار سی آتی ہے اور وہ تمام امور جو پہلے بآسانی اور بلا تکلف جیسا کہ طلباء کا طرز عمل ہونا چاہئے انجام

پاتے تھے اب دقت سے پورے ہوتے ہیں اور ان کے کرنے میں شرم سی آتی ہے۔ اکثر باتوں میں اپنی وقعت کا خیال رہتا ہے اور ایسے امور کے ارتکاب کی طرف رغبت ہوتی ہے جس سے ایک امتیاز پیدا ہو۔

تحقیق: انسان صرف مکلّف اس کا ہے کہ ان اخلاق رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے۔ رہا یہ کہ اقتضایات ہی زائل یا ضعیف ہو جاویں اس کا نہ انسان مکلّف ہے نہ یہ بسہولت میسر ہو سکتا ہے۔

ع بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

اور نہ بوجہ تحصیل علوم کے آپ کے لئے اس کا یہ وقت ہے بس آپ جس قدر مکلّف ہیں آپ اس پر اکتفا کیجئے یعنی دل میں اعتقاد رکھیں کہ میں سب سے کمتر ہوں۔ اور اس اعتقاد کے لئے اپنے معائب کا استحضار معین ہوگا اور جن کی بے وقعتی ذہن میں آوے ان کی خوب تکریم کیجئے اور تکلف سے ان سے سلام کیجئے۔ گو نفس کو ناگوار ہو، ناگواری غیر اختیاری ہے اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیار ہے، اس میں خلل موجب مواخذہ ہے انشاء اللہ اس سے خود فساد کا منشا بھی ضعیف ہو جاویگا۔ واللہ الموفق (تربیت السالک جلد اول ص ۲۳۳)

حجاب اور کبر میں فرق

حال: فدوی ایک مرتبہ قرابت مندی میں گیا ہوا تھا (اور وہاں اس کو خرید و فروخت کی ضرورت نہیں پڑا کرتی) تو گوشت کی دوکان پر جانے کی ضرورت ہوتی تھی مگر نہیں گیا تھا۔ ایک گونہ حجاب محسوس کیا تھا۔

تحقیق: حجاب اور چیز ہے اور کبر اور چیز ہے۔ حجاب کی حقیقت خجلت ہے جس کا سبب مخالفت عادت ہے حتی کہ اگر اس شخص کی تعظیم کا سامان عادت کے خلاف کیا جاوے اس سے بھی شرماوے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۱۳)

انقباض کبر نہیں

حال: گذارش یہ ہے کہ حضرت والا نے ایک شخص کو کبر کا علاج یہ بتایا تھا کہ مسجد میں ہر نماز کے بعد اعلان کرے کہ میرے اندر کبر کا مرض ہے سب لوگ دعا کریں کہ مجھ سے یہ مرض جاتا رہے۔ اس پر مجھے خیال ہوا کہ تجھ سے یہ کہا جائے تو کیا کرے گا؟ تو میں اپنے اندر دیکھتا ہوں کہ اس کی ہمت نہیں معلوم ہوتی اور نہ جی اس کو خوشی سے قبول کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں میرے اندر تو کبر نہیں۔ پھر دل کہتا ہے کہ یہ حیا کی وجہ سے ہے اب حضرت اگر یہ کبر ہونے کی وجہ سے ہے تو علاج ارشاد فرما دیں۔

تحقیق: ایسا احتمال دلیل خشیت ہے مبارک ہو۔ کبر کے لئے صرف یہی علامت کافی نہیں کیونکہ کبھی اس انقباض کا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ مرض نہ ہونے کے سبب علاج کی ضرورت نہیں اور کبھی کبر بھی سبب ہوتا ہے تو اب معیار اس کا دو امر ہیں ایک یہ کہ دوسری علامات بھی پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ دوسرا امر یہ ہے کہ احتمال ہی پر مصلح اس کو تجویز کرے تو اس پر عمل کیا جائے یا نہیں۔ گو عمل کراہت طبیعہ ہی سے ہو جیسے تلخ دوا طبعاً مکروہ ہے مگر مریض اگر طالب صحت اور طبیب کا مطیع ہے تو عمل میں موافقت کرے گا۔

(تربیت السالک دوم ص ۱۱۲)

عجب کا علاج

حال: مجھ میں کچھ عجب کا مادہ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی بعض اوقات دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں زکوۃ دیتے ہیں حج کر چکے ہیں اور اب راہ طریقت میں آ کر پیر بھی بے نظیر شہرہ آفاق اور متبع سنت پا لیا۔ وکالت اور زمینداری کا کام بھی خوب چلا رہے ہیں۔ بعض اوقات یہ بھی جی چاہتا ہے کہ لوگوں کی زبان سے دنیوی و دینوی امور کے بجالانے کی تعریف سنتا رہوں بالخصوص اس بات کو سن کر بڑا مسرور ہوتا ہوں کہ حضور نہ

سونا چھڑاتے ہیں نہ کھانا نہ وکالت نہ زمینداری تو ایسا شیخ تو شاید ہی کسی نے پایا ہو جو وکالت وزمینداری رکھ کر ہر طرح کی اصلاح کا سامان بتادے اور اس قدر شفقت رکھے میں تو یہ سمجھتا تھا کہ جب تک انسان اپنے کو ان ہر دو پیشہ سے علیحدہ نہ کرے اس وقت تک اصلاح ناممکن ہے، وجوہ بالا کی بناء پر مجھ کو خود پسندی معلوم ہوتی ہے اور کبھی کبھی دوسروں کی یعنی جو اپنے ہم جنس ہیں ان کی تحقیر معلوم ہوتی ہے اور افسوس معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور کے دربار میں حاضر ہونا نصیب نہ ہوا۔

تحقیق: اگر استحضار نعم کے ساتھ اس کا استحضار بھی کرلیا جاوے کہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ موہبت الٰہیہ ہیں اگر وہ چاہیں ابھی سلب کرلیں اور یہ ان کی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرما رکھی ہیں اور دوسروں کے متعلق اس کا استحضار کرلیا جاوے کہ اگرچہ یہ لوگ ان خاص فضیلتوں سے خالی ہیں لیکن ممکن ہے کہ ان کو ایسی فضیلتیں دی گئی ہوں کہ ہم کو ان کی خبر نہ ہو اور ان کی وجہ سے ان کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحضار کے بعد جو سرور رہ جائے گا وہ عجب نہ ہوگا یا تو فرحت طبعی ہوگی۔ جو مذموم نہیں اور یا شکر ہوگا جبکہ منعم کے احسان کا بھی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا۔

(ماخوذ النور صفر ۱۳۵۴ھ و تربیت السالک حصہ دوم)

خود بینی و بد بینی کا علاج

حال: جملہ حالات باطنہ قابل شکر ہیں کسی مرض کی شکایت نہیں مگر دو عارضوں کی جڑ ہنوز قلب کے اندر بخوبی باقی ہے جس سے گاہ گاہ جمعیت میں پورا خلل واقع ہو جایا کرتا ہے ایک تو برخویش خود بینی اور دوسرے بر غیر بد بینی، بس اب صرف دو کدورتوں سے نہایت تنگی رہتی ہے اور میری تدبیر ان میں بخوبی کارگر نہیں ہوتی لہذا اب حضرت والا سے رجوع کرتا ہوں۔ امید کہ اس خلش کی بیخ کنی کیلئے دعا و توجہ فرمائی جاویگی اللہ تعالیٰ آنحضرت قبلہ کو اس کا اجر عطا فرمادیں۔ آمین

تحقیق: انسان نہ اس کا مکلّف ہے کہ ذمائم کا مادہ ہی فنا ہوجائے اور نہ اس کا مکلّف ہے کہ ان کا وسوسہ بھی نہ آوے، بلکہ صرف اس کا مکلّف ہے کہ اس کا قصد نہ کرے اور اس کے مقتضاء پر عمل نہ کرے، اسی پر مداومت کرنے سے اس کا مادہ بھی اور وسوسہ بھی ضعیف وکالعدم ہوجاتا ہے البتہ ذکر مطلقاً اور مراقبہ اپنے عیوب کا اس اضمحلال میں معین ہوتا ہے۔ عمل کر کے اگر ضرورت سمجھی جائے پھر اطلاع دی جائے۔ (تربیت السالک جلد اول ص ۲۸۰) (از بصائر حکیم الامت ص ۴۱۲ تا ۴۲۱)

استغناء اور کبر میں فرق معلوم کرنے کا آسان طریقہ

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کسی کو خیال تو یہ ہو کہ میں مستغنی ہوں اور واقع میں اس میں کبر ہو اس کا کیا علاج ہے؟۔ فرمایا: اس کے کئی طرق ہیں معلوم کرنے کے اپنے مربی سے حالت بیان کر کے حل کرلے یہ باتیں کلیات بیان کرنے سے سمجھ میں نہیں آسکتیں واقعاتِ جزئیہ سے مصلح خود سمجھ لے گا۔ (از ملفوظات حکیم الامت جلد نمبر ا ص ۱۶۵)

کبر اور خجلت میں فرق اور ایک مثال سے اس کی تشریح

(ملفوظ ۱۴۵) ایک مولوی صاحب کے سال کے جواب میں فرمایا کہ ایک تو ہوتا ہے کبر اور ایک ہوتی ہے خجلت یعنی خلاف عادت ہونے پر جو انقباض ہو اس کو خجلت کہتے ہیں تکبر نہیں مثلاً ایک حالت اس کی عادت سے ارفع ہے جسے اس شخص کا جلوس نکالیں تو اگر اس سے اس کو نفرت ہے تو اس کو تکبر نہ کہیں گے خجلت کہیں گے اور اگر اس کا عکس ہو کہ بازار میں سر پر گٹھا رکھ کر چلنے میں تو شرماتا ہے اور جلوس نکالنے سے نہیں شرماتا گو یہ بھی خلاف عادت ہو تو اس کو تکبر کہیں گے اور اگر دونوں میں شرمائے تو تکبر نہیں خجلت ہے۔ فرمایا کہ آج کل امراض روحانی کو تو لوگ امراض ہی نہیں سمجھتے میں نے ایک صاحب سے کہا تھا کہ تم

میں کبر کا مرض ہے اپنی خبر لو۔نہیں مانا پانچ برس کے بعد اقرار کیا کہ آپ سچ کہتے تھے مجھ میں واقعی کبر کا مرض ہے۔ میں نے کہا کہ بندۂ خدا اگر اس وقت مان لیتے تو جب سے تو کیا سے کیا ہو جاتا مگر اتنے زمانہ تک اینٹھ مروڑ ہی میں رہے۔ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض لوگوں کو شیوخ کی تقلید سے عار آتی ہے طریقت کے غیر مقلد ہو جاتے ہیں مگر اس طریق میں تمام تر مدار اعتماد پر ہے مگر بعض کو نہیں ہوتا حالانکہ اعتماد بڑی چیز ہے یہی حاصل ہے تقلید شیوخ کا۔(جلد نمبر ۲ ص ۱۱۰)

ہر غصہ، تکبر کی وجہ سے نہیں ہوتا

(ملفوظ ۱۵۹) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کیا غصہ تکبر کی وجہ سے آتا ہے فرمایا نہیں حضور ﷺ کو بھی غصہ آتا تھا تو کیا نعوذ باللہ وہاں بھی یہی منشاء تھا کبھی غیرت اس کا منشاء ہوتا ہے دینی یا دنیوی کبھی طبعاً ضعف تحمل اس کا سبب ہوتا ہے ان دونوں میں کبر کا کوئی دخل نہیں البتہ اگر اس غصہ کے اقتضاء پر اس طرح عمل کیا جائے کہ وہ حد شرعی سے گذر جائے وہ تکبر ہے باقی امور طبعیہ میں انسان معذور ہے۔(جلد ۲ ص ۱۲۱)

غصہ ہمیشہ تکبر کی وجہ سے نہیں ہوتا

(ملفوظ ۱۷۰) مقارب ملفوظ ۱۵۶ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کبھی غصہ ضعف تحمل سے بھی ہوتا ہے ہمیشہ تکبر ہی سبب نہیں ہوتا جیسے چمار کبھی اپنے سے بڑے پر بھی غصہ کرتا ہے حالانکہ وہاں تکبر کا شائبہ بھی نہیں ہوتا تو اس کا وہ غصہ بے حد اذیت پہنچنے کے بعد ہوتا ہے البتہ اگر غصہ میں انتقام حد سے گذر جائے تو ناجائز ہے اور وہ اکثر تکبر سے ہوتا ہے۔(جلد ۲ ص ۱۲۸)

عجب اور تکبر میں فرق

(ملفوظ ۳۹۲) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عجب اور کبر دونوں میں

صرف یہ فرق ہے کہ عجب میں دوسرے کو حقیر نہیں سمجھتا اپنے کو عظیم سمجھتا ہے اور کبر میں دوسرے کو بھی حقیر سمجھتا ہے۔ (جلد۲ص۲۶۶)

متکبرین کا تھانہ بھون میں علاج اور حضرت شیخ الہند کا واقعہ

(ملفوظ ۱۸۴) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت مولانا دیو بندی کی بھی اخیر یہی رائے ہوگئی تھی کہ بعض کیلئے تشدد کی ضرورت ہے چنانچہ ایک معتبر شخص مجھ سے حضرت کا ارشاد نقل کرتے تھے کہ متکبرین کو تھانہ بھون بھیجنا چاہئے یہ وہاں درست ہوسکتے ہیں متکبر آدمی کو تھانہ بھون بھیجنے سے مراد میرے پاس بھیجنا تھا باوجود اس کے کہ حضرت اس قدر وسیع الاخلاق تھے جن کی نظیر مشکل ہے مگر متکبرین کے متعلق حضرت کی بھی یہی رائے تھی۔ حضرت کے اخلاق پر یاد آیا یہ حکایت مجھ سے مولوی محمود صاحب رامپوری نے بیان کی رامپور سے میں اور ایک ہندو دیو بند ایک عدالتی ضرورت سے آئے میں نے حضرت کے یہاں قیام کیا اس ہندو نے مجھ سے کہا کہ میاں ایک چار پائی کی جگہ مجھ کو بھی دیدو تو میں بھی یہاں ہی پڑ رہوں تا کہ تحصیل میں ساتھ جانا آسان ہو میں نے اس کو بھی ایک چار پائی بتلا دی۔ گرمی کی دوپہر کا وقت تھا وہ اس پر سو گیا اور ایک چار پائی پر میں لیٹ گیا تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت زنانہ مکان سے دبے دبے پاؤں تشریف لائے اور اس ہندو کی چار پائی کی پٹی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانا شروع کر دیئے میں دیکھ کر برداشت نہ کرسکا اٹھا اور پاس جا کر عرض کیا کہ حضرت تکلیف نہ فرمائیں میں دبادونگا فرمایا کہ یہ میرا حق ہے میرا مہمان ہے تم کو حق نہیں جاؤ تم اپنی جگہ لیٹو کہیں اس قیل وقال سے اس بیچارے کی آنکھ نہ کھل جائے اور پھر اس کو تکلیف ہو۔ غرض حضرت پاؤں دباتے رہے اور اس کو کچھ خبر نہیں پڑا ہوا خر خر کر رہا تھا فرمایا کہ اس میں انا مقدر تھا تو حضرت کے اخلاق کی نظیر ملنا مشکل ہے مگر متکبرین کے متعلق حضرت کی بھی یہ ہی رائے تھی کہ ان کو تھانہ بھون بھیجا جائے وہاں ان کے مزاج درست ہونے اور کمال اخلاق کے ساتھ حضرت کا یہ دوسرا کمال

تھا کہ دونوں شانیں جمع تھیں ایک وقت گھر میں کا فرضیف (مہمان) کا حق ادا ہو رہا ہے اور ایک وقت جب وہ کافر میدان میں آوے تو سیف کا حق دار ہو رہا ہے۔ جبکہ اس کا ظلم وحیف (ستم) ظاہر ہو۔ (جلد۳ ص ۱۴۱)

متکبرین کا علاج خانقاہ امدایہ میں

(ملفوظ ۲۰۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان متکبروں کا علاج بحمد اللہ یہاں پر آ کر بہت اچھی طرح ہوتا ہے ان کے دماغوں کا خناس خوب نکالا جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی ایسے لوگوں سے فرمادیا کرتے تھے کہ ایسے متکبروں کو تو تھانہ بھون بھیجنا چاہئے وہیں درست ہوتے ہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس کا پیر تڑانہ ہو اس مرید کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ (جلد۴ ص ۲۰۶)

کبر اور خودرائی کا مرض

(ملفوظ ۴۵۱) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کبر اور خودرائی کا مرض آجکل تقریباً عام ہو گیا ہے خصوص لکھے پڑھوں میں۔ ایک شخص نے جو قاری مشہور تھے یہ استفتاء کیا تھا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کے پیچھے میری نماز ہو جاتی ہے یا نہیں وہ اپنے دل میں سمجھتے تھے کہ سب سے زیادہ فاضل اور عامل میں ہوں حالانکہ یہ لوگ بزرگوں کے صحبت یافتہ اور خود حضرت مولانا کے مرید تھے میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر سلسلہ میں داخل ہو کر انکسار اور فنا کی شان نہ پیدا ہوئی جو اس طریق کی پہلی سیڑھی ہے تو وہ شخص بالکل محروم ہے۔ اس قراءت پر یاد آیا کہ ایک بار حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اتفاقاً رات کو کہیں سے آرہے تھے راستہ میں حضرت حبیب عجمی کا گھر آ گیا وہ تہجد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے خیال ہوا کہ میں بھی ان کا اقتداء کرلوں مگر دیکھا کہ بعض حروف ان کے نزدیک صحیح نہ تھے اس لئے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھی حضرت حق جل علی شانہ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ کوئی عمل ایسا ہے کہ وہ

سب میں زیادہ آپ کو محبوب ہو حکم ہوا الصلوۃ خلف الحبیب انجمی یعنی ان کے پیچھے نماز پڑھنا کہ وہ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ وہ غلطی مفسد صلوٰۃ تھی مفوت تحسین ہوگی۔ (جلد ۴ ص ۳۸۹)

حکایت کبر اور کم عقلی

(ملفوظ ۴۵۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ معلم انگریزی اسکولوں کے ہوں یا اردو کے اکثر ان میں دو چیزیں جمع ہوتی ہیں کبر اور کم عقلی کی ایک حکایت ہے کسی نے نوکر سے بکری کی سری منگائی تھی وہ مغز خود کھا گیا آقا نے پوچھا مغز کا کیا ہوا تو کہنے لگا [1] معلم گو سفنداں بود۔

ایک صاحب ہیں وہ تعلیم کا سلسلہ جاری کرنا چاہتے ہیں مگر اس قدر کم فہم واقع ہوئے ہیں کہ کوئی بات بھی تو ٹھکانے یا سمجھ کی نہیں میں جو لکھتا ہوں اس کا تو جواب ندارد اپنی ہی مرغ کی ایک ٹانگ ہانکے چلے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ مرغ کی ٹانگ یہ ایک مثل مشہور ہے اس کی بناء یہ ہے کہ کسی آقا نے باورچی کو حکم دیا کہ آج مرغ پکاؤ اُس نے حکم کی تعمیل کی مگر جب دستر خوان پر کھانا گیا تو پلیٹ میں مرغ کی صرف ایک ٹانگ آقا نے مطالبہ کیا باورچی کہتا ہے کہ اس کی ایک ہی ٹانگ تھی آقا نے کہا کہ پاگل ہو کہیں ایک بھی ہوتی ہے اُس نے پھر اصرار کیا کہ اچھا کوئی مرغ ایک ٹانگ کا دکھلاؤ آقا نوکر کو لے کر چلا اتفاق سے ایک مرغ ایک ٹانگ پر کھڑا تھا نوکر نے جو کہا کہ دیکھئے حضور ہے بھی اس کے ایک ہی ٹانگ۔ آقا نے اُس مرغ کی طرف ہاتھ کر کے کہا کہ ''ہشت'' مرغ نے دوسری ٹانگ بھی نکالدی اور بھاگ گیا۔ آقا نے کہا دیکھ! دو ٹانگ ہیں یا نہیں تو باورچی کہتا ہے کہ آپ نے وہاں ہشت کیوں نہیں فرمایا تھا۔ وہاں بھی دوسری ٹانگ نکل آتی۔

---

(۱) یہ بکرا دوسرے بکروں کا معلم تھا۔

مرض تکبر کی فکر رہتی ہے

(ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ بھی آجکل لوگوں میں ایک عام مرض ہوگیا ہے کہ اس کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کوئی ہم کو برا نہ کہے یہ مرض حب جاہ کہلاتا ہے اور یہ مرض تکبر سے ناشی ہے اور بڑا ہی مہلک ہے اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے دنیا میں بھی اس کی بدولت جو کلفتیں ہوتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں اور آخرت تو اس کی بدولت بہت ہی خراب اور برباد ہو جاتی ہے اس کی تو فکر ہی نہ ہونا چاہئے کوئی کچھ کہے کہا کرے اس سے بگڑتا کیا ہے ایک فوری کلفت تو اس میں یہ ہے کہ آدمی اس سوچ اور فکر میں پڑ کر کسی کام کا نہیں رہتا بڑا حصہ وقت کا اس میں خراب اور برباد ہوتا ہے کسی وقت قلب کو چین اور سکون ہی میسر نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں پر اس کا مدار ہے کہ اس کو اچھا سمجھیں اور یہ غیر اختیاری چیز ہے اور جب یہ معلوم ہے کہ یہ غیر اختیاری چیز ہے تو اس کے درپے ہونے کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا اور نتیجہ نہ ہونے کی حالت میں اس میں مشغول ہونا کم از کم فعل عبث تو ضرور ہوگا اور فضول اور عبث سے بچنا خود نصف طریق ہے۔ (جلد ۸ ص ۳۶)

حب جاہ اور کبر کا مرض حماقت سے ناشی

(ملفوظ ۲۱۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ حب جاہ اور کبر کا مرض بھی دنیا اور دین دونوں کو برباد کرنے والا ہے اور یہ مرض حماقت سے ناشی ہے فلاں مولوی صاحب یہاں پر رہتے تھے مدرسہ دیوبند پر فتوی لگایا تھا کہ حیدرآباد دکن سے جو مدرسہ کو آمدنی ہے یہ بالکل حرام ہے اور اب وہی جناب ایک رافضی کی سفارش سے اسی حیدرآباد دکن سے وظیفہ پا رہے ہیں وہ بھی بہت خوشامدوں کے بعد وہ سب تقویٰ طہارت نذر ریاست ہوگیا اللہ بچائے اپنے قہر سے انسان کو چاہئے کہ اپنی کسی حالت پر ناز نہ کرے ہماری حقیقت ہی کیا ہے بلکہ ہمارا وجود ہی کیا ہے اور کسی کو کیا خبر ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے بس نیاز پیدا کرنے

کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ اسی میں خیر ہے ایسے متقی اور پرہیزگاروں سے کہ جن کی ظاہری وضع تو نیکیوں کی سی ہے اور دل کی یہ حالت ہے کہ فرعونیت سے پر ہے رندی ہزار درجہ اچھے ہیں بس ان لوگوں کی وہی حالت ہے جس کو کوئی صاحب فرماتے ہیں۔

از بروں چوں گور کافر پرحلل　　　واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بربایزید　　　وز درونت ننگ می دارد یزید

(ظاہری حالت تو ایسی بنی سنوری جیسے کافر کی قبر پر عمدہ عمدہ غلاف چڑھاتے ہوتے ہیں مگر اندر حق تعالٰی کے قہر میں مبتلا ہوتا ظاہری حالت تو ایسی کہ حضرت بایزید بسطامی سے بھی بڑھی ہوئی ہے اور باطن ایسا کہ یزید کو بھی شرم آوے۔) (جلد۵ص ۲۱۵)

تواضع بصورتِ تکبر

(ملفوظ) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کبھی تواضع بھی بصورت تکبر ہوتی ہے بعض لوگ اس لئے تواضع کرتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں میں ممدوح ہوجائیں سو اس نیت سے تواجع اختیار کرنا یہ بھی تکبر ہے ایسے ہی اشتباہات کے سبب اس راہ میں راہبر کی سخت ضرورت ہے اس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو　　　بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

جب ایسا رہبر ملجاوے تو تم اپنا کل کچا چٹھا اس کے سامنے کہہ دو اور وہ جو کہے اس کا اتباع کرو اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو　　　پیش مردے کاملے پامال شو

اور یہ طریقہ اگر خلوص سے بھی اختیار نہ کرو تو بطور امتحان ہی کر کے دیکھ لو۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دلخراش　　　آزموں را یک زمانے خاک باش

کبر کا مرض عام ہو گیا ہے الا ماشاء اللہ

(ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل تکبر کا مرض ہر شخص میں عام ہو گیا الا ماشاء اللہ اس سے بچنے کی کسی کو فکر ہی نہیں۔ اب اس مرض کے وجوہ مختلف ہیں کسی میں یہ کبر حسن و جمال کی وجہ سے ہے کسی کے اندر علم و فضل کی وجہ سے ہے کسی کے اندر زہد تقوی کی وجہ سے ہے کسی کے اندر قوت و شجاعت کی وجہ سے ہے۔ غرض یہ کہ یہ بلا ہے قریب قریب سب ہی میں اور خصوصیت سے لیڈروں میں تو کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے یہ تو اس مرض کا پورا شکار بنے ہوئے ہیں۔ ان میں کبر کی ساتھ حسد کا مرض بھی مل گیا ہے اس لئے مصلحین اور علماء امت پر شب روز ان کو اعتراض ہے۔ ان کے ان سب اعتراضات کا اصل ناز وہی کبر و حسد و حریت ہے کہ ہم کو کوئی کہنے والا نہ رہے سوائے ہمارے نہ کوئی مصلح رہے اور نہ مولوی یہ تو کبر و حسد ہوا پھر کھلے بندوں جو چاہے کرتے پھریں یہ حریت ہے۔ اول تو انگریزیت کے دلدادہ تھے اور دل سے اس پر فریفتہ اب کچھ روز سے دین کی وجہ سے تو نہیں ہاں قوم کی فلاح اور بہبود کی غرض سے بزعم خود خدمت مذہب کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو اب سب کچھ خود ہی بننا چاہتے ہیں۔ مفسر بھی محدث بھی فقیہ بھی کسی نے خوب کہا ہے ۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اور مولانا فرماتے ہیں ۔

چون گرسنہ می شوی سگ می شوی چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی (جلد ۶ ص ۹۰)

فصل تکبر میں

قال اللہ تعالیٰ ﴿ اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ ﴾

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایدخل الجنۃ أحد فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر۔ رواہ مسلم

ماہیت: اپنے کو صفاتِ کمال میں دوسرے سے بڑھ کر سمجھنا۔

معالجہ: اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کرے اس کے مقابلے میں اپنے کمالات کو ہیچ پائیگا۔ اور جس شخص سے اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اس کے ساتھ تعظیم وتواضع سے پیش آوے یہاں تک کہ اس کا خوگر ہو جاوے۔ (تعلیم الدین، ص ۱۰۶)

{ علم اور علما کے کیا حقوق ہیں؟ اس موضوع پر مجدد الملت
حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی ایک قدیم تحریر کی جدید اشاعت }

تالیف

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ادارہ اسلامیات
کراچی ــ لاہور

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

افادات:

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ترتیب

جناب حضرت محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم

مجاز بیعت

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ

وحضرت اقدس حاجی محمد شریف صاحب قدس سرہٗ

تتمہ امداد الفتاوی

حضرت تھانوی قدس سرہ کی بیسوں کتب اور سینکڑوں مواعظ وملفوظات
سے اہم فقہی مسائل کا جامع اور مفید انتخاب

از افادات

حکیم الامت حضرۃ مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

جمع وترتیب

جناب حضرت محمد اقبال قریشی صاحب

ادارہ اسلامیات

جدید ایڈیشن نئے اضافوں کے ساتھ

اشرف الارشاد فی حقوق العباد

حقوق العباد

علمبردار

اہمیت ٥ فضائل ٥ مسائل

از ارشادات

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

جمع و ترتیب

جناب محمد اقبال قریشی مدظلہم

(ہارون آباد)

ادارۂ اسلامیات کراچی لاہور

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے

تین اہم مواعظ

جلاء القلوب	یعنی	جام جمشید
رجاء الغیوب	یعنی	صبح امید
دواء العیوب	یعنی	شام خورشید

اشاعت حسب ہدایت

نمونہ سلف صالحین حضرت محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم

ادارۂ اسلامیات کراچی لاہور